صحبتے با اہل دل

ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی رح

یعنی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب رح مجددی بھوپالی کے وہ مجلسی ارشادات و ملفوظات جن میں عصر حاضر کے ذوق اور مزاج کے مطابق زندگیوں کی اصلاح کا پیغام، ایمان و یقین و کیفیت احسانی پیدا کرنے کا وافر سامان، اور حکایات و تمثیلات کے پیرائے میں تصوف اسلامی کا عطر اور سلوک و معرفت کا لب لباب آگیا ہے

مُرتّبہ

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

شائع کردہ: کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

۱

نظر ثانی، ترمیم اور دو مجلسوں کے اضافہ کے ساتھ

ے واں ایڈیشن ... ... سنہ ۲۰۰۴

کتابت ... ... ظہور احمد لکھنوی

طباعت ... ... کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ

ناشر ... ... محمد حسّان نعمانی

قیمت /۵ ے روپئے

ملنے کا پتہ :

کتب خانہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد، لکھنؤ

فہرست مضامین و عنوانات بقید صفحہ

چھٹی مجلس

ساتویں مجلس

آٹھویں مجلس

نویں مجلس

اٹھائیسویں مجلس

انتیسویں مجلس

تیسویں مجلس

پیش لفظ

از ـــــــ مولانا محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتْ

اس عاجز بندہ پر اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنی زندگی میں اس کے جن مقبول بندوں کو پایا، بغیر کسی استحقاق کے ان کی عنایت و شفقت اور اپنے دل کو ان کی محبت نصیب ہوئی ـــــ انہی میں سے ایک بھوپال کے شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی (علیہ الرحمۃ والرضوان) کی ذات بابرکات تھی جن کے ملفوظات کا یہ مجموعہ آپ کے ہاتھ میں ہے اور جن کے وصال کو ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں ہوا ہے۔

بھوپال کے سالانہ تبلیغی اجتماع کے سلسلہ سے (جو ۲۰-۲۲ سال سے قائم ہے) یہ عاجز راقم سطور قریب قریب ہر سال بھوپال حاضر ہوتا تھا، حضرت کی زیارت کی سعادت بھی نصیب ہوتی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرصہ تک آپ کی شخصیت اور مقام سے کوئی خاص واقفیت نہیں تھی بس اتنا معلوم تھا کہ حضرتؒ پیر ابو احمد مجددیؒ کے صاحبزادہ اور جانشین ہیں۔ اور حضرت پیر صاحب کے بارے میں ان کے عالیمقام

خلیفہ حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے چونکہ بہت کچھ سنا تھا اس لیے قلب میں ان کی پوری عظمت تھی ــــــ (پھر غالباً ۳-۴ دفعہ کی زیارت و ملاقات کے بعد) حضرت کی مجالس میں بیٹھنے اور ارشادات سننے کا اتفاق ہوا تو محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب کو "حکمت" کی وہ دولت عطا فرمائی ہے جس کے بارے میں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ	جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے "حکمت" کی
أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ہ	نعمت ملی اس کو "خیر کثیر" عطا فرمایا گیا

رفیق محترم مولانا علی میاں کے بھوپال سے کچھ خاص روابط بھی تھے اور وہاں ان کی آمد و رفت تبلیغی اجتماع کے سلسلہ کے علاوہ بھی ہوتی تھی، اس لیے حضرت کی مجالس میں حاضری کا ان کو زیادہ موقع ملتا تھا، حضرت کو بھی ان کے ساتھ خاص تعلق تھا۔

اب سے قریباً سوا تین سال پہلے ذی الحجہ ۸۶ھ میں مولانا موصوف کا بھوپال جانا ہوا اور کئی دن قیام رہا حسب معمول اہتمام سے حضرت کی مجلس میں حاضری رہی اس دفعہ ان کے دل میں ملفوظات قلمبند کرنے کا داعیہ شدت سے پیدا ہوا اور پھر اہتمام سے روزانہ کے ارشادات قلمبند کرنے لگے ــــــ وہاں سے لکھنؤ واپسی پر انھوں نے مجھے ملفوظات کی وہ کاپی دکھائی، میں نے کہا کہ ان کو تو اللہ کے بندوں کے عام فائدہ کے لیے شائع ہونا چاہیے۔ مولانا نے میری رائے سے اتفاق کر لیا لیکن فرمایا کہ حضرت سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے چنانچہ راقم سطور ہی نے حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اس میں یہ ذاتی تجربہ اور واقعہ بھی لکھا کہ:۔

حضرت کے جدّ بزرگوار شاہ رؤف احمد مجدّدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ حضرت شاہ غلام علیؒ کے فارسی ملفوظات کا جو مجموعہ "درّ المعارف"

مرتب فرمایا تھا، اس کا تلخیصی ترجمہ اب سے چند سال پہلے "الفرقان" میں شائع ہوا تھا، مجھے معلوم ہے کہ اس سے اللہ کے بہت سے بندوں کو بڑا دینی نفع پہنچا، کتنے ہی دلوں میں تعلق باللہ کی طلب پیدا ہوگئی۔ خود میرا یہ حال ہے کہ میں نے اس کے اوراق "الفرقان" کے پرچوں سے علیحدہ کرکے اپنے پاس رکھ لیے ہیں جب کسی وجہ سے دل زیادہ پراگندہ اور مکدر ہوتا ہے تو اس کے مطالعہ سے اپنا علاج کرلیتا ہوں (اس ذاتی تجربہ کا ذکر کرنے کے بعد میں نے لکھا کہ) مولانا علی میاں نے بھوپال کی اس دفعہ کی حاضری میں حضرت کے کچھ ملفوظات قلمبند کیے ہیں، میں نے بھی ان کا مطالعہ کیا، الحمدللہ مجھے بڑا نفع ہوا اور یقین کے ساتھ امید ہے کہ اگر ان کو شائع کردیا جائے تو اللہ کے بہت سے نیک بندوں کو بڑا دینی نفع پہنچے گا اس لیے "الفرقان" میں ان کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمادی جائے: مجھے اندازہ ہے کہ "الفرقان" کے پڑھنے والوں میں الحمدللہ اچھی خاصی تعداد ایسے بندگان خدا کی ہے جو اس طرح کی چیزیں قدر سے پڑھتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں)۔

اس کے جواب میں جو گرامی نامہ آیا اس سے ہم لوگوں نے سمجھا کہ اگرچہ ان ملفوظات کی اشاعت مزاجی اور طبعی طور پر حضرت کے لیے خوشگوار نہیں ہوگی لیکن دینی فائدہ کے خیال سے گوارا فرمالی جائے گی؛ اس بناپر اور اسی نیت سے "الفرقان" میں قسط وار ان کی اشاعت شروع کردی گئی، ـــــ اس سلسلہ کی پہلی قسط محرم ۸۰ھ کے شمارہ میں شائع ہوئی تھی پھر اس کے بعد بھی مولانا علی میاں کے بھوپال کے کئی سفر ۸۰ھ و ۸۱ھ میں ہوئے اور ہر دفعہ ملفوظات قلمبند کرنے کا اہتمام کیا اور یہ سلسلہ قسط وار "الفرقان" میں شائع ہوتا رہا۔

گزشتہ سال ۸۹ھ کے وسط تک اس سلسلہ کی اکیس ۲۱ قسطیں شائع ہوچکی تھیں ان کو پڑھ کر بہت سے اہل نظر مخلصین نے مولانا علی میاں کو بھی لکھا اور اس عاجز مدیر الفرقان

کو بھی کہ ان سب ملفوظات کو یک جا کتابی شکل میں ضرور شائع کیا جائے، چنانچہ اب سے ۶-۷ مہینے پہلے مولانا نے اس کا ارادہ فرمالیا۔ پورے سلسلہ پر نظر ثانی کی، ہر ملفوظ پر عنوان بھی قائم کیا جس سے اس کے مقصد اور روح کی طرف رہنمائی ہو جائے، اس کے بعد ذیقعدہ ۹۰ھ میں مولانا کا پھر بھوپال جانا ہوا اور پورے ہفتہ قیام کیا اور روزانہ کی مجلس کے ملفوظات پابندی اور اہتمام سے قلمبند فرمائے مگر چونکہ کتابی اشاعت کا فیصلہ کیا جا چکا تھا اس لیے ان کو الفرقان میں شائع کرنے کا فیصلہ نہیں کیا گیا (وہ پہلی دفعہ اس مجموعہ ہی میں شائع ہو رہے ہیں)

مولانا نے قریباً پچاس صفحات کا مقدمہ بھی لکھا جس میں صاحب ملفوظات علیہ الرحمۃ کی نہایت سبق آموز سوانح حیات اور ان کے خاندانی اسلاف و مشائخ کا تذکرہ اور تعارف بھی بقدر کافی آگیا ہے اس کے علاوہ نقشبندی مجددی سلسلہ سے اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں دین و شریعت کی حفاظت کا جو کام لیا ہے اور اللہ کی توفیق سے جس منصوبہ بند طریقہ پر ان حضرات نے یہ خدمت انجام دی ہے اس کی طرف بھی اس مختصر سے مقدمہ میں غالباً پہلی دفعہ اشارات کیے گئے ہیں۔

چونکہ صاحب ملفوظات علیہ الرحمۃ کے ارشادات سے خاص کر ادھر چند مہینوں سے یہ اشارہ مل رہا تھا کہ اس عالم سے حضرت کی رخصتی کا وقت قریب ہی ہے اس لیے مولانا علی میاں کی بھی اور اس عاجز کی بھی خواہش اور پوری کوشش تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے یہ جلد سے جلد شائع ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کا فیصلہ یہی تھا کہ حضرت کے وصال کے بعد شائع ہو۔ ابھی کتابت ہو رہی تھی ۲۴۰ صفحات تک کتابت ہوئی تھی کہ ۱۳؍ ربیع الاول ۹۱ھ ۲۰؍ مئی ۷۱ء کو حضرت کا اچانک وصال ہو گیا۔ رحمہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین ٥

اب حضرتؒ کے وصال کے بعد محسوس ہوا کہ اب سے سوا تین ساڑھے تین

سال پہلے مولانا علی میاں کے قلب میں جو یہ ڈالا گیا کہ وہ حضرتؒ کے ملفوظات قلمبند کریں اور پھر اس کا ایسا داعیہ پیدا فرمایا گیا کہ انھوں نے اس کے بعد خاص اس مقصد کے لیے بھی بار بار بھوپال کے سفر کیے (حالانکہ حضرتؒ کے ساتھ مولانا کا بیعت وغیرہ کا کوئی رسمی تعلق نہیں تھا) تو یہ حضرت علیہ الرحمہ کے فیوض و معارف اور اصلاحی دعوت کی حفاظت کا ایک غیبی انتظام تھا اور اب اس کتابی اشاعت کے ذریعہ اس کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَاءُ ــــــ

اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم نے ادارۂ الفرقان سے ایسے بہت سے کام لیے ہیں جنکو اس کی نظر عنایت کی علامت اور نشانی سمجھا جا سکتا ہے اس سلسلہ میں "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" اور "معارف الحدیث" کے بنیادی سلسلوں کے علاوہ امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور ان کے فرزند و جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندیؒ کے مکتوبات نیز ان کے اور ان کے بعد کے ولی اللّٰہی سلسلہ کے ربانی مصلحین کے علوم و معارف اور اصلاحی و تجدیدی کارناموں کی اشاعت یہ سب اللہ تعالےٰ کے وہ انعامات و احسانات ہیں جن کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا۔

اگر بر روید از تن صد زبانم
چو سوسن شکر لطفش کے توانم

بلاشبہہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجدّدی علیہ الرحمہ کے اس مجموعۂ ملفوظات کی اشاعت کی توفیق بھی اسی سلسلۂ عنایات ربّانی کی ایک کڑی ہے جس ربِّ کریم نے اس کی توفیق دی اسی سے دعا ہے کہ وہ اس کو صاحب ملفوظاتؒ کے باقیات صالحات کی حیثیت سے قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ بندوں کو اس سے وہ نفع پہونچائے جو اصل مقصود ہے۔

ناظرین کو مطالعہ سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اس مجموعۂ ملفوظات کے مرتب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اب سے کئی مہینے پہلے اس کو مرتب کیا تھا اور مقدمہ بھی شروع ذیقعدہ ۸۹ھ (وسط جنوری ۷۰ء) میں لکھ دیا تھا اس کے بعد مولانا نے بھوپال کا ایک سفر گزشتہ مہینہ اپریل میں بھی کیا اور آخری مجلس (۲۸ محرم ۹۰ھ - ۵ اپریل ۷۰ء) کے ملفوظات کا اور اضافہ ہو گیا۔

اس کے صرف پینتالیس ۴۵ دن بعد ۱۳ ربیع الاول ۹۰ھ (۲۰ مئی ۷۰ء) کو حضرت کا وصال ہو گیا۔ واقعۂ وصال کی جو تفصیلات عینی شاہدوں کے ذریعہ معلوم ہوئیں ان میں اہل ایمان کے لیے بڑی لذت و مسرت کا سامان ہے ان کو معلوم کر کے بے اختیار زبان پر آتا ہے کہ ایسی موت پر ہزار زندگیاں قربان!

راقم سطور نے ایک مضمون میں ان تفصیلات کا ذکر کیا تھا۔ وہ "الفرقان" بابت ماہ ربیع الاول میں شائع ہو چکا ہے۔ کچھ باتیں اس کے بعد علم میں آئیں اب ان کے اضافہ اور نظر ثانی کے بعد اس مضمون کو اس مجموعہ ملفوظات کے آخر میں شامل کر دیا گیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

محمد منظور نعمانی

لکھنؤ

ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ

جون ۱۹۷۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

مجددی خاندان اور سلطنت مغلیہ

جن لوگوں کی اسلامی ہند کی تاریخ پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ امام ربّانی حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارنامے کے بعد سے ہندوستان کی اسلامی حکومت کی نگرانی، اس کے سربراہوں اور ذمہ داروں کی تعلیم و تربیت اور ہندوستان میں دین و شریعت کی حفاظت اور اسلام کے مستقبل کے تحفظ کا کام اللہ تعالےٰ نے ان کے خاندان اور ان کے سلسلے کے عالی مقام مشائخ اور بزرگوں کے سپرد فرمایا۔ ذالك تقدیر العزیز العلیم ٥

مغل بادشاہوں کی (جن کے ساتھ عرصہ تک کے لیے ہندوستان، اور ہندوستان کے مسلمانوں کی قسمت وابستہ کردی گئی تھی) دینی اصلاح کا جو عظیم کام دورِ اکبری کے آخری عہد سے اس سلسلہ عالیہ کے بانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شروع کیا تھا۔ اس کی تکمیل محی الدین عالمگیرؒ کی ذات پر ہوئی، جو ہندوستان کا سب سے بڑا فقیہ، غیور، حامیِ دین و شریعت اور مجاہد مسلمان فرمانروا تھا۔ اس نے اپنی شاہزادگی کے دَور میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلف الرشید، خلیفۂ راشد اور ان کے علوم کے ترجمان و شارح حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے بیعت کی تھی، حضرت خواجہ اپنی فراست صادقہ کی بنا پر اس کو

ہندوستان میں دین کے احیاء و حفاظت کے نازک اور عظیم کام کے لیے تیار کر رہے تھے اور اپنے حیات بخش اور روح پرور خطوط اور ہدایت ناموں کے ذریعہ اس کی ایمانی چنگاریوں کو فروزاں اور اسلامی جذبات کو متحرک اور متعدی بنانے کی کوشش میں مصروف تھے، چنانچہ ایک ایسے زمانے میں جب کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا اسلطنت مغلیہ کا آخری با اختیار و طاقتور بادشاہ ہونے والا ہے، وہ اس کو "شہزادۂ دین پناہ" کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ پھر جب اس نے اپنی اصلاح و تربیت کا شوق ظاہر کیا اور حضرت کو تشریف آوری کی زحمت دینی چاہی تو آپ نے اپنے فرزند گرامی قدر حضرت خواجہ سیف الدین کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا جنھوں نے بادشاہ کے منازلِ سلوک طے کرائے محل شاہی کو تمام بدعات اور خلاف شریعت چیزوں سے پاک کیا اور پھر اپنے والدِ بزرگوار کو بادشاہ میں آثار ذکر پیدا ہو جانے کی بشارت دی۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوب نمبر ۲۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو فنائے قلبی کا مقام حاصل ہو چکا تھا، جو ولایت میں ایک اعلیٰ مقام سمجھا جاتا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ بادشاہ کی تخت نشینی کے دس برس بعد تک حیات رہے اور بادشاہ کا ان سے برابر رابطہ قائم رہا اور حضرت خواجہ سیف الدین نے ۲۶، ۲۷ سال تربیت و ارشاد میں مصروف رہ کر ۱۰۹۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت خواجہ سیف الدین ہی کی دہلی[1]

---

[1] ہمارے عزیز دفاضل دوست محمد اسلم صاحب استاد شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی نے اپنے ایک گرانقدر مضمون "اورنگ زیب کی تخت نشینی میں علماء و مشائخ کا کردار" مشمولہ تاریخی مقالات میں اس سلسلہ کا بہت قیمتی مواد اور قدیم فارسی کتابوں اور معاصر تاریخوں کی شہادتیں جمع کر دی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

میں وہ خانقاہ تھی جو بعد میں ان کے سلسلہ کے نامور مشائخ، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ، حضرت شاہ غلام علیؒ اور حضرت شاہ احمد سعید مجددی کے قیام سے منور و مشرف ہوئی اور جس نے حضرت شاہ غلام علیؒ کے عہد میں ساری اسلامی دنیا میں نام پیدا کیا اور اس عہد کا سب سے بڑا روحانی مرکز بن گئی اور جہاں سے حضرت شیخ خالد کردی نے تربیت و خلافت حاصل کر کے سارے شام و عراق اور ترکی کو سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ سے معمور و مخمور کر دیا۔

شاہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد جب سلطنت مغلیہ کو زوال آیا، تو ان مجددی مشائخ نے اسلامی معاشرہ کو زوال سے بچانے اور مسلمانوں کے دینی جذبات اور اخلاق کو اس سیاسی زوال کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی امکانی کوشش کی، اپنے نفسِ گرم اور اپنے جذب قومی سے ان کے تعلق باللہ اور تمسک بالشریعت کو قائم رکھنے کے لیے پوری سعی و جانفشانی فرمائی حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی تعلیم سلوک و تربیت کی سرگرمیاں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندان کی اشاعتِ کتاب و سنت کی کوششیں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ و شاہ اسحاق صاحبؒ کا شہرۂ آفاق درس حدیث اور پھر

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) خاندان والا شان کا سلطان وقت کی ذات، رجحانات و جذبات، اس کے دور وسیر اور دربار سے مسلسل تعلق اور رابطہ رہا ہے، وہ دربار میں آتے جاتے تھے اور بادشاہ ان کی خدمت میں عقیدت مندانہ نذریں اور تحائف پیش کرتا تھا، متعدد صاحبزادگان دکن میں بادشاہ کے ساتھ مقیم تھے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے شیخ محمد یحیٰی سے (جو صاحب ملفوظات شاہ محمد یعقوب صاحب کے جدامجد ہیں) بادشاہ کی اکثر ملاقات رہتی تھی اور وہ ہمیشہ آپ کو نذر و تحائف پیش کرتا تھا۔ (تاریخی مقالات ص ۲۲۸، ۲۳۲)

حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تحریکِ جہاد اور تاسیس حکومت اسلامی (علیٰ منہاج الخلافتہ الراشدہ) کی کوشش سب اسی طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔

این سلسلہ از طلائے ناب است
این خانہ تمام آفتاب است

مجددی خاندان اسلامی ریاستوں میں جب تقدیر الٰہی نے اسلامی سلطنت کے لیے زوال و اختتام کا فیصلہ کیا اور مسلمانوں کی شامت اعمال سے "غریب الوطن و متاع فروش"[1] انگریز اس ملک کے فرمانروا بن گئے اور دہلی کی مرکزی سلطنت کے بجائے ہندوستان کے مختلف حصوں میں انگریزی سلطنت کے زیر سایہ متعدد مسلمان ریاستیں قائم ہوگئیں۔ جہاں مسلمان شرفاء و فضلا اور اہل کمال بڑی تعداد میں جمع ہو گئے اور جنھوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اور اپنے مقدور بھر گذشتہ اسلامی سلطنت کی آن بان قائم رکھنے اور اہل علم و اہل دین کی قدر دانی و سرپرستی کرنے کی کوشش کی۔ یہ دورِ خزاں میں مسلمانوں کی تہذیب، علوم اور حاکمانہ خصوصیتوں اور صلاحیتوں کی آخری یادگاریں تھیں جہاں مسلمان خاندانوں کے افراد قسمت آزمائی کے لیے آتے تھے۔ حوصلہ مند اور ہونہار نوجوان اپنی تسکین کا سامان پاتے تھے۔ اہل کمال کو اظہار کمال کا موقع ملتا تھا، کتاب و سنت اور اسلامی علوم کے ماہر اپنے درس کے حلقے اور دینی علوم کے مدرسے قائم کرتے تھے اور شائقین علم دور دور سے اپنی پیاس

[1] انھیں الفاظ کے ساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے مکاتیب میں انگریز حکمرانوں کو یاد فرمایا ہے۔

بجھانے آتے تھے۔ اس طرح یہ ریاستیں مسلمانوں کی زندگی اور ان کی بچی کھچی طاقت وصلاحیت کا مرکز بن گئیں، اس وقت مجددی خاندان وسلسلہ کے مشائخ نے انھیں ریاستوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور ان کی مختلف شاخوں نے ان ریاستوں میں خانقاہیں تعمیر کیں اور تربیت واصلاح کا کام شروع کیا۔ اور اپنے سلسلہ کے بانی کے مسلک اور حکمت عملی کے مطابق حکمراں طبقہ اور خواص کی تربیت و اصلاح پر خصوصی توجہات مرکوز کیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی جو مربی حقیقی ہے اس کا غیب سے سامان پیدا فرمایا۔ متعدد والیان ریاست کے دل میں اس سلسلۂ عالیہ سے عقیدت، اس کی طرف انجذاب وکشش اور ان کو اپنے یہاں آنے کی زحمت دینے اور ان سے استفادہ کرنے کا قوی داعیہ پیدا کیا۔ چنانچہ یہ محض اتفاقی امر نہیں ہے کہ ہم کو اس زمانہ کی تقریباً تمام اسلامی ریاستوں میں اس خانوادۂ عالی کا کوئی نہ کوئی فرد اور اس سلسلۂ گرامی کا کوئی نہ کوئی صاحب ارشاد شیخ نظر آتا ہے۔

حیدرآباد ان ریاستوں میں سب سے بڑی ریاست حیدرآباد کی تھی جو ایک مستقل حکومت کا درجہ رکھتی تھی اور بہت سے آزاد اسلامی ملکوں سے اپنے رقبہ کی وسعت اور لوازم سلطنت میں کم نہ تھی۔ حیدرآباد میں حضرت شاہ محمد نعیم صاحب معروف بہ مسکین شاہ صاحب تیرھویں صدی کے وسط میں تشریف لائے جو حضرت شاہ سعد اللہ صاحب کے خلیفہ تھے۔ حضرت شاہ سعد اللہ صاحب کو حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ دہلوی سے خلافت تھی۔ ان کا سلسلہ مشہور ومعروف ہے۔ مسکین شاہ صاحب کا حیدرآباد میں طویل قیام رہا۔ آصف جاہ ششم، اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں ان کے ارادت مند[۱] تھے۔ ۱۳۱۴ھ میں

---

[۱] "جلوۂ مسکین" کے صفحہ ۹ پر ہے "حضور عالی کی بیعت، ار رجب ۱۳۱۳ھ دن کے ٹھیک ۱۱ بجے بہمراہی ٹیپو خاں

(باقی اگلے صفحہ پر)

ان کا انتقال ہوا اور مسجد الماس اندرون دروازہ علی آباد حیدرآباد میں ان کی قبر مبارک ہے[1]۔ شاہ سعد اللہ صاحب کے دوسرے خلیفہ سید محمد بادشاہ بخاریؒ (م ۱۳۲۸ھ) تھے جن کے خلیفہ مولانا سید عبد اللہ شاہ صاحب مصنف "زجاجۃ المصابیح" مدت دراز تک حیدرآباد میں سرگرم تربیت و ارشاد رہے۔ اور خلق کثیر نے ان سے فیض پایا ۱۸ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ کو رحلت فرمائی[2]۔

رام پور

رام پور شروع سے مجددی خاندان کے افراد کا مامن و مسکن رہا ہے ۱۱۷۳ھ میں جب سکھوں نے سرہند کو تاراج کیا تو اس خاندان کے ایک فرد شاہ شعور احمد صاحب مجددیؒ (والد حضرت شاہ رؤف احمد صاحبؒ) رام پور تشریف لائے اور وہیں چودہ محرم ۱۲۰۱ھ میں ان کے فرزند ارجمند شاہ رؤف احمد صاحب (جن کا تذکرہ آیندہ سطور میں آئے گا) کی ولادت ہوئی اور وہیں انھوں نے سن شعور اور تعلیم و تربیت و سلوک کے مدارج طے کیے۔

نواب کلب علی خاں کا دور ہر حیثیت سے ریاست کے عروج و نیک نامی اور مرکزیت کا دور تھا۔ انھوں نے حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) عالی جناب حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ کے مکان پر حضور نظام تشریف فرما ہوئے بعد تضرع و زاری بسیار حضور نظام نے شاہ صاحب موصوف کے دست مبارک پر بیعت کی کامل آدھا گھنٹہ تخلیہ رہا، پھر حضور نے سو اسو اشرفی نذر دی من بعد بعضے اپنے طبعزاد اشعار کو جو شاہ صاحب کی شان میں موزوں فرمائے تھے قرأت فرمایا۔ (منقول از مخبر دکن مدراس پنجشنبہ ۲ جنوری ۱۸۹۶ء) [1] "لذات مسکین" مصنفہ ابو الاہر محمد عبد القادر نقشبندی مجددی مطبوعہ ۱۳۱۱ھ یہ مسکین شاہ صاحبؒ کا تذکرہ ہے جو ۲ جلدوں میں ہے۔ "جلوہ مسکین" آپ کے ملفوظات کے مجموعہ کا نام ہے، جو آپ کے خلیفہ محمود شاہ صاحب نانڈیری کا مرتب کیا ہوا ہے اور اب نایاب ہے۔ [2] حالات کے لیے ملاحظہ ہو "گلزار اولیاء" مولفہ مولانا ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ صاحبؒ۔

کو تشریف لانے کی تکلیف دی۔ وہ خود تشریف نہیں لائے مگر اپنے فرزند ارجمند مظہر شریعت و طریقت حضرت شاہ عبدالرشید علیہ الرحمہ کو بھیج دیا۔ نواب صاحب نے ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اور ان کی تشریف بری کے بعد مرتے دم تک مولانا ارشاد حسین خلیفہ حضرت ممدوح سے اذکار و اشغال کی ورزش کرتے رہے۔[1]
اس کے بعد حضرت شاہ عبدالرشید صاحب کے صاحبزادے شاہ محمد معصوم مجددیؒ[2] جنھوں نے اپنے دادا حضرت شاہ احمد سعید صاحب سے سلوک کی تعلیم و تربیت پائی تھی۔ نواب کلب علی خاں مغفور کی درخواست پر حجاز سے رام پور تشریف لائے اور وہیں طرح اقامت ڈال دی۔ ان کی خانقاہ معصومیہ اب بھی رام پور میں مشہور ہے۔

ٹونک ٹونک کی ریاست تیرھویں صدی کے وسط میں راجپوتانہ کے ریگ زار میں قائم ہوئی تھی، لیکن بہت سی دینی و علمی حیثیتوں سے بہت سرسبز و شاداب تھی اور حمیت دین و حمایت شریعت میں شروع سے ممتاز رہی۔ اس کی بنیاد نواب امیر خاں کے ہاتھوں سے پڑی جو حضرت شاہ غلام علی دہلوی کے مرید و معتقد اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے رفیق و حلقہ بگوش تھے۔ ان کے جانشین، ان کے فرزند اکبر نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں ہوئے جو سید صاحب کے مرید رشید اور عاشق و جانثار تھے ان کے صاحبزادے نواب محمد علی خاں، پیر مرتضیٰ خاں جمعدار (خلیفہ حضرت سید صاحبؒ) کی صحبت و تربیت کے فیض یافتہ تھے۔ اسی ریاست میں سید صاحب کی شہادت کے بعد ان کے خاندان کے لوگ سکونت پذیر

---

[1] ماخوذ از تذکرہ گل رعنا مصنفہ مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مرحوم (حاشیہ صفحہ ۴۰۱، ۴۰۲)

[2] حضرت شاہ محمد معصوم صاحب نواب حامد علی خاں سے ایک مذہبی اختلاف کی بنا پر رام پور چھوڑ کر حرمین شریفین چلے گئے تھے۔ ۱۰ شعبان ۱۳۴۱ھ میں انھوں نے مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

ہوئے اور بالا کوٹ کے مجاہدین کا قافلہ آکر ٹھہرا جس کی نسبت سے وہ محلہ، محلہ قافلہ کے نام سے مشہور ہوا۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم کی دعوت اور ان کی قدر دانی کی بنا پر مولانا سید حیدر علی صاحب رامپوری (جن کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے تلمذ، اور حضرت سید صاحب سے خلافت تھی) نیز ان کے بھائی مولانا محمد علی صاحب واعظ رامپوری نے اس کو اپنا وطن اور مسکن بنا لیا۔

ان نسبتوں و تعلقات کی بنا پر اس ریاست کے فرمانرواؤں اور عام مسلمانوں کو اس سلسلۂ عالیہ سے ہمیشہ تعلق و ارادت رہی۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ ابو سعید صاحب نے سفر حج سے واپسی پر رمضان ۱۲۵۰ھ میں یہاں قیام فرمایا اور یہیں ان کی وفات کا واقعہ پیش آیا۔ اور یہیں سے ان کی نعش مبارک دہلی منتقل ہوئی۔

بھوپال بھوپال کی ریاست نواب دوست محمد خاں کی حوصلہ مندی سے ۱۱۴۰ھ (۱۷۱۱ء) میں قائم ہوئی، یہ ریاست حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی[1] کے قدوم سے مشرف ہوئی۔ جو حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ارشد خلفاء میں سے تھے اور نسباً و نسبتاً اول سے آخر تک مجددی ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب چار واسطوں سے حضرت خواجہ محمد یحییٰ فرزند اصغر حضرت مجدد الف ثانی اور سلسلۂ طریقت چار واسطوں سے حضرت خواجہ محمد معصوم فرزند و خلیفۂ ارشد حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے[2]۔

لہ شاہ رؤف احمد ابن شاہ شعور احمد ابن شیخ محمد مشرف ابن شیخ رضی الدین ابن شیخ زین العابدین ابن حضرت خواجہ محمد یحییٰ۔

ﷲ حضرت شاہ رؤف احمد خلیفہ حضرت شاہ غلام علی خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں خلیفہ حضرت سید نور محمد بدایونی خلیفہ حضرت شیخ سیف الدین خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم۔

شاہ رؤف احمد صاحبؒ

شاہ رؤف احمد صاحب ۱۲۰۱ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پایا۔

تعلیم مفتی شرف الدین صاحب اور دوسرے اساتذۂ رام پور سے پائی۔ حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور اپنے ماموں حضرت شاہ سراج احمد صاحب (شارح ترمذی) سے حاصل کی۔ طریقت کا اکتساب اولاً اپنے سلسلہ کے نامور شیخ شاہ درگاہی نقشبندیؒ سے کیا جو حضرت شاہ جمال اللہ رام پوریؒ کے خلیفہ تھے۔ ان کی خدمت میں پندرہ سال رہ کر منازل سلوک کی تکمیل کی اور اجازت سے سرفراز ہوئے۔ شاہ درگاہی صاحبؒ کی وفات ۱۴؍جمادی الآخر ۱۲۲۶ھ میں ہوئی۔

اس کے بعد مولانا شاہ رؤف احمد صاحب اپنی تکمیل تربیت کے لیے حضرت شاہ غلام علی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے جن کو اللہ تعالےٰ نے نہ صرف اس سلسلہ کی تجدید بلکہ کمالات باطنی اور درجہ احسان کی تجدید کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے گوناگوں اور چند در چند تعلقات وخصوصیات کی بنا پر ان پر نظر خاص تھی، بالآخر ان کو وہ قرب واختصاص حاصل ہوا جو ان کے خلفا میں کثیر التعداد ہونے کے باوجود چند ہی مخصوص ترین حضرات کو حاصل تھا۔ ۱۲۳۱ھ میں اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے حضرت شاہ غلام علی صاحب کو جن چند خلفاء پر فخر تھا ان میں سے وہ بھی ہیں، اللہ تعالےٰ نے یہ شرف بھی آپ کے حصہ میں رکھا کہ آپ نے حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ملفوظات وافادات کے محفوظ وقلم بند کرنے کا اہتمام کیا یہ مجموعہ "دُرّ المعارف" کے نام سے شائع ہو کر مقبول خاص وعام ہوا۔ صوفیا ومشائخ کے ملفوظات کے جو مجموعے اس وقت

پائے جاتے ہیں ان میں اہل نظر و اہل ذوق کے نزدیک دو مجموعے سب سے زیادہ مستند، موثر و مفید اور اپنی دلآویزی اور شیرینی میں ممتاز ہیں، ایک سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ملفوظات کا مجموعہ جو حضرت شیخ حسن علاء سنجریؒ نے مرتب کیا اور "فوائد الفواد" کے نام سے مشہور ہے، دوسرا حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ "دُرّ المعارف" جو حضرت شاہ رؤف احمد صاحب کی یادگار ہے۔

حضرت شاہ رؤف احمد صاحب جمادی الآخرہ ۱۲۳۳ھ میں بھوپال تشریف لائے[1]۔ نواب معز محمد خاں[2] مرید ہوئے اور خانقاہ کی موجودہ جگہ عطا کی۔

شاہ رؤف احمد صاحب پر احترام شریعت و اتباع سنت کے اس جذبہ کے ساتھ جو ان کو خاندانی ورثہ میں ملا تھا۔ جذب و شوق اور عشق الٰہی کا غلبہ تھا طبیعت رسا اور نہایت موزوں پائی تھی۔ رافتؔ تخلص کرتے تھے۔ مشہور نقاد سخن نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے "گلشن بے خار" میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے؛

---

[1] شاہ رؤف احمد صاحب کے دیوان کلیات رافتؔ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے مالوہ و بھوپال کا انتخاب اپنے شیخ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے ایما و حکم سے کیا تھا "خزینۃ الاصفیا" میں بھی اس کی صراحت کی گئی ہے۔ (صفحہ ۷۰۴)

[2] معز الدولہ فتح جنگ نواب معز محمد خاں بہادر علیہ الرحمہ نواب غوث محمد خاں کے صاحبزادے اور قدسیہ بیگم والی ریاست بھوپال کے بھائی تھے۔ بعض سیاسی مصالح کی بنا پر انگریزوں نے بجائے ان کے ان کی بہن کو والی ریاست بنانا مناسب سمجھا اور ان کو ایک بڑی جاگیر پر قناعت کرنی پڑی ۱۲۵۰ھ میں وفات پائی۔

"شاگرد جرأت بارہا بہ دہلی رسیدہ طریقۂ رضیۂ صوفیہ از غلام علی شاہؒ یاد گرفتہ در صنائع لفظی بسیار می کوشد" (صفحہ ۸۵)

عبدالغفور نساخ "سخن شعراء" میں لکھتے ہیں :-

"بڑے زبردست عالم تھے، عروض و قوافی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ فارسی میں ایک دیوان اور ریختہ میں چھ دیوان اور فن عروض میں ان سے ایک دو رسالے یادگار ہیں۔ جمیع اصناف سخن پر قادر تھے" (صفحہ ۱۷۰)

شاہ صاحب کو معارف و حقائق کو نظم کرنے پر خاص قدرت تھی، اکثر اپنے قلبی واردات اور کیفیات باطنی کو نظم کے پیرایہ میں ادا اور "حدیث دیگراں" میں "سرِّ دلبراں" کی نقاب کشائی کی ہے۔ بھوپال میں رجوع عام ہوا اور علماء و خواص کا بھی ایک بڑا گروہ دست گرفتہ اور حلقہ بگوش ہوا۔ افغانستان اور بخارا سے لوگوں نے آکر اکتساب فیض کیا اور بلغار و یارقند سے طالبین آکر اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے۔ آپ کی تصنیفات میں سے "تفسیر رؤفی"، "جواہر علویہ" (جس میں حضرت شاہ غلام علی صاحب کے حالات ہیں) "ارکان الاسلام" "مکتوبات فارسی" اور متعدد منظوم رسالے اور مثنویاں "یوسف زلیخا" ہندی، و مثنوی "سراپا سوز" "مراتب الوصول" وغیرہ آپ کی یادگار ہیں۔

۱۲۵۳ھ کے آغاز میں آپ کو حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔ آپ نے بھوپال سے احرام باندھا۔ ۲۷ ذیقعدہ ۱۲۵۳ھ کو آپ کا بادبانی جہاز بندر لیث پہنچا۔ جہاں آپ نے حالتِ احرام میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئے۔

شاہ خطیب احمد صاحب

شاہ رؤف احمد صاحب کے دو فرزند تھے ایک حضرت خطیب احمد صاحب اور ایک حضرت

حسیب احمد صاحب، حضرت شاہ خطیب احمد صاحب کی ولادت ۱۹ رمضان ۱۲۲۴ھ کو ہوئی۔ اپنے والد ماجد سے تعلیم و تربیت سلوک حاصل کی اور ہمیشہ خدمت میں رہے۔ سفر حج میں بھی وہ ساتھ تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور بھوپال میں مدت العمر قیام رہا، رفیع حالات اور ظاہری کمالات سے آراستہ تھے۔ نہایت مرتاض، زاہد اور قوی النسبت بزرگ تھے۔ واقعات اور بعض خوارق اولیائے متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ غلام سرور لاہوری "خزینۃ الاصفیا" میں لکھتے ہیں "مرد عالم و فاضل باشوکت و تجمل بود"۔ ۱۲۶۶ھ میں بیالیس[۴۲] سال کی عمر میں وفات پائی اور جہانگیر آباد[۱] میں مدفون ہوئے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے محمد ابوالبرکات جو ۱۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۶ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی، دوسرے حضرت پیر ابو احمد صاحب جن کا اصل نام عبد اللہ تھا۔

حضرت شاہ پیر ابو احمد صاحب آپ کی پیدائش ۱۱ رمضان المبارک ۱۲۶۰ھ میں بھوپال میں ہوئی۔ تعلیم اساتذہ بھوپال بالخصوص مولانا قاضی ایوب صاحب سے حاصل کی، والد حضرت شاہ خطیب احمد صاحب کا جب انتقال ہوا تو آپ کی عمر ۶ سال کی تھی اس لیے ان سے اکتساب فیض نہ کرسکے۔ اس بنا پر آپ نے اپنے ہی خاندانی بزرگ حضرت شاہ عبد الغنی[۲] مجددی سے مدینہ طیبہ جاکر سلوک کی تعلیم و تربیت حاصل کی اور

---

[۱] جہانگیر آباد، بھوپال کا ایک نواحی محلہ ہے۔

[۲] حضرت شاہ عبد الغنی صاحب آپ کے حقیقی پھوپھا اور رشتے کے چچا تھے۔

انھیں سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی، حضرت شاہ عبد الغنی صاحب حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے چھوٹے بھائی اور حضرت شاہ اسحٰق صاحب کے ممتاز ترین تلامذہ اور اساتذہ حدیث میں ہیں آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ وغیرہ اور دوسرے نامور علماء و شیوخ حدیث ہیں۔ حضرت شاہ عبد الغنی صاحب نے حکومت انگریزی کے استقرار پر سنہ ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۷ء) میں ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ میں قیام اختیار کیا جہاں ساری عمر گزاردی اور درس و ارشاد اور تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر ۶ر محرم سنہ ۱۲۹۶ھ میں وفات پائی اور بقیع میں آسودۂ خاک ہوئے۔

کمالات واوصاف

حضرت شاہ پیر ابو احمد صاحب اپنے عہد کے مشائخ کبار میں سے تھے اور اس آخر دور میں کم سے کم ہندوستان میں نسبت مجددیہ کا ان سے بڑھ کر مظہر اور اس طریقہ کے کمالات و علوم اور معارف و حقائق کا ان سے بڑھ کر عارف و ترجمان نظر نہیں آتا وہ غایت درجہ میں سنت کے تبع اور آداب طریقت کے امین و محافظ تھے۔ تجرید و تفرید، تبتل وانقطاع، اہل دنیا سے بے رغبتی، امراء و اہل دول سے بے تعلقی اور زہد و قناعت میں دور دور ان کی نظیر نہیں تھی، منازل سلوک کے نشیب و فراز اور اس کی گھاٹیوں سے پورے طور پر واقف اور مکتوبات امام ربانیؒ کے بڑے غوّاص و محقق تھے۔ احکام شریعت میں نہایت سخت اور معاملات دنیاوی میں نہایت نرم و شفیق، طبعی طور پر مزاج میں جلال تھا لیکن چھوٹوں پر بڑی شفقت اور کمزوروں اور طالبین صادقین کی بڑی رعایت فرماتے تھے۔ اہل اللہ کے عام شیوہ کے مطابق بذل و سخا اور جود و عطا کا

بڑا ذوق تھا، معمولات کے شدّت سے پابند تھے۔ اور اوقات کا بیشتر حصّہ طریقہ کے اذکار و اشغال و مراقبات میں گزرتا چھوٹی چھوٹی سنتوں اور آداب ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ کا اہتمام فرماتے اور ہر چیز میں اتباع سنت کو مقدم رکھتے، ختم کا بڑا اہتمام تھا اس میں ناغہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، اسفار اور دوروں کا بہت کم معمول تھا کہ اس سے اذکار و معمولات میں فرق پڑتا ہے، زندگی کے آخر دور میں یکسوئی وانقطاع اور اتباع سنت کا اہتمام بہت بڑھ گیا تھا۔

افسوس ہے کہ ایسے جلیل القدر شیخ کے حالات و کمالات کا کوئی مرقع اور ان کی کوئی سوانح حیات یا ملفوظات و افادات کا کوئی مجموعہ اس وقت موجود نہیں ہے۔ حضرۃ الاستاد مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اکبر مولانا حکیم سید ابو حبیب (والد مولانا سید ابو ظفر ندوی) حضرت کے ممتاز خلفا، و مسترشدین میں تھے اور ان کو آپ سے ایک والہانہ و عاشقانہ تعلق تھا، انھوں نے آپ کے حالات و کمالات اور علوم و تحقیقات کا ایک بڑا قیمتی مجموعہ "معارف مجددیہ" کے نام سے مرتب کیا تھا افسوس ہے کہ وہ ان کے ایک صاحب علم عزیز سے جنھوں نے مطالعہ کے لیے مستعار لیا تھا ضائع ہوگیا اور جیسا کہ شیوخ کاملین کا جن پر فنا کا غلبہ ہوتا ہے شیوہ ہے ان کے بیشتر حالات و کمالات پر پردہ پڑا رہا۔ اہل اللہ کی وفات کے قرب کا زمانہ اور اس دار اغیار سے محبوب حقیقی کی طرف سفر کا وقت ان کے اصلی اذواق و کمالات کے ظہور کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں حضرت کے مرض و وفات اور ارتحال کے زمانے کے چند حالات و واقعات درج کیے جاتے ہیں جو بعض حاضر الوقت خدام کی یادداشت سے ماخوذ ہیں۔

وفات ۱۴ر جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ (۲۴ر دسمبر ۱۹۲۳ء) میں علالت کا اشتداد ہوا، کبرسنی شدت مجاہدہ اور علالت کے امتداد سے ضعف بڑھ گیا، ۱۵ر جمادی الاولی سے علالت نے اور شدت اختیار کر لی بار بار دن اور وقت کا استفسار فرماتے یکبارگی آپ نے فرمایا السلام علیکم، پھر کچھ گردن سے اشارہ فرمایا، پھر آبدیدہ ہو کر ارشاد فرمایا، کہاں میرا یہ کثیف سینہ اور جسم اور کہاں قدم مبارک؟ پھر مسواک طلب فرمائی، طشت میں پانی منگوایا بار بار دہن مبارک اور پیشانی مبارک کو تر کرتے، اس پر قاضی یحییٰ صاحب نے فرمایا کہ یہ سنت بھی ادا ہو گئی۔ تشنگی کی شدت تھی، زمزم شریف نوش فرماتے، دو چار جھٹکے لگے جس سے آپ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی، پھر فرمایا۔ ابھی بعض اخوان سے ملاقات نہیں ہوئی اور سکوت ہو گیا، فرزند گرامی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب نے عرض کیا آش حاضر ہے، فرمایا لاؤ اور نوش فرمایا، پھر نماز کا وقت دریافت فرمایا، ظہر کا وقت تھا، پھر لیٹے لیٹے صاحبزادے کی تکبیر پر نماز پڑھی، پھر فرمایا ہم نے قبول کیا۔

۱۶ر تاریخ صبح سے افاقہ ہو گیا۔ حکیم سید ضیاء الحسن افسر الاطباء نے نبض ملاحظہ فرمائی آلہ لگا کر بخار کا اندازہ کیا کہا کہ اس وقت ماشاء اللہ نبض بالکل صحیح ہے۔ بخار بالکل نہیں ہے طبیعت بحمد للہ سب طرح اچھی ہے، یہ سن کر کچھ ارشاد فرمایا جس سے مفہوم ہوتا تھا کہ افاقہ محض ایک مہلت ہے۔

۱۷ر تاریخ روز چہار شنبہ کی شب سے اسہال کی ایسی کثرت ہو گئی کہ اکثر اوقات غفلت ہو جاتی تھی، قبل نماز ظہر طبیعت میں کچھ سکون پیدا ہوا نماز ادا فرمائی، اکثر معتقدین بیعت کے لیے حاضر ہوئے، ان کو بیعت کرایا خود نے دستگیری فرمائی اور حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب نے تلقین فرمائی عصر کی نماز

تکبیر پر اشاروں سے ادا فرمائی۔ ضعف و ناتوانی حد سے زیادہ ہو گئی رات بھر اسہال آتے رہے طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔

۱۸؍جمادی الاولیٰ (۲۸؍دسمبر ۱۹۲۳ء) پنجشنبہ کی صبح وصیت نامہ کی تکمیل کا حکم دیا وصیت نامہ حسب ہدایت مرتب کیا گیا، ظہر کی نماز ادا فرمائی، ۲ بجے حاذق الملک حکیم اجمل خاں حسب الطلب دہلی سے تشریف لائے مزاج کا حال دریافت فرمایا، فرمایا اب مزاج کہاں ہے، پھر حکیم صاحب نے دوا دینے کی اجازت چاہی، فرمایا اب دوا کی ضرورت نہیں، نماز عصر کی تیاری تھی کہ ایک دم کچھ حرکت فرمائی، نہایت آہستگی کے ساتھ کچھ فرماتے ہوئے واصل بحق ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاضی محمد یحیٰی صاحب اور قاضی عنایت اللہ صاحب امجھروی نے جو اس وقت حاضر تھے۔ سورۂ یٰسین پڑھی قدم مبارک سیدھے کیے، یہ واقعہ ۱۸؍جمادی الاول ۱۳۴۲ھ (مطابق ۲۸؍دسمبر ۱۹۲۳ء) روز پنجشنبہ ساڑھے چار بجے دن کا ہے۔

۱۲ بجے رات کو غسل کا انتظام کیا گیا حضرت کی وصیت کے مطابق دیسی کھادی کا کفن تیار کیا گیا، رات ہوا کی شدت رہی اور باران رحمت رہا۔ حفاظ، حاضرین تمام رات قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہے۔

۱۹؍جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ (۲۹؍دسمبر ۱۹۲۳ء) روز جمعہ صبح ۸ بجے ٹھیک، جنازہ مبارک خانقاہ شریف سے اٹھایا اور جہانگیر آباد لایا گیا، تمام شہر حاضر تھا، ہر قوم وملّت کا آدمی نالہ کناں ہمراہ تھا، کاندھا دینا یا تابوت کو ہاتھ لگانا ممکن نہ تھا، باوجودیکہ فوجی دستہ نے جنازہ کو حلقہ میں کر لیا تھا تاہم ہجوم کی وجہ سے پلنگ کی پٹیاں ٹوٹ گئیں، ۱۰ بجے جنازہ میدانِ احاطہ میں پہنچا۔ ساڑھے دس بجے صفوں کی ترتیب کے بعد قاضی محمد یحیٰی صاحب نے نماز جنازہ

پڑھائی، ایک ہنگامۂ محشر تھا، قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی، ۱۱ بجے نعش مبارک قبر میں اتاری گئی، اور لوگ باسینۂ بریاں و دیدۂ گریاں واپس ہوئے۔

مسترشدین میں مولانا قاضی محمد یحییٰ صاحب قاضی ریاست، مولانا حکیم سید ابو حبیب صاحب دسنوی بہاری، مولانا قاضی محمود محی الدین ابن قاضی بدر الدولہ مدراسی، اور مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی لکھنوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان میں حکیم سید ابو حبیب صاحب خلافت خاصہ سے سرفراز تھے۔

نزہۃ الخواطر جلد ہشتم میں مصنف کتاب مولانا حکیم سید عبد الحئی صاحب نے شمس العلماء قاضی عبید اللہ مدراسی کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کو بھی حضرت پیر ابو احمد صاحب سے سلاسل اربعہ میں بیعت و اجازت حاصل تھی، قاضی صاحب مرحوم قاضی بدر الدولہ کے نامور فرزند، تبحر عالم، اور جنوبی ہند کے نامور مفتی تھے جن کے فتاویٰ پر بڑا اعتماد تھا۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ تقریباً بائیس کتابوں کے مصنف ہیں جن میں مجموعۂ فتاویٰ بھی شامل ہے، مذہباً شافعی تھے اور اسی مذہب میں فتویٰ دیتے تھے۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ (۱۶ ستمبر ۱۹۲۷ء) میں انتقال کیا

حضرت پیر ابو احمد صاحب کے آٹھ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں، ان میں سے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں بچپن ہی میں انتقال فرما گئے، نام یہ ہیں:- میاں احمد، میاں محمد، میاں اسحٰق، میاں محمد یوسف چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی حیات رہے، ان کے نام یہ ہیں، محمد ابراہیم صاحب مجددی، محمد اسمٰعیل صاحب مجددی، محمد عباس صاحب مجددی، محمد یعقوب صاحب مجددی، بی بی سارہ، اول الذکر تینوں بھائیوں کا انتقال اپنے والد

بزرگوار ہی کی حیات میں ہو گیا تھا، حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب زیب سجادہ اور مصروف ارشاد و افادہ ہیں۔ بارک اللہ فی حیاتہ ونفع المسلمین بافاداتہ۔

مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی

مولانا محمد یعقوب صاحب کی ولادت ۲۱ر شوال ۱۲۰۳ھ (۱۶ر جولائی ۱۷۸۹ء) میں ہوئی۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کے سایہ سے محروم ہو گئے، بڑی ہمشیرہ نے ماں کی قائم مقامی کی لیکن ابھی آپ کی عمر بارہ ۱۲ ہی سال کی تھی کہ ان کا سایۂ عاطفت بھی سر سے اٹھ گیا۔

اس زمانہ میں منشی امتیاز علی صاحب کاکوروی ریاست کے وزیر مدار المہام تھے، وہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے ارادت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے۔ اس رشتہ سے مولوی سید تجمل حسین صاحب دسنوی جن کا ندوہ سے خصوصی تعلق تھا، بھوپال آتے جاتے تھے اور منشی صاحب کے پاس طویل قیام رکھتے تھے۔ مولوی تجمل حسین صاحب حکیم سید ابو حبیب صاحب کے عزیز قریب تھے۔ جن کا قیام خانقاہ میں رہا کرتا تھا۔ اس طرح مولوی صاحب موصوف کی خانقاہ میں آمد و رفت تھی۔ مولوی صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد قاسم صاحب ندوہ میں پڑھتے تھے۔ غالباً اسی تقریب و تعارف سے اور اپنے شوق علم کی تکمیل کے لیے آپ ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں جب آپ کا سن ۱۲ سال کا تھا اور ندوہ کو قائم ہوئے بھی تین ہی چار سال ہوئے تھے۔ آپ مولوی محمد قاسم صاحب کے ساتھ ندوہ آئے۔ اس زمانہ میں ندوہ محلہ ماموں بھانجہ کی قبر واقع گولہ گنج خاتون منزل میں تھا، اور مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی صدر مدرس تھے، حضرت فرماتے ہیں کہ میں بھی طلباء کے ساتھ ان کو نہلانے میں

شریک ہوا، آپ کا قیام بھی مولانا ہی کے یہاں تھا، چونکہ ابتدائی تعلیم بھوپال میں نہیں ہو سکی تھی۔ اس لیے دار العلوم میں داخلہ نہیں ہو سکا۔ ادھر مکان پر اطلاع ہو گئی اور بڑے بھائی محمد ابراہیم صاحب آکر لے گئے۔ اس طرح کل بارہ دن ندوہ میں قیام رہا۔

بھوپال آکر آپ قرآن شریف حفظ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ گھر میں حالات آپ کے لیے ساز گار تھے۔ بھائیوں میں منجھلے بھائی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سے طبیعت کو زیادہ مناسبت اور ان سے خصوصی یگانگت تھی، وہ ہجرت کرکے حرمین شریفین چلے گئے۔ ادھر پے درپے ایسے واقعات پیش آئے کہ آپ کی خود دار و غیور طبیعت اس کا تحمل نہ کر سکی، حضرت شاہ پیر ابو احمد صاحبؒ پر ذکر و سلوک کا غلبہ تھا۔ خانقاہ شریف میں زیادہ تر ختم خواجگان وغیرہ کا اہتمام رہتا تھا، آپ پر خدا داد طریقہ پر تعلیم حاصل کرنے کا شوق غالب تھا۔ یہاں ماحول اس کے لیے ساز گار نہ تھا، پھر کچھ لوگ آپ کے خلاف والد صاحب کے کان بھرتے رہتے تھے اور ان کو آپ سے ناراض و بیزار کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ابھی قرآن مجید کے ستائیس۲۷ پارے ہی حفظ کیے تھے کہ ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں حیدر آباد کا رخ کیا۔ یہاں خاطر خواہ تعلیم بھی نہیں ہو رہی تھی اور یہ شوق بھی دامنگیر تھا کہ حیدر آباد سے حرمین شریفین جانے کی کوئی راہ نکل آئے گی اور وہاں بھائی صاحب کے پاس پہنچ جائیں گے جن سے آپ کو بہت محبت تھی۔

حیدر آباد کا سفر

حیدر آباد میں سب سے پہلے آپ حضرت مسکین شاہ صاحب کی خانقاہ میں پہونچے اور ان کے سجادہ نشین تسکین شاہ صاحب کے یہاں قیام کیا، یہاں چند ماہ قیام رہا تھا کہ آپ کے

رشتہ کے ایک ماموں مولوی سعید احمد صاحب مجددی[1] کو معلوم ہو گیا اور وہ آپ کو مع سامان کے اپنے گھر لے گئے اور وعدہ کیا کہ میں آپ کے حجاز جانے کا انتظام کردوں گا۔ اس میں سال بھر سے زیادہ گزر گیا۔ اسی دوران میں منجھلے بھائی کے انتقال کا خط آگیا۔ اب مکہ جانے کا ارادہ بھی ترک کر دیا۔ خواب میں زیارت ہوئی انھوں نے فرمایا" الکریم اذ وعد وفا" جواب دیا اب آکر کیا کروں؟ جواب میں فرمایا۔ ؎

"بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد"

کئی بار یہی واقعہ پیش آیا اس سے ایک والہانہ شوق اور سفر کا شدید تقاضا پیدا ہوا۔

سفر حجاز مولوی سعید احمد صاحب سے جب اس امر کا انصرام نہ ہوا تو آپ[2] ایک دوسرے صاحب کے پاس گئے انھوں نے کہا کہ مجھے سو روپے کا اختیار ہے آپ نے اسی کو قبول فرمالیا۔ سو روپیہ نظام شاہی ۸۶ روپے ۱۲ آنے کلدار ہوئے۔ ٹکٹ کا انتظام نظام کی طرف سے ہوتا تھا۔ الغرض بڑی صعوبتوں کے ساتھ ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں حجاز پہنچے، کچھ عرصہ مکہ میں قیام کیا۔

وہ زمانہ سخت بدامنی کا تھا بدو حجاج کو بے دریغ قتل کر دیتے تھے مصارف کی کمی اور راستہ کی بدامنی کی وجہ سے رفقاء سفر سخت ہراساں اور سفر کے

---

[1] برادر مولوی ندیم احمد صاحب مجددی مقیم مدینہ منورہ۔

[2] حضرت فرماتے تھے کہ ان کا منشا آپ سے اپنی صاحبزادی کا عقد کرنا تھا۔ اس لیے وہ سفر کا کوئی انتظام نہیں کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے تعلقات منظور ہوتے تو بھوپال میں اس کے امکانات تھے مگر مقصد حصول علم تھا۔

بارے میں سخت متردد تھے، آپ نے رفقاء سفر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پہلے تو آپ کو اس راستے میں جان دینے کی آرزو تھی اب کیوں ڈرتے ہیں۔ ولقد کنتم تمنون الموت من قبل أن تلقوه فقد رأیتموه وأنتم تنظرون یہ راستہ تو عشق وجانبازی کا ہے۔ آپ کی اس تلقین سے لوگوں کی ہمت بندھی اور مکہ معظمہ سے روانگی ہوئی، مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ مولوی ندیم احمد صاحب کے یہاں قیام کیا، وہاں پہنچکر وہیں پیوند خاک ہو جانے کی آرزو دامنگیر ہوئی اور کسی طرح طبیعت اس سرزمین کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی لیکن بعض حالات وواقعات کی بناء پر آپ کو وہاں سے مراجعت کرنی پڑی اور مکہ معظمہ کچھ عرصہ قیام کر کے ۱۳۲۴ھ (سنہ ۱۹۰۶ء) میں حیدرآباد واپس ہوئے۔

حیدرآباد کا قیام

حیدرآباد آپ کا سترہ برس قیام رہا، زیادہ تر قیام بلدہ میں محلہ شاہ علی بنڈہ شکر گنج میں رہا۔ حیدرآباد، بلدہ کے علاوہ آپ نے تین سال جالنہ میں مولوی نور احمد صاحب ملتانی کے پاس قیام کیا، وہاں سے واپس آکر مولوی عبدالعزیز صاحب کے پاس ملک پیٹھ میں دو سال ٹھہرے جو ایک ذی استعداد استاد اور ایک متقی عالم تھے۔[1] اور اصل بدایوں کے رہنے والے تھے، پھر شاہ محی الدین صاحب قادری کے یہاں پانچ سال قیام فرمایا۔ ان کا انتقال حضرت کے سامنے ہی ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ ان کے صاحبزادہ کے پاس رہے پھر ایک صاحب کے یہاں جن کا نام داؤد میاں ہے دو سال قیام فرمایا۔

اسی دوران میں گلبرگہ میں حضرت سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی

---

[1] مولوی عبدالعزیز صاحب مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کے شاگرد تھے سنہ ۱۹۱۹ء میں انتقال کیا۔

درگاہ میں دو سال قیام کیا، اورنگ آباد وغیرہ کبھی جانا ہوا لیکن مستقر حیدرآباد ہی رہا۔

حیدرآباد کے قیام کا زمانہ بڑے مجاہدہ اور جفاکشی کا تھا اکثر فرمایا کہ اس سترہ سال کی مدت میں زیادہ تر جوار کی روٹی پر گذر کی، عید کے موقعے پر اس ڈر سے کہ احباب نیا جوڑا بنانے پر اصرار نہ کریں، جنگل میں نکل جاتے تھے۔ اس وقت جوار ایک روپیہ کی بہت تلجاتی تھی۔ ۵ اسیر جوار مہینہ بھر کے لیے کافی ہوتی تھی، نمک کا بجٹ نہ ہوتا تھا جن سے روٹی پکواتے تھے نمک انھیں کی طرف سے ہوتا تھا۔ کتابیں بغل میں دبائیں اور دو روٹیاں کپڑے میں باندھیں اور گھر سے چلدیے سالن کے دام کبھی نہ ہوتے آم کا اچار سالن کا کام دیتا تھا، کبھی طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا تو گڑ سے جوار کی روٹی کھا لیتے۔

بعض مرتبہ فرمایا کہ حیدرآباد میں کثرت سے فقیروں اور مجذوبوں کی صحبت رہی زیادہ تر وہ لوگ ملے جن پر وحدۃ الوجود اور "ہمہ اوست" کا غلبہ تھا اور اس میں ان کو بہت غلو تھا۔ بے قید صوفی اور بے راہ اور آزادمنش درویشوں سے بکثرت واسطہ پڑا۔

حیدرآباد کے مجاہدات

یہ وہ زمانہ تھا کہ بھوپال میں خود حضرت کے مکان پر ارشاد و ہدایت کا ہنگامہ گرم تھا اور رجوع خلائق اور فتوحات کا یہ حال تھا کہ روپیہ کو گننے کی فرصت نہ تھی۔ تولے جاتے تھے۔ ادھر نان جویں پر گزارہ تھا اور سخت تکالیف کا سامنا اس پر بار بار طلبی بھی ہوتی تھی۔ لیکن آپ علم و درویشی کی طلب میں ایسے مست اور اپنی دھن میں ایسے پکّے تھے اور طبیعت بھی ایسی غیور و خوددار پائی تھی کہ پچھلے تجربات کے بعد وہاں کا رہنا گوارا نہ تھا اس لیے یہاں کی فاقہ مستی کو وہاں کی فراخ دستی،

تنعم اور صاحبزادگی اور مخدومیت پر ترجیح دیتے رہے اس زمانے میں اکثر یہ شعر پڑھتے ؎

بڑے مزے میں گذرتی ہے بے خودی میں امیر
خدا وہ دن نہ دکھائے کہ ہوشیار ہوں ہم

فرمایا کہ بزرگوں کی حکایات میں پڑھا تھا کہ انھوں نے بہت دن تک برگ و گیاہ پر گذارہ کیا۔ میں نے بھی کوشش کی کہ گھاس پھوس کھا کر پیٹ بھر لوں مگر قے ہوگئی اس لیے مجبوراً جوار اختیار کی۔ اس عرصہ میں بعض حضرات بھوپال سے سمجھانے بھی آئے اور اس حالت پر سخت تعجب اور افسوس کا اظہار کیا۔ مگر آپ بھوپال آنے پر رضامند نہ ہوئے۔

تعلیمی مشاغل حیدرآباد کے زمانۂ قیام ہی میں آپ نے عربی، فارسی کی تعلیم کے سلسلہ کا آغاز کیا۔ گلستاں بوستاں حضرت شاہ محی الدین قادری سے پڑھیں جو ایک متبحر عالم تھے کچھ کتابیں مولوی عبدالعزیز صاحب بدایونی سے پڑھیں، مولوی محمد سعید صاحب پشاوری سے جو قادیانی مسلک رکھتے تھے۔ فارسی کی مشہور کتاب ظہوری پڑھی جس کے پڑھانے میں وہ خاص ملکہ رکھتے تھے، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مسقطی سے (جو عربی کے بڑے ادیب تھے) کچھ چند کتابیں پڑھیں اور ان کی صحبت اٹھائی۔ مولوی ضمیر الدین صاحب سے "لوائح جامی" پڑھی، وہ آپ کے خاندان و سلسلہ سے واقف تھے، انھوں نے بعض مرتبہ کہا کہ "میاں کبھی اپنے بزرگوں کی کتابیں بھی دیکھ لیا کرو" قانونچہ شیخ مولوی سلیمان مہدی سے پڑھا، نثر غالب پڑھنے کے لیے حضرت امجد حیدرآبادی کے پاس گئے۔

مشائخ حیدرآباد میں سے چند ماہ تسکین شاہ صاحب کی خدمت میں

رہے فرماتے تھے جس محلہ میں رہا اس محلہ کے کسی دیرینہ سال معمر بزرگ کی سرپرستی میں رہا ان سے کہہ دیتا تھا کہ "میں اپنا اچھا برا نہیں سمجھتا آپ میری نگرانی فرمائیں اور اچھے برے سے آگاہ فرمادیا کریں۔" حضرت نے بارہا ان بزرگوں کی تربیت و تنبیہہ کے سبق آموز واقعات سنائے۔

مشائخ حیدرآباد حیدرآباد کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کلیمی صاحبؒ کی خدمت میں بھی رہے، موصوف کڑا مانک پور کے رہنے والے تھے لیکن جب حیدرآباد آتے تو مہینوں قیام فرماتے، حضرت نے ان کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا، اکثر ان کے واقعات سناتے ہیں۔ اسی طرح دلاور علی شاہ صاحب جو ایک معروف بزرگ تھے، کے یہاں بھی آنا جانا ہوتا تھا اور وہ بھی آپ کا خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت خواجہ شمس الدین چشتی مولوی سید نور الحسن صاحب، شاہ ہلال علی صاحب جو شاہ خاموش صاحب کے خلیفہ تھے کی بھی بارہا زیارت و ملاقات کی۔ مولوی عبدالحق صاحب فغانی مولوی محمد حنیف صاحب وغیرہ کی بارہا زیارت و ملاقات کی۔ آپ بکثرت ان کے واقعات سناتے ہیں۔

حیدرآباد کے اس طویل قیام کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ آپ کی زبان پر حیدرآباد کی بول چال کا خاصا اثر ہے بے تکلف حیدرآبادی محاورات استعمال فرماتے ہیں۔

بھوپال واپسی حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب نے بھوپال نہ آنے کا عزم بالجزم کر رکھا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت کے دادا اور بڑے بھائی تھے ایک مولانا شاہ

محمد ابراہیم مجددی دوسرے مولانا محمد اسمٰعیل مجددی۔ یہ لکھی آچکا ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے مدینہ طیبہ میں ۱۳۲۳ھ میں (۵۲ سال کی عمر میں) انتقال کیا، مولانا محمد ابراہیم صاحب اپنے ان مرحوم بھائی کے صرف سات سال بعد ۱۳۳۰ھ میں راہی ملک بقا ہوئے، اب اس خاندان والاشان کا ایک ہی چشم و چراغ مولانا محمد یعقوب صاحب رہ گئے تھے لیکن وہ بھوپال سے بہت دور حیدرآباد میں تھے اور بھوپال کے نام سے بھی متوحش تھے۔ حضرت پیر ابو احمد صاحب کا سن اب اَسّی سے متجاوز ہو چکا تھا، اور آپ کو اپنی زندگی کا اعتبار نہ تھا ایسی حالت میں دل میں یہ جذبہ پیدا ہونا بالکل قدرتی تھا کہ وہ بوڑھے باپ کی قوت بازو بنیں، ان سے اکتساب فیض کر کے خاندانی نعمت کے وارث و امین ہوں اور یہ ڈیوڑھی بے چراغ نہ ہونے پائے کہ یہ سفینہ حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے لے کر باد مخالف اور بیسیوں طوفانوں کے باوجود تہ نشین نہیں ہوا تھا۔ اور دیے سے دیا جلتا چلا آیا تھا۔

اس کے برخلاف حضرت کو حیدرآباد سے ایسا انس ہو گیا تھا کہ بارہا تمنّا پیدا ہوئی کہ یا تو اسی زمین میں آسودۂ خاک ہوں یا پھر مدینہ طیبہ کی پاک سرزمین میں۔

ایک مرتبہ اس اطلاع پر کہ بڑے حضرت یاد کر کے روتے ہیں آپ چند دن کے لیے بھوپال گئے لیکن یہ اطلاع صحیح نہیں تھی۔ تعلیم کا سامان اور اپنے موافق ماحول نہ پا کر پھر واپس آگئے۔

حیدرآباد کے متعلق مشہور تھا کہ جو وہاں جاتا ہے وہیں کا ہو رہتا ہے اس وقت کا حیدرآباد علماء و مشائخ کا مرکز اور اپنی پوری بہار پر تھا۔

آپ کے آخری دو سال گلبرگہ میں گذرے آپ نے وہاں ایک افغانی لڑکے داؤد خاں کو بیٹا بنا لیا تھا ان کا تقرر گلبرگہ میں ہوا آپ بھی انھیں کے ساتھ وہاں منتقل ہو گئے۔ قیام زیادہ تر مزار مبارک پر رہتا تھا۔ وہاں اشارۂ غیبی ہوا کہ تمھارا مطلوب بھوپال میں ہے اور منحصر ہے والد صاحب کی توجہ اور عنایت پر، چونکہ بھوپال سے سخت توحش تھا۔ اس لیے یہ اشارۂ غیبی پاکر سخت ذہنی کش مکش میں مبتلا ہو گئے، دوسری مرتبہ پھر بیداری اور خواب کے درمیان اشارہ ہوا کہ اب حیدرآباد کو ہمیشہ کے لیے خیرآباد کہہ دینا چاہیے اور یہ بتایا گیا کہ یہاں کوئی مصیبت آنے والی ہے اسی کش مکش میں خواب میں والد صاحب کی وفات کو دیکھا اور دیکھا، ایک کتاب پھٹی ہوئی، ورق بکھرے ہوئے اکٹھا کر کے باندھ کر سامنے رکھی ہوئی ہے۔ حضرت پیر ابو احمد صاحب فرمارہے ہیں یہ میرا اعمال نامہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جارہا ہوں، حضرت یہ سن کر رونے لگے، بڑے حضرت نے فرمایا میاں خاموش نہ بیٹھو درود شریف پڑھو، خواب میں چیخیں نکل گئیں۔ داؤد میاں آواز دے رہے تھے کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی فرمایا کہ میرے بھوپال جانے کا بندوبست کرو پہلی گاڑی سے جاؤں گا۔ داؤد میاں نے کہا کہ کل عید الاضحیٰ ہے اس کے بعد جائیے گا۔ یہ کہہ کر رونے لگے۔ فرمایا عید راستہ میں ہوگی کچھ حرج نہیں ہماری عیدیں تو سترہ سال سے جنگلوں میں ہو رہی ہیں غرض کہ ۹ رذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۱۵ راگست ۱۹۲۱ء) کو روانہ ہو کر ۱۰ ذی الحجہ دن کے ۳ بجے بھوپال پہنچے۔

خانقاہ پہنچے تو سامان تانگہ میں چھوڑ کر خود اندر آئے۔ والد صاحب حجرہ میں تشریف رکھتے تھے اندر جاکر سلام کیا وعلیکم السلام فرماکر دریافت کیا

کون ہے جو حضرات موجود تھے انھوں نے کہا حضور ننھے میاں (حضرت کی عرفیت) ہیں فرمایا پھر جا کر ہم کو پریشان کریں گے کیونکہ بلانے سے کبھی تو نہیں آتے تھے۔ برسوں کوشش کرکے تھک گئے، مگر بھوپال آنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ آپ نے عرض کیا کہ سامان ابھی تانگہ ہی میں رکھا ہے میں جانے کے لیے اب بھی تیار ہوں میں آپ کی مرضی کا طالب ہوں مگر لوگ آپ کو مجھ سے راضی نہیں رہنے دیتے۔ میرے بھوپال نہ رہنے کا یہی سبب ہے۔ اب بھی میں خود نہیں آیا بلکہ بھیجا گیا ہوں، پھر آپ نے حیدرآباد میں جو اشارات پائے اور جو کچھ خواب میں دیکھا بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا یہ سب بالکل صحیح ہے میں بھی بے چین تھا اور کوئی دعا نہیں چھوڑی جو نہ کی ہو یا اللہ اسے میرے پاس بھیجدے اب میرے پاس کوئی نہیں رہا، اے اللہ اب تو بہت دن ہو گئے، اب تو اس کے دل میں ڈال دے کہ وہ بھوپال آجائے۔

شاہ محمد یعقوب صاحب نے اس سب کے جواب میں عرض کیا کہ میں خانقاہ، ملکیت وجائداد لینے نہیں آیا، مجھے تو صرف آپ کی رضامندی کافی ہے۔ اگر اس مال واسباب کی پرواہ کرتا تو، برسوں نے وطن نہ پھرتا اگر اب بھی آپ کی مرضی نہیں ہے تو چلا جاؤں۔ بڑے حضرت نے فرمایا اب مجھ سے جدا ہونے کا وقت نہیں ہے میرے قریب ہی رہو اب میرا وقت قریب ہے لیکن تمھاری طبیعت میں وحشت پیدا ہو گئی ہے تم پھر جاؤ گے مگر مجھ سے پوچھ کر جانا اور خرچ لے کر جانا۔

کچھ دن گذرنے کے بعد حضرت نے خلافت عطا کرنے کا ایما ظاہر فرمایا آپ نے عرض کیا کہ مجھے ضرورت نہیں اور نہ میں اس لیے آیا ہوں کہ خانقاہ

میں بیٹھوں اور مرید کروں مجھ کو صحرا نشینی ہی پسند ہے باوجود اس کے کہ حضرت کی طبیعت میں جلال تھا لیکن آپ کے اس جواب پر ناراض نہ ہوئے بلکہ خاموش ہو گئے، کچھ دنوں کے بعد اس کا تذکرہ فرمایا پھر آپ نے انکار کر دیا، شادی کے متعلق بھی گفتگو فرمائی مگر آپ نے اس وقت معذرت کر دی۔

حیدرآباد کا دوسرا سفر

چند ماہ قیام کے بعد حیدرآباد جانے کی اجازت چاہی، اس لیے کہ عجلت میں آنے کی وجہ سے سامان اور کتابیں نہیں لا سکے تھے جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی اُٹھ کر چلے آئے۔ حضرت نے بخوشی اجازت دے دی، حضرت کے ایک مخلص نے ریلوے کا پاس بنوا دیا جس کی مدت ایک ماہ تھی۔ آپ تیار ہو کر اسٹیشن روانہ ہوئے۔ بڑے حضرت باوجود انتہائی ضعف کے ساتھ تشریف لے گئے اور آپ کو گاڑی میں بٹھایا اور خود کھڑے رہے دو آدمی بڑے حضرت کو پکڑے رہے آدھ گھنٹہ گاڑی کھڑی رہی لوگ بیٹھنے کے لیے کہتے رہے لیکن آپ بیٹھے نہیں کھڑے ہی رہے تاکہ آپ اس سے متاثر ہوں اور حیدرآباد نہ رہ جائیں، قیام حیدرآباد کے زمانے میں دو تین بار آپ اصرار پر آئے تھے لیکن پھر چلے گئے تھے اس لیے اب بھی اطمینان نہ تھا۔

دوبارہ بھوپال واپسی

چونکہ ریلوے کے پاس کی میعاد ایک ماہ کی تھی اور بڑے حضرت کا ضعف بڑھتا جا رہا تھا، اس لیے ایک ماہ سے دو تین دن پہلے ہی واپس تشریف لے آئے۔ بھوپال پہنچنے کی اطلاع تار سے دے دی تھی۔ اس لیے بڑے حضرت بہت سے خدام و احباب کے ساتھ اسٹیشن تشریف لے گئے اور خوشی خوشی ساتھ لائے۔

بھوپال آکر آپ نے علمی اشتغال جاری فرما دیا خانقاہ میں کچھ لوگ

مستقل مقیم تھے اور علما، اور عوام میں سے بہت لوگوں کی آمد رہتی تھی۔ آپ نے حکم دیا جو عالم فاضل ہیں وہ ہم کو پڑھائیں اور جو عامی ہیں ہم سے پڑھیں اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو لوگ اس محنت کے لیے تیار نہیں تھے یا جن کو علم کا ذوق نہیں تھا انھوں نے آمد ورفت موقوف کردی۔ اب کبھی اکثر فرماتے ہیں کہ لوگ گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں جہاں قرآن شریف کھولا سب منتشر ہو جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ پوری زندگی اسی تمنا میں گذر گئی کہ اللہ تعالیٰ طالب علم بنادے پیر بننے کا شوق کبھی نہیں ہوا قرآن شریف سے بہت شغف تھا ایک ایک نشست میں دو دو منزلیں پڑھ لیتے تھے اسی طرح سنانے بیٹھتے تو پندرہ پندرہ پارے سنا دیتے، زیادہ تر اوقات تلاوت ہی میں گزرتے تھے، حیدرآباد کے قیام میں کچھ علاج و معالجہ کا بھی مشغلہ تھا بھوپال آکر مفتی رضوان الدین صاحب مرحوم سے طب کی دو کتابیں پڑھیں۔

بڑے حضرت کی وفات اور آپ کی خلافت و نیابت

آپ کے بھوپال آنے کے بعد قریب ڈھائی سال اور بڑے حضرت حیات رہے۔ آپ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۱۶ اگست ۱۹۲۱ء) کو بھوپال پہنچے تھے اور ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ (۲۰ دسمبر ۱۹۲۳ء) کو بڑے حضرت نے اس دار فانی سے ارتحال فرمایا۔

خانقاہ کا ماحول حضرت کی طبیعت کے موافق نہ تھا۔ چنانچہ جب بڑے حضرت کو ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ کو قدرے افاقہ ہوا تو بعض مخصوص خدام نے عرض کیا کہ حضرت کی طبیعت الحمدللہ پہلے کے مقابلہ میں آج اچھی ہے ہم ازروئے یاس نہیں کہتے بلکہ بزرگوں کا طریقہ چلا آرہا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو بٹھاتے ہیں جگہ خالی نہیں رہتی، والیۂ ریاست سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے

بھی قاضی ریاست قاضی محمد یحییٰ صاحب کو بلا کر کہا کہ آپ میری طرف سے حضرت کی خدمت میں یہ گیارہ اشرفی نذر پیش کیجیے اور عرض کیجیے کہ براہ مہربانی خانقاہ کے مستقبل کے متعلق تصفیہ فرما دیجیے جس کو چاہیں اپنی جگہ بٹھا کر اعلان کر دیں تاکہ آپ کے بعد ہم ان کے قدم پکڑیں۔ قاضی صاحب نے یہ پیغام حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب کو پہنچا دیا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کر دیں۔ آپ نے اشرفیاں لاکر بڑے حضرت کو پیش کر دیں اور آگے کچھ نہیں کہا کہ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ جس چیز سے انکار کر چکے ہیں اس کو دوسرے کے پیام کے عنوان سے یاد دلا دیں، اس پر قاضی صاحب نے خود جاکر پیغام زبانی پہنچایا۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا محمد یعقوب کے سوا کوئی اور مستحق ہو سکتا ہے؟ پھر حضرت کو بلایا پھر فرمایا فلاں تسبیح، فلاں جبّہ اور فلاں دستار نکالو۔ آپ نے تعمیل کی حضرت نے فرمایا جبّہ پہن لو تسبیح عطا فرمائی اور پگڑی اپنے سر پر سے اتار کر ان کے سر پر رکھی پھر سینہ سے لگا کر خود بھی خوب روئے اور شاہ محمد یعقوب صاحب بھی روئے، سب خانقاہ والوں پر گریہ کی عجیب کیفیت طاری تھی پھر دیر تک دعا کرتے رہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اتنی دیر تک دعا کی کہ جھکنے کی وجہ سے میری کمر دکھنے لگی پھر جو لوگ بیعت کرنے آئے ہوئے تھے ان کو حضرت سے بیعت کرا دیا اور بہت دعائیں دیں۔ ۱۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ (۲۴؍ دسمبر ۱۹۲۳ء) کو بڑے حضرت نے آپ کو حجرۂ خلوت میں طلب فرمایا۔ تقریباً نصف گھنٹہ خاموشی معلوم ہوتی رہی حجرہ بند تھا پھر کچھ آہستہ آہستہ گفتگو شروع کی اور فرمایا بیٹے ذرا بھی دنیا کی عزت نہ کرنا، اور فرمایا کہ میں نے اور تمھاری والدہ نے کدوا بال ابال کر کھائے لیکن دنیاداروں کی کبھی پرواہ نہ کی اسی پر

استقامت کرنا اللہ تم کو برکات سے مالا مال فرمائے گا۔ اس کے بعد وفات کا واقعہ پیش آیا جو تفصیل سے اوپر گذر چکا ہے۔

بڑے حضرت کی وفات کے بعد جیسا کہ مخلصین و مقبولین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی عمومی سنت رہی ہے۔ یہ روحانی مرکز بھی جس کی بنیاد تقوی و خلوص اتباع سنت اور حمایت شریعت پر پڑی تھی خالی نہیں رہا۔ تمام ظاہری قیاسات و قرائن کے برخلاف اور خود شاہ محمد یعقوب صاحب کے جذبے اور فیصلے کے برخلاف اللہ تعالیٰ آپ کو حیدرآباد سے بھوپال لایا اور زندگی کے آخر دور میں، جو پیمانہ عمر کے لبریز ہونے اور پیمانۂ جذب و شوق چھلکنے اور اولیاء اللہ کے کمالات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے آپ کو حضرت والد ماجد کی خدمت میں رکھ کر آپ کی تربیت و تکمیل کا سامان فرمایا۔ اور برسوں کی راہ مہینوں میں اور مہینوں کی راہ دنوں اور ساعتوں میں طے کرائی۔ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔

آپ نے اس خانقاہ کی بے لوثی اور بے تعلقی، توکل و استغنا، اور اتباع سنت و شریعت کی روایات کو نہ صرف قائم رکھا بلکہ ان میں کچھ اضافہ ہی کیا۔ جن خاندانوں اور مقامات کے لوگوں کا اس خانقاہ سے نیاز مندی اور عقیدت کا دیرینہ تعلق تھا اور جو یہاں آکر اپنی روح کی غذا اور اپنے درد کی دوا پاتے تھے۔ انھوں نے اپنی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھا اور زبان قال یا زبان حال سے کہا ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خم خانہ با مہر و نشاں است

عقد حضرت کی وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۶۹ سال کی تھی۔

اس وقت تک آپ نے عقد نہیں فرمایا تھا۔حضرت نے بھی کئی بار تقاضا کیا لیکن اس خیال سے آپ نے معذرت کر دی کہ مناسب رشتہ ملنا اور طبیعت کی موافقت بہت مشکل سے ہوتی ہے اور اس کے بغیر یہ تعلق فرائض عبودیت کی تعمیل اور حقیقی مقاصد زندگی کی تکمیل میں معاون و مددگار نہیں بلکہ مخل اور مانع بنتا ہے اور بالآخر زندگی کا ایسا نقشہ بن جاتا ہے کہ انسان عرب شاعر کے قول کے مطابق ۔ ع

ثم التفت فلا دنیا ولا دینا

کا مصداق بن جاتا ہے (مطلب یہ ہے کہ شادی کے بعد جب ازدواجی زندگی کے بکھیڑے اور طبیعتوں کی ناموافقت دیکھی اور مڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نہ دنیا کا ہی لطف ہے اور نہ دین کا)

آپ کو اس کا بھی بخوبی علم تھا کہ اچھے اچھے دیندار گھرانوں کی معاشرت بھی بگڑ گئی ہے اور مغربی تہذیب کے اثرات، مشائخ و علماء کے خاندان میں نفوذ کر چکے ہیں اس لیے آپ نے اس میں اتنے توقف و احتیاط سے کام لیا کہ بہت سے اہل تعلق کے لیے ایک بڑا سوالیہ نشان بن گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور شوال ۱۳۴۶ھ (اپریل ۱۹۲۸ء) میں مولوی سعید الدین صاحب کی وساطت سے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے کھجنا ور ضلع مظفر نگر کے ایک سادات گھرانے میں رشتہ ہوا، آپ کے خُسر صاحب کا نام مولانا عبد العزیز صاحب تھا۔ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے اور مولانا تھانویؒ و حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ، مزاج و خیالات میں بھی بڑی مناسبت تھی اور دونوں جگہ کی معاشرت میں بھی بڑی یکسانی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی نیت پوری کی اور آپ کی مرضی و خیال کے مطابق

رشتہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی برکت دی چھ[1] صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تولد ہوئیں۔

نظام الاوقات آپ کا نظام الاوقات عموماً یہ رہتا ہے کہ فجر اول وقت پڑھ کر اشراق تک مصلّے پر ہی تسبیحات میں مشغول رہتے ہیں اشراق کے بعد (بغیر ناشتہ کیے ہوئے) خانقاہ میں تشریف لے آتے ہیں اور درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے ہیں سب سے پہلے قرآن پاک سناتے ہیں، پھر ایک رکوع کا ترجمہ اور احسن التفاسیر سے کچھ حصہ تفسیر کا پڑھتے ہیں، پھر مشکوٰۃ کی چند احادیث مع ترجمہ و تشریح کے سناتے ہیں، اسی دوران میں دو ایک کتب کا سبق کسی عالم سے لیتے ہیں۔ اسی اثنا میں مریضوں کے بھی علاج و معالجہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ڈاک بھی ملاحظہ فرماتے ہیں۔ خطوط کے جوابات لکھواتے ہیں، حاضرین سے خطاب بھی فرماتے ہیں اسی گفتگو میں شریعت و طریقت کے اہم نکات، نصائح اور ہدایات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ ۱۱ بجے اور جب صحت بہتر تھی تو ۱۲ بجے تشریف لے جاتے تھے کھانے سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے ہیں۔ اس کے بعد اٹھ کر نماز ظہر ادا فرما کر پھر تلاوت فرماتے ہیں، عصر کے بعد مغرب تک تسبیحات میں مشغول رہتے ہیں بعد مغرب اوابین ادا فرماتے ہیں اور درمیانی اوقات

---

[1] چھ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں میاں محمد صالح جو تیرہ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ صاحبزادہ گرامی قدر مولانا حافظ محمد سعید صاحب مجددی، مولوی مصباح الحسن صاحب، میاں فضل الرب صاحب، میاں سراج الحسن صاحب اور ایک چھوٹے صاحبزادہ بچپن ہی میں انتقال فرما گئے، چار صاحبزادیوں میں سے ایک بچپن ہی میں انتقال فرما گئیں، بڑی صاحبزادی کی شادی ڈاکٹر سید رفیع الدین صاحب صدر و پروفیسر شعبۂ عربی و فارسی ناگ پور یونیورسٹی سے ہوئی ہے اور وہ بھی ماشاء اللہ صاحب اولاد ہیں۔

یں ذکر و تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔عشا ادا فرما کر آرام فرماتے ہیں ختم خواجگان عام دنوں میں ہر جمعہ کو بعد مغرب اور رمضان مبارک میں بعد نماز جمعہ کا معمول ہے۔

رمضان مبارک میں حضرت کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ چار یا پنچ دن میں قرآن پاک تراویح میں ختم فرمایا اور پھر بعد میں پورے رمضان میں جہاں سے چاہا پڑھا دوسرا قرآن ختم نہیں فرماتے۔ فجر کے بعد اشراق پڑھ کر آرام فرماتے ہیں ۱۰ بجے اٹھ کر حسب دستور خانقاہ میں تشریف لاتے ہیں۔ظہر اول وقت ادا فرما کر پھر قیلولہ فرماتے ہیں پھر عصر کو تشریف لاتے ہیں اور تلاوت میں مصروف رہتے ہیں، تین تسبیح درود شریف کی مغرب تک پوری فرما لیتے ہیں۔ افطار کے ساتھ قدرے کھانا تناول فرماتے ہیں۔اوابین سے فارغ ہو کر آرام فرماتے ہیں معمولی سحر تناول فرما کر سنت ادا فرماتے ہیں۔ آٹے کا حریرہ پکوا کر اکثر نوش فرماتے ہیں رمضان کا مہینہ زیادہ تر تلاوت ہی میں صرف فرماتے ہیں۔ اشراق تک تین تسبیح درود شریف کی پڑھ لیتے ہیں۔ باقی نظام الاوقات یہی ہے۔

طریقہ زندگی اور خصوصیات

بڑے حضرت کی وفات کے بعد آپ نے ان کی جانشینی فرمائی ان خصوصیات کے ساتھ جو اس خانقاہ کا شعار بن گئیں تھیں (مثلاً اہل دنیا سے بے تعلقی، بے لوثی، اپنی جگہ پر قیام و استقرار، معمولات و مشاغل میں انہماک و استغراق طالبین کی اصلاح و تربیت) مزید اضافہ علمی اشتغال کا ہوا خود بھی کتابوں کا مطالعہ فرماتے اور دوسروں کو بھی تحصیل علوم دینیہ اور علم و مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں مختلف علمائے بھوپال سے مختلف کتابوں کا قطع نظر اس کے کہ وہ کس پایہ کی ہیں اور ان کے مجمع عام میں پڑھنے اور ان اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے سے واردین و صادرین پر کیا اثر پڑے گا اور وہ اس شیخ کے متعلق جس کو

علم ظاہر و باطن میں کامل و مکمل سمجھتے ہیں کیا خیال قائم کریں گے درس لیتے ہیں۔ اکثر یہ منظر سامنے آتا ہے کہ لوگ معتقدانہ حاضر ہوئے ہیں اور بعض آپ کا نام نامی سن کر دور دور سے آئے ہیں اور آپ کسی مقامی عالم کے سامنے کتاب کھولے ہوئے درس لے رہے ہیں۔ خانقاہ کے ان علمی مشاغل اور اسباق کے علاوہ آپ بعض علماء و مدرسین کے گھر جا کر بھی درس لیتے ہیں ان خوش نصیب افراد میں جن کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔ مولانا عبدالرشید صاحب مسکین مرحوم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم مفتی رضوان الدین صاحب مرحوم، مولانا ابراہیم خلیل صاحب مرحوم اور مولانا عزیزالرحمٰن صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض مرتبہ کسی مدرسہ کے نوجوان فاضل یا نوعمر استاد سے بھی آپ کو کچھ پوچھ لینے یا استفادہ کرنے میں تامل نہیں ہوتا۔

آپ کے زمانے میں یہ خانقاہ، خانقاہوں کے تمام رسوم اور پابندیوں سے جو خانقاہوں کا لازمہ زندگی اور ان کی علامت سمجھی جاتی ہیں بہت دور ہو گئی نہ یہاں تعظیم کے وہ طریقے ہیں جو عام طور پر خانقاہوں میں رائج ہیں نہ لنگر کا انتظام نہ مہمانوں کی دھوم دھام، نہ عرس و فاتحہ کا اہتمام، نہ اوقات کا انتظام و انصرام، ایک سادہ اور بے تکلف دینی مرکز ہے جس میں زیادہ تر قال اللہ و قال الرسول کی آواز، قرآن اور حدیث کا درس و مذاکرہ، اخلاق و معاشرت کی اصلاح کی باتیں، زندگیوں کا احتساب، امر بالمعروف نہی عن المنکر اور اسی کے ساتھ ساتھ دانش مندی و حکمت (جس سے عملی زندگی، گھروں کی معاشرت، ہر طبقہ کی نفسیات اور خصوصی کمزوریوں و امراض کی گہری واقفیت اور باخبری کا اظہار ہوتا ہے) کی جلوہ فرمائی نظر آتی ہے۔

حیدرآباد کے طویل قیام کی وجہ سے جس میں آپ ایک پردیسی اور

گمنام طالب علم کی حیثیت سے ، ۱۱ برس تک رہے اور سخت مجاہدہ اور جفاکشی کی زندگی گزاری۔ آپ میں سے مخدوم زادگی بلکہ صاحبزادگی کی بو بھی جو اہل تجربہ کے بیان کے مطابق بڑے بڑے مجاہدات کے بعد بھی نہیں نکلتی نکل گئی اور ایک ایسی وارستہ مزاجی بے تکلفی اور رسوم بیزاری پیدا ہوگئی جو بعض اوقات نئے زائرین اور سطحی نظر رکھنے والوں کے لیے آزمائش و ابتلا کا باعث بن جاتی ہے، حیدرآباد میں آپ کا اتنے مختلف طبقوں سے واسطہ رہا اور علما و مشائخ امراء و روساء، صحیح العقیدہ اور فاسد العقیدہ اشخاص، مخلص و غیر مخلص، اصلی و جعلی، فقراء و درویشوں، صاحب جذب و صاحب سلوک مشائخ وحدۃ الوجود کے غالی داعیوں اور علمبرداروں اور شدید منکروں اور مخالفین سے صحبتیں رہیں کہ آپ کی نظر سے زندگی کا کوئی گوشہ اور اسلامی معاشرہ کا کوئی طبقہ مخفی نہیں رہا۔ اور آپ کی زندگی پر نظر اتنی گہری اور وسیع ہوگئی جو نہ صرف طبقہ، علماء و مشائخ میں نادرالوجود بلکہ خالص دنیاداروں میں بھی خال خال نظر آتی ہے۔

آپ کے ملفوظات میں جو حقیقت پسندی دقیقہ رسی، زندگی کی عکاسی توازن و اعتدال اور بالغ نظری دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ اس طرز زندگی کا نتیجہ ہے۔ جس کے مواقع بلا ارادہ لیکن بارادۂ الٰہی آپ کے لیے مہیا کیے گئے ——— اس طرز زندگی اور طویل و گوناگوں تجربوں کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ آپ کے ذہن میں، دین سلوک، تصوف سب کے بارے میں زوائد اور اصلی اجزاء، وسائل اور مقاصد اور مغز و پوست میں امتیاز کرنے کی غیر معمولی صلاحیت پیدا ہوگئی اور ان میں سے ہر چیز کا لب لباب اور اس کے مغز کا ذہن نے ادراک کرلیا اور اس کے پیش کرنے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کرنے میں آپ کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔

اسی کے ساتھ مختلف سلسلوں کے مشائخ سے بکثرت ملنے اور ان کی خوبیوں، ان کے خلوص، دردمندی، طلب صادق اور تعلق مع اللہ کو قریب سے دیکھنے کی وجہ سے ایک ہی طریق کی عصبیت اور ایک ہی سلسلہ اور خانوادہ کو تمام سلاسل و خانوادوں پر ترجیح دینے کی عادت سے جو اہل سلاسل میں عام ہے آپ بالکلیہ آزاد ہو گئے، سب کی خوبیوں کا اعتراف کرنا اور سب کو مقبول و نافع ماننا اور سب کو ایک منزل کے مسافر گردانا طبیعت ثانیہ بن گئی۔

طبعی مذاق اور موہبت خداوندی سے قرآن مجید کا ذوق ہر ذوق پر غالب آکر رہا اور اس کی تلاوت و تدبر کا انہماک اتنا بڑھا کہ خانقاہ، خانقاہ سے زیادہ مدرسہ معلوم ہونے لگی اور اس کی دعوت و ترغیب ہر تذکیر و تعلیم پر غالب نظر آنے لگی۔

اسی طرح سے کتابوں کے مطالعہ کا شوق، ہر نئی دینی کتاب کا استقبال اور اس پر مسرت کا اظہار، اس کے مطالب پر حاوی ہو جانے کا اہتمام، عربی زبان کا عشق، اس کی قدیم و جدید کتابوں کے حصول کا شغف اور ان کے دور دور سے منگوانے کا اہتمام پھر ان کی حفاظت و نگہداشت، عربی زبان سیکھنے اور اس کو روزمرہ کی زبان بنانے کی تشویق یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی کسی خانقاہ اور کسی شیخ خانقاہ سے عام طور سے توقع نہیں کی جاتی لیکن یہ چیزیں یہاں اتنی نمایاں ہیں کہ ان کے محسوس کرنے کے لیے کسی طویل قیام اور کچھ بہت زیادہ گہری واقفیت کی ضرورت نہیں وہ ہر آنے والے کو ایک ہی دو مرتبہ کی حاضری میں نظر آجاتی ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالے نے آپ کو بڑے بڑے حقائق روزمرہ کی

مثالوں یا چھوٹی چھوٹی حکایتوں کے پیرایہ میں بیان کرنے کا غیر معمولی ملکہ عطا فرمایا ہے، تصوف وسلوک کی بڑی نازک حقیقتوں کو آپ اس طرح آسان اور گویا روزمرہ کے چٹکلوں میں اس طرح بیان فرمادیتے ہیں کہ ان میں کسی قسم کا غموض وابہام یا پیچیدگی باقی نہیں رہتی اور بعض مرتبہ بڑے معرکۃ الآراء مسائل جن میں صدیوں سے نزاع چلی آرہی ہے اس طرح سے حل ہو جاتے ہیں کہ تل اوٹ پہاڑ کی مثل صادق آتی ہے، اس میں آپ کی عارف رومی حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ سے خاص مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ غالباً اس میں آپ کی گلستاں و بوستاں اور اس کے حکیم و دانا مصنف شیخ سعدیؒ سے غیر معمولی محبت وعقیدت کو بھی دخل ہے جو آپ کو ہر دور میں حاصل رہی ہے اور اب بھی آپ ان کو اپنا مرشد و مربی مانتے ہیں اور گلستاں و بوستاں کو اپنی عظیم ترین محسن کتابوں میں شمار کرتے ہیں

تصوف واصلاح باطن کی ضرورت کو اس زمانہ کی طبائع واذواق کے مطابق بیان کرنا اور اس کو ایک بدیہی حقیقت وضرورت ثابت کرنا آپ کا وہ کارنامہ ہے جس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تجدید کا پرتو اور ان کی فرزندی کی نسبت کام کرتی نظر آتی ہے۔ اسی طرح دین کی ضرورت، اسلام کی صداقت وحقانیت، معاشرت و اخلاق کی اصلاح معاملات کی درستی، ظاہر و باطن میں یکسانی، نفاق سے اجتناب، اخلاص وانابت کی اہمیت، اپنا محاسبہ اور دوسروں کے ساتھ رعایت، صحابہ کرام کی عظمت وعقیدت، سابقین اولین وسلف صالحین کی طرف سے تاویل ومعذرت، اولیائے کرام ومشائخ عظام کے واقعات کو سمجھنے

کی کوشش اور ان کو اچھے محمل پر حمل کرنے کا اہتمام، ذریعہ اور مقصود میں تمیز، متقدمین کی عبارتوں اور ان کی تحقیقات کو سمجھنے میں غلط فہمی اور گمراہی کے اسباب اور ان سے بچنے کا طریقہ، شکستہ دلوں کی تسکین اور تھکے ہارے مسافروں اور ناکام انسانوں کی تسلی و تشفی و ہمت افزائی کا سامان، دین کا آسان اور مطابق فطرت ہونا، غیبی حقائق کو سمجھنے اور ان پر غور کرنے کا طریقہ یہ اور ایسے بہت سے مضامین اور مباحث ہیں جو آپ کی روزمرہ کی گفتگو میں برابر آتے رہتے ہیں۔

حلیہ کشیدہ قامت، چھریرا بدن، رنگ گورا، کھڑا ناک نقشہ، جب سے مرتب کتاب کو شرف زیارت حاصل ہوا حضرت کو نحیف و لاغر دیکھا، آواز بلند اور واضح، بدن میں نہایت چستی، قد مبارک بالکل راست جس میں ذرا خم نہیں، آنکھیں فراخ جن سے ذہانت عیاں، علماء و مشائخ اور اہل دین کے طبقہ میں اپنے طویل سفروں اور وسیع معلومات کے باوجود مصنف نے مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی اور شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی سے زیادہ ذہین نہ پایا۔

ملفوظات اور ان کی ترتیب کا خیال

بزرگوں کے ملفوظات اور ان کی مجالس کے قلم بند کرنے کا سلسلہ ہندوستان میں بہت قدیم ہے۔ یہ ایک بڑا مبارک اور نہایت دانشمندانہ تصنیفی اقدام تھا، ان ملفوظات و مجالس میں جو زندگی و بے ساختگی پائی جاتی ہے وہ قدرتی طور پر علمی تصنیفات،

اور عام تحریرات میں نہیں ملتی، پھر زندگی کے مختلف حالات و مسائل میں مختلف المزاج لوگوں کو ان سے جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس کی توقع بھی لگے بندھے ہوئے طریقے پر لکھی ہوئی کتابوں سے نہیں کی جاسکتی سادگی و بے تکلفی، شفقت و رعایت، نباضی و مزاج شناسی عمومی بیماریوں و کمزوریوں سے گہری واقفیت اور ان کا صحیح علاج ہمیشہ سے بزرگان دین اور صوفیائے کرام کا شیوہ رہا ہے اور اس کا بہترین نمونہ ان کے ملفوظات و مجالس میں ملتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کو ان اہل دل اور اہل یقین کی مجالس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا ہے اور اکثر ان حضرات کے ارشادات و تحقیقات کو دوستوں کو سنایا تو بڑا نفع محسوس ہوا، یہ زبانی سلسلہ کچھ زیادہ اعتماد کے قابل نہیں، حافظہ پر اعتماد اور لکھنے میں کوتاہی کی وجہ سے اس دولت کا بہت بڑا حصہ ضائع ہوگیا ہے اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو مستثنیٰ کر کے اکثر معاصر بزرگوں کے ملفوظات اور ان کی نادر تحقیقات تلف ہوگئیں۔

ناچیز راقم الحروف کو ایک عرصہ سے حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب کی خدمت میں نیاز حاصل ہے اور ان کو بھی اس کے حال پر بڑی شفقت ہے وہ وقتاً فوقتاً ان کی مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا رہا ہے کتنی باتیں ایسی سنیں جن کا مہینوں اور برسوں دل مزہ لیتا رہا اور ان کو ایک سوغات اور نادر علمی تحفہ کے طور پر ہند و عرب کے دوستوں کے سامنے پیش کرتا رہا، بالآخر دل نے یہ فیصلہ کیا اور چند مخلص اور صاحب ذوق دوستوں نے اس کی پر زور تائید کی کہ ان مجالس کو اپنی

صلاحیت اور امکانی حد تک قلم بند کر لیا جائے۔ حضرت کے مزاج و مذاق کے خلاف سمجھ کر دوران مجلس میں تو کچھ بطور اشارات کے بھی نوٹ کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اپنی قیام گاہ (دولت خانہ موسوم بہ غریب خانہ محب مکرم مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی) پر آکر لکھوانے کا سلسلہ شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک نہایت مفید اور قیمتی سلسلہ بن گیا، رفیق محترم مولانا محمد منظور نعمانی نے جو خود بھی ان مجالس کے بڑے قدر داں اور شائق ہیں، سنا تو اس کو "الفرقان" میں شائع کرنے کا خیال ظاہر کیا، میں نے حضرت کی اجازت پر اس کو موقوف رکھا۔ مولانا نے خود ہی اجازت طلب کی تو اس پر جو گرامی نامہ صادر ہوا وہ خود ایک عارفانہ اور تحقیقی شان رکھتا ہے اس کو پڑھ کر اندازہ ہوا کہ یہ نشر و اشاعت حضرت کی طبع مبارک پر گراں ہے اور طبیعت کا کم سے کم تقاضہ یہ ہے کہ نام کا اظہار نہ کیا جائے، لیکن اپنے دینی بھائیوں اور "الفرقان" کے ناظرین کے فائدے کے لیے اس کی جسارت کی گئی کہ "الفرقان" میں یہ سلسلہ شروع کیا جائے چنانچہ مختلف وقتوں میں یہ ملفوظات قسطوار شائع ہوتے رہے، اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھے گئے اور بڑا نفع محسوس ہوا متعدد اصحاب ذوق اور اہل نظر نے ان کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا پیہم تقاضا کیا کہ رسائل میں شائع ہونے والے مضامین اپنے وقت پر خواہ کتنے ہی موثر اور مقبول ثابت ہوں، کچھ عرصے کے بعد ان رسالوں کے فائلوں میں دفن ہو کر یا متفرق شماروں میں منتشر ہو کر ضائع ہو جاتے ہیں اور بعد میں تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہیں ہوتے اس لیے اس مخلصانہ و دانشمندانہ مشورہ کو قبول کیا گیا، اور آج اس کو کتابی شکل میں مرتب

کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

یوں تو اس ناچیز کو حضرت سے غالباً ۱۹۳۶ء سے نیاز حاصل ہے میرے خاندان کی ایک شاخ عرصہ دراز سے بھوپال میں مقیم و متوطن ہے پھر اپنے رفیق درس اور رفیق کار مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی کی وجہ سے بار بار بھوپال جانا ہوا اور ہر سفر میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری تھا۔ بعض اوقات خانقاہ ہی میں قیام بھی رہا۔ لیکن ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ ان ملفوظات کے قلم بند کرنے کا خیال بہت دیر میں آیا اور اس کا سلسلہ اب سے تین سال پہلے ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ (مطابق مارچ ۱۹۶۷ء) کے ایک سفر میں شروع ہوا۔ اس کے بعد خاص اسی نیت سے بھوپال حاضری دیتا رہا اور وہاں چند روز قیام کر کے ملفوظات قلم بند کرتا رہا۔ یہ قیام (میری بڑھی ہوئی مصروفیت و ذمہ داری اور جہاں گردی کی وجہ سے) کبھی دس دن سے زیادہ اور تین دن سے کم نہیں رہا۔ اس لیے یہ ملفوظات دراصل مارچ ۱۹۶۷ء اور جنوری ۱۹۷۰ء کے درمیان کے ہیں۔ بعض اوقات ایک سفر کے ملفوظات اور دوسرے سفر کے ملفوظات میں ایک سال کا وقفہ ہوا ہے اس سے پڑھنے والوں کو یہ بھی اندازہ ہوگا کہ مرور زمانہ اور طبیعت کے نشیب و فراز کے باوجود دعوت و فکر میں کیسی یکسانی اور اتحاد پایا جاتا ہے۔ نیز باوجود اس کے جدید مضامین کا برابر ورود ہے اور مثالیں اور حکایتیں بدلتی رہتی ہیں لیکن مرکزی دعوت اور مطمح نظر ایک ہے اور سب کا منتہا اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق، اصلاح نفس، ترقی باطنی، آخرت کا یقین اور شوقِ لقا ہے۔ ع

"آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن"

ان ملفوظات کا بیشتر حصّہ "الفرقان" میں شائع ہو چکا ہے اور بہت سے دینی اخبارات و رسائل نے ان کو نقل کیا ہے۔ لیکن ۲۲ر جنوری ۱۹۷۰ء سے لے کر بعد تک کی مجلسیں پڑھنے والوں کے لیے نئی ہیں، اور پہلی مرتبہ شائع ہو رہی ہیں۔

ابتدا میں ناچیز مرتب محض اپنے حافظے پر اعتماد کرتا تھا اور جو باتیں ذہن میں محفوظ رہ جاتی تھیں ان کو اگلے دن لکھوا دیا کرتا تھا۔ لیکن بعد میں محبّی حافظ منظور احمد صاحب مقیم خانقاہ کی بیاض سے کام لینے لگا جس میں وہ تقریر کے کچھ الفاظ اور جملے اور اشارات درج کر لیا کرتے ہیں، اس بیاض کی وجہ سے مجلسوں کا اکثر حصّہ ضبط تحریر میں آگیا اور کم ہی کوئی ضروری مضمون درج ہونے سے رہا۔

ابتدا میں صاحب ملفوظات کے سلسلہ اور خاندان کا تعارف اور ان کے مختصر حالات زندگی و خصوصیات مزاج و مذاق کا بقدر ضرورت تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھا گیا کہ اس سے ملفوظات اور ان کے ماحول کو سمجھنے میں سہولت ہوتی ہے نیز کہیں کہیں حواشی اور تشریحی نوٹس کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔

اس کارِ خیر کی تکمیل میں نیز حالات و واقعات و سنین کی فراہمی میں محبّی حافظ منظور احمد صاحب سے بڑی قیمتی مدد ملی جو عرصہ سے خانقاہ میں مقیم ہیں اور پابندی سے ملفوظات کے نوٹس بھی لیتے رہتے ہیں۔ مرتب ان کی اس عنایت و محبت کے لیے ان کا بڑا شکر گزار ہے۔

حضرت کے بزرگوں کے حالات کے سلسلے میں فاضل محترم مولانا وجدی الحسینی صاحب قاضی بھوپال کی غیر مطبوعہ کتاب "بزرگان بھوپال"

نیز سلیم حامد رضوی صاحب کی کتاب" اردو شعر و ادب میں کھوپال کا حصہ" سے بھی مفید مدد ملی ہے۔ مرتب کتاب ان سب حضرات کا شکر گزار ہے۔

اب یہ مفید اور دلآویز مجموعہ ناظرین کی خدمت میں عرفی کے الفاظ میں اس معذرت کے ساتھ پیش ہے کہ ؎

امید ہست کہ بیگانگی عرفی را
بدوستی سخنہائے آشنا بخشند

ابوالحسن علی

دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

۶ر ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ
۱۵ر جنوری ۱۹۷۰ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پہلی مجلس

۳؍ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵؍مارچ ۱۹۶۷ء بروز چہارشنبہ ۱۰ بجے دن مخصوص حاضرین مجلس خان بہادر نواب مولوی عبید الرحمان خاں صاحب شروانی، مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولوی نعمان خاں صاحب ندوی، ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی، مولوی معین اللہ صاحب ندوی، مولوی نثار الحق صاحب ندوی، منشی حلیم الدین صاحب، محمد فراہیم صاحب وغیرہ۔

اصل چیز مرض کا احساس ہے

فرمایا جب دوا اور مرض کا احساس نہ ہو تو کوئی کتنے ہی خلوص کے ساتھ عمدہ سے عمدہ نسخہ اور بنی بنائی دوا پیش کرے، لوگ قدر نہیں کرتے ہیں۔ میں اجوائن اور نمک پیش کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ پیٹ کے درد کے لیے نہایت مفید ہے۔ یہ اجوائن بہت عمدہ قسم کی اور لاہوری نمک نہایت اعلیٰ ہے، لوگ توجہ نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہم کو پیٹ کی کوئی شکایت نہیں۔ مجھے تو کئی بار خیال ہوا کہ

لکھنؤ آجاؤں اور یہ دوا آپ کے حوالہ کر دوں کہ اس میں کپور کچری وغیرہ کا اضافہ کر کے ان لوگوں کی خدمت کریں جن کو مرض کا احساس اور درد کی تکلیف ہے۔"

قرآن مشیخت کو توڑتا ہے

میرے دریافت کرنے پر فرمایا ــــــ "جوانی میں جب میں حیدرآباد میں تھا تو مشائخ کے یہاں تصوف کی کتابیں پڑھی پڑھائی جاتی تھیں۔ خاص طور پر فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کا بڑا دور رہتا تھا۔ اور مثنوی مولانا روم کا تو دن رات ورد تھا، وحدۃ الوجود کے نکتے بیان ہوتے تھے اور توحید وجودی کے بارے میں موشگافیاں ہوتی تھیں، لیکن میری آنکھیں قرآن کی تفسیر اور حدیث کا درس ڈھونڈھتی تھیں اور کان ان کے سننے کے لیے بیتاب تھے۔ جی چاہتا تھا کہ کم سے کم ایک ہی آیت کی تفسیر، اور ایک ہی حدیث کی تشریح ہو تی۔ لیکن ان مجالس میں ان کا کوئی ذکر نہ تھا، ذوق و شوق، وجد و حال، نعرہ و آہ کی کمی نہ تھی، مگر قرآن و حدیث کا سیدھا سادہ بیان مفقود تھا، وجہ یہ ہے کہ قرآن پیری و مشیخت کو توڑتا ہے اور سب کو بندگی اور انسانیت کی سطح پر اتارتا ہے۔ اور سارے استثناءات و امتیازات کو ختم کر دیتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ عرب کا بدو مجلس نبوی میں آتا ہے تو کسی قسم کے امتیازات و مشیخت کا نشان نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوچھنا پڑتا ہے کہ آپ میں سے خدا کا رسول کون ہے؟

اصل پرزہ

مجھے روزمرہ کے واقعات میں قرآن اور قرآنی حقائق نظر آتے ہیں، ایک مرتبہ رائے بریلی اسٹیشن سے موٹر پر آ رہا تھا، موٹر بگڑ گئی، دیر تک اس کو درست کرتے رہے، درست نہیں ہوتی تھی، جب ایک دوسری موٹر گزری تو اس سے بعض اوزار لے کر اس کو درست کیا گیا، میں نے پوچھا کہ کیا

خرابی تھی؟ کہا گیا! کہ ایک باریک سوراخ ہے جس سے پٹرول آتا ہے، اس میں کچھ کچرا آ گیا تھا۔ اس کی وجہ سے ساری موٹر کی مشینری اور اس کا سازوسامان بیکار ہو گیا، نہ سیٹیں کچھ کام آتی تھیں نہ اُن کی گدیاں نہ آئینے نہ انجن کام کرتا تھا نہ پہیے حرکت کرتے تھے، ایک چھوٹی سی اندرونی خرابی سے ساری موٹر دھری کی دھری رہ گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا اور "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا"[1] کی تفسیر روشن ہو گئی۔ یہی انسان کے پورے نظامِ زندگی اور پورے معاشرے اور تمدن کا حال ہے کہ اندر کی کثافت اور ابتری سے سارا نظام مختل اور معطل ہو جاتا ہے اور پھر خارجی سازوسامان کچھ کام نہیں آتا۔ "أَلَا إِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ"[2] ـــــ آج زندگی کا سارا فساد اور سارا انتشار اسی اندرونی کثافت اور ظلمت کا نتیجہ ہے اور اس کی طرف کسی کو توجہ نہیں، پورا جہاز جس پر ہزاروں مسافر ہوتے ہیں، ایک چھوٹے سے پُرزہ کے سہارے چلتا ہے۔ اگر وہ پُرزہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو یہ کوہ پیکر جہاز بیکار ہو جاتا ہے۔ کپتان کے سامنے جو گھڑی ہوتی ہے۔ اس میں سوئی اگر بال کے

---

[1] وہی بندہ کامیاب و بامراد ہوا جس نے اپنے نفس کی اصلاح کی اور اس کو سدھارا اور وہ نامراد رہا جس نے اسے خاک آلود کیا۔

[2] معلوم ہونا چاہیے کہ جسمِ انسانی میں ایک مضغہ گوشت وہ ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں بگاڑ آ جائے تو پورے انسانی وجود میں بگاڑ آ جاتا ہے اور وہ قلب ہے۔

برابر سرک جائے تو جہاز کی سمت میں سیکڑوں میل کا فرق پڑ جاتا ہے۔

نماز میں جی نہ لگنے کی وجہ فرمایا ــــــ بمبئی میں مجھے ایک نوجوان ملے، سوٹ بوٹ میں ملبوس، داڑھی صاف، کہنے لگے مجھے پہچانا، میں نے کہا نہیں، کہا میرا نام یہ ہے، حافظ قاری ہوں، اکثر لوگ مجھے اس لباس میں نہیں پہچانتے، پھر کہنے لگے مجھے آپ سے ایک بات پوچھنی ہے، کہنے لگے میرا نماز میں جی نہیں لگتا۔ میں نے کہا بالکل قدرتی بات ہے ایسے ہی ہونا چاہیے۔ چمڑے کے کارخانہ میں کام کرنے والے کا عطر کی دوکان میں دم گھٹنے لگتا ہے اور عطر کے کارخانہ میں کام کرنے والا جب سریس کے کارخانہ میں جاتا ہے تو اس کی جان پر بن جاتی ہے۔

حیات طیبہ کے معنی اور اس کی عجیب مثال فرمایا ــــــ "ایک زمانہ میں اس آیت پر بہت غور کرتا رہا ــــــ "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً"[1] ــــــ میری عادت ہے کہ جب کوئی چیز ذہن میں آجاتی ہے تو پھر چلتے پھرتے ہر وقت اسی کا خیال رہتا ہے، میں نے بہت سوچا کہ حیات طیبہ کیا ہے؟ خیال آیا دنیا کا مٹ کر زندگی ہی میں آخرت کا نظر آجانا، حیات طیبہ ہے، اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کہیں ٹھہرے ہوں اور وہاں غلطی سے دس ہزار کے نوٹ چھوڑ کر آگئے ہوں، اور کسی مجلس میں شریک ہوگئے ہوں اور اس کمرہ کا دروازہ کھلا رہ گیا ہو تو آپ کا دل اس میں

---

[1] جو بندہ یا بندی اچھے اعمال کرے اور دل سے وہ مؤمن بھی ہو تو ہم اس کو "حیات طیبہ" کی نعمت سے نوازیں گے۔

لگا رہے گا۔ اور آپ کو نوٹ کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا نہ کچھ سن سکیں گے۔ اگر بعد میں آپ سے کوئی کہے گا کہ اس مجلس میں فلاں فلاں باتیں ہوئیں، فلاں فلاں آدمی آئے اور گئے، تو آپ کہیں گے کہ مجھے کچھ خبر نہیں، میرا دل تو فلاں چیزمیں لگا ہوا تھا۔ یہی حیات طیبہ کا حال ہے کہ مومن کا بدن یہاں اور دل وہاں رہتا ہے۔

بڑھاپے کی شکایت کرنے والے کی مثال

آخرت اور جنت مقصود او رنتیجہ ہے اور بڑھاپا اور موت اس کا ذریعہ اور پل ہے، اس لیے مجھے تعجب ہوتا ہے جب کوئی بڑھاپے کی شکایت کرتا ہے اور بڑے درد و حسرت سے کہتا ہے کہ اب مرنا ہی باقی ہے اور موت تو آنی ہے، وہ لڑکوں اور جوانوں کو رشک اور حسرت سے دیکھتا ہے کہ کبھی میں بھی ایسا تھا، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی کسان خوشی خوشی کھیتی کرے، جب غلہ کاٹنے اور اٹھانے کا وقت آئے تو رنجیدہ اور مایوس ہو، حالانکہ یہ ساری محنت و مشقت اسی دن کے لیے تھی اب اس کا افسوس کیوں؟ اب تو غلہ اٹھانے اور گھر لے جانے کا وقت آیا، حدیث میں آتا ہے کہ جو اللہ کی ملاقات کا شائق ہو اللہ بھی اس کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے۔ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهُ ـــــ حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بندے کے لیے خدا کی طرف سے سلام و پیام آتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَنْ لَا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ[1]

---

[1] جنھوں نے اقرار کیا اور مان لیا کہ ہمارا رب بس اللہ ہے اور ہم اسی کے بندے اور پرستار ہیں، پھر

(باقی اگلے صفحے پر)

بڑھاپے میں قفس کی تیلیاں کمزور ہو جاتی ہیں اس لیے طائر روح نکلنے کے لیے بیقرار ہوتا ہے

میں کلکتہ میں جہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ایک انگریز کا مکان تھا اس کے یہاں ایک مینا پلی ہوئی تھی کلکتہ میں مکانوں کی دیواریں چھوٹی ہوتی ہیں اس لیے اکثر پاس پڑوس والوں کو دوسرے گھروں کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے۔ میناؤں کا ایک جھنڈ گزرا۔ اور انھوں نے آواز دی، تو یہ مینا جو پنجرے میں تھی بے قرار ہو گئی اور بہت پھڑ پھڑائی۔ بالکل یہی حالت روح کی ہے جب وہ اوپر کی آوازیں سنتی ہے اور وہاں سے اس کے کان میں صدا آتی ہے کہ :-

"یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ"[۱]

تو وہ کبھی پھڑ پھڑاتی ہے اور اس کا دل کبھی چاہتا ہے کہ پنجرے کی تیلیاں توڑ کر وہ کبھی اپنے آشیانہ کی طرف پرواز کرے اور اپنے ہم جنسوں میں جا ملے لیکن وہ پنجرے سے مجبور ہوتی ہے۔ بڑھاپے میں جسم ضعیف ہو جاتا ہے۔ "وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ"[۲] گویا قفس کی تیلیاں کمزور ہو جاتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) پھر اس قول و قرار پر مستقیم رہے (یعنی اللہ کی مرضیات کے تابع وہ گزر زندگی اسی طرح گزاری جس طرح اللہ کو رب ماننے کے بعد گزارنی چاہیے) تو ان اہل استقامت پر فرشتے آتے ہیں اور ان کو پیام دیتے ہیں کہ کسی طرح کا خوف و غم نہ کرو۔ تمھیں اس جنت کی بشارت ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمھارے رفیق ہیں حیات دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

۱؎ اے نفس آرامیدہ بحق! اے روح اپنے مالک و مولا کی یاد سے چین و اطمینان حاصل کرنے والی! پھر چل اپنے مالک اور رب کی طرف، تو اس سے راضی وہ تجھ سے خوش اور شامل ہو جا میرے خاص بندوں کے زمرہ میں اور آ جا میرے مقام رضا جنت میں۔

۲؎ اور جس کو ہم بڑھا کرتے ہیں اس کو لوٹا دیتے ہیں جسمانی بناوٹ میں یعنی وہ بچپن کی طرح پھر کمزور و ناتواں ہو جاتا ہے۔

اور روح کو آزاد ہونے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس لیے بڑھاپا موجب شکر و مسرت ہے، نہ کہ موجب شکایت و حسرت۔

اخبار بینی کی لت

بڑھاپے میں اس عالم کی تیاری اور اس کا اشتیاق زیادہ ہونا چاہیے لیکن میں نے ملنگ شاہ کی مسجد کے قریب ایک ضعیف العمر بزرگ کو دیکھا کہ مغرب کی اذان ہو رہی ہے اور وہ ایک چائے خانہ میں بیٹھے ہوئے اخبار کے مطالعہ میں محو ہیں۔ مؤذن پکار رہا ہے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح اور وہ اپنی اصلاح و فلاح بھولے ہوئے دوسروں کے قصوں اور بکھیڑوں میں جن میں وہ کچھ بنا بگاڑ نہیں سکتے مستغرق ہیں ؎

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھالیا
اپنی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

جو کسی اصلاح اور مقصد کے لیے اخبار دیکھتے ہیں ان کے لیے اخبار بینی موجب ترقی ہے

ایسے آدمی کے لیے جو دنیا کی رفتار پر کچھ بھی مؤثر نہیں ہو سکتا اخبار بینی کا انہماک اضاعت وقت نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ جو لوگ مؤثر ہو سکتے ہیں اور جو کسی اصلاح اور مقصد کے لیے اخبار دیکھتے ہیں ان کے لیے اخبار بینی موجب ترقی اور باعث ثواب ہو سکتی ہے مجھ سے اعزاز الدین خاں صاحب نے بیان کیا تھا کہ تھانہ بھون میں اخبار کا داخلہ ممنوع[1] تھا۔

---

[1] خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں عام سالکین و طالبین کو اخبار بینی کی ممانعت تھی لیکن خود حکیم الامت قدس سرہٗ ایک نظر ڈال لیتے تھے اور کوئی چیز پڑھنا ضروری یا مفید سمجھتے تو پڑھ لیتے تھے۔ حضرت ممدوح کا ایک رسالہ بھی اس موضوع پر ہے جس کا نام ہی "اخبار بینی" ہے۔ اس کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اخبار صرف وہ لوگ پڑھیں جو اس سے کام لیں اور اس کے اہل ہوں، دوسرے لوگوں کے لیے لایعنی اور موجب مفاسد ہے۔

یں بہت خوش ہوا۔ جب مجھے اپنے کسی صاحب فن اور محقق سے تائید مل جاتی ہے تو بڑی خوشی ہوتی ہے۔

دین پر عمل ہو تو اس کے آداب کا بھی لحاظ ضروری ہے

فرمایا ــــــ "حدیث میں آتا ہے کہ نماز کا انتظار کرنے والا نماز ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس لیے جو شخص نماز پڑھنے جائے یا نماز کے انتظار میں بیٹھے، اس کو نماز کے آداب اور نماز کی عظمت کا خیال رہنا چاہیے مجھے ایک صاحب پر بڑا رشک آتا تھا کہ وہ بہت دور کے محلے سے جامع مسجد میں فجر کی نماز پڑھنے کے لیے آتے تھے میں سوچتا تھا کہ ان کو کس قدر ثواب ملتا ہو گا، اس لیے کہ ان کو بہت قدم اٹھانے پڑتے تھے اور مسجد کے لیے جتنے قدم اٹھانے پڑیں اتنا ہی ثواب زیادہ ہے لیکن ایک دن میری یہ سب خوشی خاک میں مل گئی۔ جب میں نے دیکھا کہ وہ بیڑی پیتے ہوئے جامع مسجد آرہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کو تو یہ خیال کرنا چاہیے تھا کہ میں نماز کے لیے مسجد جارہا ہوں، نمازہی میں ہوں، انھوں نے اپنے اس چلنے کی قدر نہ کی اور اس کے آداب کا خیال نہ رکھا۔"

اجزاء کا اقرار اور مجموعہ کا انکار

فرمایا ــــــ "بعض لوگ کسی چیز کی مجموعی شکل یا اس کے نام سے چڑتے ہیں لیکن اس کے علیحدہ علیحدہ اجزا ان کو مانوس و مرغوب ہوتے ہیں اور ان کو ان سے ذرا وحشت نہیں ہوتی مثلاً بعض لوگ گلاب جامن سے چڑتے ہیں لیکن کھویا، شکر، گھی سب ان کو علیحدہ علیحدہ مرغوب ہوتا ہے اور وہ ان کو بڑے شوق سے استعمال کرتے ہیں لیکن جب ان سب کو باہم جمع کر کے پیش کیا جائے اور اس کا نام گلاب جامن بتا یا جائے تو وہ بھاگتے ہیں اور مارنے دوڑتے ہیں۔ ایک بڑے میاں تھے ان کو اس سے چڑ تھی کہ کوئی ان سے کہے کہ دادا خیریت ہے؟ بچے ان کو چڑاتے رہتے تھے اور وہ ڈنڈا لے کر

ان کے پیچھے دوڑتے تھے، اگر ان سے کوئی کہتا کہ بڑے میاں پیٹ میں درد تو نہیں ہے؟ کان میں درد تو نہیں ہے؟ سر میں درد تو نہیں ہے؟ بخار تو نہیں ہے؟ ہاضمہ خراب تو نہیں ہے؟ تو جواب دیتے کہ نہیں یعنی ہر طرح سے اچھا ہوں لیکن جب کوئی کہتا کہ خیریت ہے تو آگ بگولہ ہو جاتے ایک دن ہمارے مولوی عبدالرحمٰن صاحب نے ان کو پکڑا اور اسی طرح کے سوالات کیے اور جب انھوں نے ہر درد و تکلیف کا انکار کیا تو انھوں نے کہا کہ اسی کا نام خیریت ہے، تم اس سے کیوں چڑتے ہو۔ بس خیریت کا نام آتے ہی وہ چڑ گئے اور کہنے لگے کہ پھر تم نے اسی کا نام لیا۔"

اسلام اسی مجموعہ کا نام ہے

یہی حال بعض پڑھے لکھوں کا ہے کہ ان کو تصوف کے تمام اجزا کا علاحدہ علاحدہ اقرار ہے لیکن مجموعۂ تصوف سے وحشت ہوتی ہے اور اس کے نام سے چڑتے ہیں، یہی حال دوسرے مذاہب کا بھی ہے کہ ان کو بہت سے اجزا کا اقرار ہے اور وہ اجزا ان ادیان اور ان کی تعلیمات میں منتشر ہیں، ان کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔ اس مجموعہ سے ان کو وحشت ہے، اگر ایک ایک جز کو علاحدہ علاحدہ پوچھا جائے مثلاً توحید، رسالت، معاد، اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ وغیرہ، اگر کہا جائے کہ بس انھیں کے مجموعہ کا نام اسلام ہے تو تیوری چڑھ جائے گی۔ قرآن شریف میں آتا ہے:۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ[1]: اب ان معروفات و

---

[1] (اللہ کی خاص رحمت کے مستحق اس کے وہ بندے ہیں جن میں ایمان، تقویٰ اور تزکیہ کی صفات ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اللہ کے اس پیغمبر کی جو نبی امی ہے جس کو وہ لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات میں اور انجیل

(باقی اگلے صفحہ پر)

منکرات، طیبات و محرمات کا نام الگ الگ لیجیے، ہر معروف کی تعریف کریں گے، ہر منکرات کی مذمت، ہر پاک صاف چیز کو قابل قبول بتائینگے اور ہر حرام اور گندی چیز کو ناپسند کریں گے، لیکن اس کے مجموعہ (اسلام) سے ان کو وحشت اور ان تعلیمات کے داعی و جامع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو انکار ہے۔ میں دوسرے مذاہب کے پیرووٴں کو سمجھانے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرتا ہوں کہ اجزاء کو الگ الگ ان کے سامنے پیش کرتا ہوں اور ان سے اقرار لیتا ہوں کہ یہ سب اجزاء صحیح اور قابل قبول ہیں۔ پھر ان کے مجموعہ سے وحشت کیوں ہے؟ میرے پاس ایک ہندو صاحب آتے ہیں وہ ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں، دوسرے صاحب آتے ہیں وہ رکوع میں رہتے ہیں، تیسرے صاحب ڈنڈوت کرتے ہیں اور دیر تک سر جھکائے رہتے ہیں۔ مجھے ان کے اس فعل سے گرانی ہوتی ہے یہ سب افعال نماز کے ہیں، جب سب الگ الگ غیر اللہ کے لیے ان کے نزدیک جائز ہے تو پھر مجموعی طور پر اللہ کے لیے کیوں جائز نہیں؟ انھیں کے مجموعہ کا نام نماز ہے، بندگی انسان کی فطرت میں ہے اور یہی پیدائش کا مقصود ہے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (انسانوں اور جنات کو اسی لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خالق کی بندگی اور عبادت کریں) پرزوں کو صحیح جگہ پر استعمال کرنا یہی عبادت اور توحید ہے ان سب افعال کو اللہ کے لیے مخصوص کرنا بس یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں جو ان کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے اور حلال و پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتا ہے اور خبیث و گندی چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔

معالج کو مریض کی قوت کا لحاظ کرنا چاہیے نہ کہ اپنی قوت کا

فرمایا ــــــ "معالج کو مریض کی قوت کا لحاظ کرنا چاہیئے نہ کہ اپنی قوت کا، یہی طب نبوی ہے، دیکھیے حضرت موسیٰ اور ہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے "اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى" (تم فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا ہے) لیکن ہدایت کی جا رہی ہے کہ اس کی قوت ہاضمہ کا لحاظ رکھا جائے اور ایسی خوراک نہ دیدی جائے جس کو وہ برداشت نہ کر سکے فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (اس نرمی سے بات کرنا شاید وہ سوچے یا اس کے دل میں خوف پیدا ہو)

جب حجاز مقدس میں شکری پاشا کے زمانہ میں جنگ ہونے اور رسد و غلہ نہ آسکنے کی وجہ سے اہل مدینہ کو مدینہ سے شام چلے جانے کا حکم ہوا تو اس وقت مدینہ کی آبادی بہت مختصر رہ گئی تھی۔ ۵۰۔۶۰ آدمی مسجد نبوی میں نماز کے وقت ہوتے تھے، انھیں لوگوں میں ہمارے خاندان کے بھی ایک بزرگ تھے ایک دن مسلسل فاقہ کی وجہ سے وہ جاں بلب ہو گئے، اور نقاہت سے بے ہوش ہو گئے، ڈاکٹر آیا تو اس نے کہا کہ ان کو ہرگز غذا نہ دی جائے ورنہ یہ مر جائیں گے۔ اس نے کپڑا تر کر کے ان کے منھ میں پانی کے چند قطرے ٹپکائے پھر پھل کا تھوڑا سا رس دیا۔ اسی طرح تدریجاً غذا پہنچائی یہی حال روحانی اور اعتقادی مریض کا ہوتا ہے کہ اس کو تدریجی طور پر دینی خوراک دی جاتی ہے۔ مناظرہ میں ان باتوں کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اس لیے ان سے ہدایت نہیں ہوتی، مجھے مناظرہ سے بالکل مناسبت نہیں، بعض لوگ فخریہ کہتے ہیں کہ حریف کو دنداں شکن جواب دیا۔ ایک صاحب نے ایسے ہی کہا تو میں نے کہا پھر وہ بیچارہ گنا کیسے کھائے گا آپ نے تو دانت توڑ ڈالے۔

غیر مسلموں کو بھی اسلام کی دعوت دینے میں قرآن ایسے ہی اسلوب اختیار کرتا ہے کہ سلیم الطبع اور منصف مزاج غیر مسلم بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے مثلاً یہود و نصاریٰ کو خطاب کرکے کہا گیا ہے۔ "یَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"[1] اب اس میں کون سا جز ہے جس کا کوئی عقلمند اور حق پسند انکار کر سکے۔

ایک مرتبہ حیدر آباد میں ایک آریہ سماجی بڑے زور کی تقریر کر رہا تھا لوگوں نے کہا کہ یہ توحید کا قائل ہے، اور رسالت کا منکر، وہ کہتا ہے کہ رسالت کی بالکل ضرورت نہیں۔ بندے اور خدا کے درمیان کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں میں نے اپنے ایک ساتھی کو تیار کیا۔ انھوں نے تقریر شروع کی اور کہا پنڈت جی بالکل صحیح کہتے ہیں، واقعی بندے اور خدا کے درمیان کسی کو حائل ہونے کا حق نہیں، بندہ جانے اور خدا جانے، اس پر مسلمان سامعین بڑے متعجب ہوئے اور گھبرائے۔ لیکن انھوں نے اس کے بعد کہا کہ پنڈت جی تو صحیح کہتے ہیں لیکن ایک مصیبت یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی رسالت و نبوت کی ضرورت کے قائل ہیں اور اس کے پکے معتقد ہیں، اب خدا خود ہی آئے اور ان کو سمجھائے، خدا ہی ان کو اطمینان کرائے تو اطمینان ہو، کسی کو بیچ میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے، اس پر پنڈت جی بھی خاموش

---

[1] اے اہل کتاب آجاؤ ایک ایسی بات پر جو برابر ہے ہم میں اور تم میں (یعنی اصولی طور پر وہ مسلمات میں سے ہے) یعنی یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی بندگی نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب نہ بنائے سوائے اللہ کے۔

ہو گئے اور سناٹا چھا گیا۔

نماز اس وقت عبادت بنے گی جب اس کا منی آرڈر وصول کرنے سے زیادہ شوق ہو گا!

فرمایا —— فرائضِ دینی کو عادت کے طور پر نہیں، عبادت کے طور پر کرنا چاہیے۔ عادت کے طور پر کیا تو روزمرہ کی غذا، اور طبیعت کا تقاضا بن گیا اس پر ملّا جی (ملا حسن علی) نے کہا میں تو نماز کو عادت کے طور پر پڑھتا ہوں، اس کو عبادت کیسے بناؤں؟ میں نے کہا عبادت جب بنے گی جب اس کا (اخروی) فائدہ اور نقصان سامنے ہو۔ آپ دوپہر کو میٹھی نیند سو رہے ہوں، نیند کا غلبہ ہو اور باہر ڈاکیہ آواز دے کہ منی آرڈر لے لیجیے، آپ کو معلوم ہے کہ اگر آپ نے الکسی کی تو ڈاکیہ چلا جائے گا اور منی آرڈر واپس جائے گا، یا کل ملے گا، آپ نیند قربان کر کے اٹھتے ہیں اور منی آرڈر وصول کر لیتے ہیں یہی حال نماز کا ہے کہ کیسی ہی میٹھی نیند سو رہے ہوں۔ سردی میں لحاف اوڑھے ہوئے ہوں، منہ نکالنے کا جی نہ چاہتا ہو۔ لیکن فجر کی اذان ہو، نماز کے فائدے پر یقین اور نہ پڑھنے پر جو سزا ہے اس پر اعتقاد ہے۔ آپ نیند قربان کرتے ہیں اور سردی میں وضو کرتے ہیں بس یہی عبادت کی روح ہے۔

رمضان کی قدر اور پہلے سے اہتمام

رمضان کی آمد ہوئی تو میری فرمائش و درخواست پر مولانا عبدالرشید صاحب مسکین نے میرے گھر میں رمضان کے فضائل و آداب پر وعظ فرمایا، جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ رمضان کا حق صرف رمضان میں ادا نہیں ہوتا، اس سے پہلے اس کا استقبال، اس کا ذوق و شوق اور اس کی تیاری چاہیے، مکان کی تعمیر کا سلسلہ بنیاد سے شروع ہوتا ہے، جتنا بڑا اور اونچا مکان بنانا ہوتا ہے اتنی ہی نیو گہری کھودی جاتی ہے، اگر کوئی کسی مکان کی نیو کھود رہا ہو اور اس کو مضبوط بنا رہا ہو، اور کوئی کہے کہ مکان کو تو سطح زمین پر کھڑا ہونا ہے

یہ زمین کے اندر کیا کارروائی کی جارہی ہے؟ تو کیا اعتراض صحیح ہوگا۔

اسی طرح رمضان کی تیاری رمضان سے پہلے شروع ہونا چاہیئے۔ رمضان شروع ہونے کے بعد اس کے دن گننا اور اس کے روزوں کا حساب لگانا کہ اب اتنے رد گئے ہیں، بڑی ناقدری ہے، میں حیدرآباد میں سنتا تھا کہ لوگ رمضان شروع ہونے کے بعد سے حساب شروع کر دیتے تھے کہ وہ رواں وہ دواں، وہ پرّاں، یہ رمضان کی قدر نہ ہوئی۔

کسی کی عاقبت خراب کرنا بزرگی نہیں

بعض لوگ کبھی کسی شیخ اور بزرگ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھوں نے فلاں کی نسبت سلب کر لی، فلاں کو تباہ کر دیا، میں کہتا ہوں یہ تو کوئی اچھی بات نہ ہوئی، وہ بیچارہ کلمہ پڑھتا تھا، اللہ کا نام لیتا تھا، اس سے بھی گیا۔ بزرگوں کا کام کسی کی عاقبت کو خراب کرنا، اور کسی کو تباہ کرنا تو نہیں ہے، وہ تو عاقبت درست کرتے اور تباہ حال لوگوں کو سنبھال لیتے ہیں۔

کسی بندہ میں کچھ نہیں سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

فرمایا —— "آدمی کی تعریف نہیں، جہاں سے علوم و مضامین آتے ہیں اس کی تعریف ہے کوئی ٹونٹی کی تعریف کرے، اور اس کا فیضان بتلائے۔ ٹونٹی کہے گی کہ اس وقت آنا جب پانی بند ہو جاتا ہے پھر میرے فیضان کی حقیقت معلوم ہو گی۔ اس وقت اگر اس سے کوئی پانی لینے گیا تو وہ کہے گی کہ میں خود جلی جا رہی ہوں، چلو بھر پانی مجھ پر ڈال دو، یہی انسان کا حال ہے کہ وہ ہر وقت ایک حال میں نہیں رہتا اور نہ وہ فیضان کا مالک ہوتا ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ پانی کے حوض پر بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ اچانک پانی میں گر گئے اور غوطہ کھانے لگے بڑی مشکل سے مریدوں نے نکالا اور جان بچی، ایک مرید نے ادب سے عرض کیا کہ

حضرت فلاں موقع پر دریائے مغرب پر سے گذر گئے، اور پاؤں بھی تر نہ ہوا، آج چھوٹے سے حوض میں گر گئے اور ہوش نہ رہا، فرمایا یکساں حال نہیں رہتا، شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوالِ ما برق جہان ہست — دمے پیدا و دیگر دم نہاں ہست
گہے بر طارم اعلےٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اگر درویش بر حالے بماندے
سر دست از دو عالم برفشاندے

دوسری مجلس

۴؍ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۶؍مارچ ۱۹۶۷ء بروز پنجشنبہ

مابین ۱۰½ بجے، ۱۱½ بجے۔

مخصوص حاضرین:۔ مولوی عبیدالرحمٰن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، صوبہ دار عبدالجلیل صاحب، محمد ابراہیم صاحب، مولوی نثارالحق ندوی وغیرہ۔

ادعیہ ماثورہ کی شان

صوبہ دار عبدالجلیل صاحب جو ایک ناگہانی حادثہ کا شکار ہو کر مفلوج و معذور ہو چکے ہیں اور کسی ہمراہی کے سہارے بمشکل چلتے ہیں، لیکن اس معذوری کے باوجود بڑے صابر و شاکر ہیں، مجلس میں آئے اور ایک طرف بیٹھ گئے، حضرت کی اچانک ان پر نظر پڑی، بڑی محبت کے ساتھ ان کو اپنے ساتھ بلا کر بالکل قریب بٹھایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی مصیبت ڈالتا ہے تو اس سے پہلے صبر و شکر کی قوت اور یقین کی نعمت عطا فرماتا ہے۔ ورنہ مصیبت کا تحمل مشکل ہے۔ اسی طرح سے دعاؤں کے جو مضامین اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو تلقین فرمائے ان سے پہلے قبولیت کا فیصلہ فرما لیا۔ جس طرح کوئی حاکم جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو امیدوار کو

خود ہی عرضی کا مضمون لکھوا دیتا ہے، یہ صرف ادعیۂ ماثورہ کی خصوصیت ہے بزرگوں سے جو دعائیں منقول ہیں وہ اس مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتیں، بزرگوں کی دعاؤں کی مثال پرندہ کی ہے جو خود اڑتا ہے، اور قرآن مجید اور حدیث کی دعاؤں کی مثال ہوائی جہاز کی سی ہے جو سینکڑوں کو لیکر اڑتا ہے، اسی لیے سورۂ فاتحہ میں جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ "إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" (تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں، دکھا ہم کو سیدھا راستہ)

مجھے حزب البحر وغیرہ سے کچھ مناسبت نہیں مثلاً اس میں دعا آتی ہے کہ:- اَللّٰهُمَّ سَخِّرْ لِي كُلَّ شَيْءٍ، اب اگر سب مخلوق میرے لیے مسخر ہو جائے تو میں ان کو کھلاؤں گا کہاں سے؟ اس کے بجائے میری دعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ سَخِّرْنِي لَكَ (اے اللہ مجھے اپنا مطیع و فرمانبردار بنالے) آپ کو وہ واقعہ یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ کے یہاں سے اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی جو وہ حضرت امام حسنؓ کو نذر کرتے تھے۔ امام حسنؓ کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے ان کو اس دعا کی تلقین فرمائی۔ "اَللّٰهُمَّ اَقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ رَجَاءَكَ وَاقْطَعْ رَجَائِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَا اَرْجُوْ اَحَدًا غَيْرَكَ" (اے اللہ میرے دل میں اپنی امید بھر دے اور میری امید ماسوا سے قطع فرما دے یہاں تک کہ تیرے سوا مجھے کسی سے امید باقی نہ رہے) یہ دعا کتنی جامع اور مکمل ہے، یہ حقیقت میں ایک سیف قاطع ہے جو ماسوا کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور انھوں نے دعاء سریانی مشبع کی فرمائش کی میں نے کہا میں نہیں جانتا، میں تم کو عربی دعا سکھا سکتا ہوں۔

وہ بات پیدا کرو جس سے زبان میں اثر ہو!

فرمایا ـــــ "لوگ کسی اسم کے ورد اور کسی دعا کو ہزاروں لاکھوں بار پڑھنے کو مؤثر سمجھتے ہیں۔ اور وہ صلاحیت اور صفت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے جس سے ایک مرتبہ کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے، میں کسی کو سوا لاکھ کا وظیفہ یا ختم نہیں بتاتا، البتہ دو رکعت نماز پڑھنے کو کہہ دیتا ہوں، میں ایک مرتبہ کراچی میں ایک درزی کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ ایک پنجابی بڑے میاں میرے پاس آئے اور کہا کہ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا میں کوئی عالم نہیں ہوں، تم مسئلہ پوچھو گے اور میں جواب نہ دے سکوں گا تو تم کو مایوسی ہو گی، انھوں نے کہا دریافت کرنے میں کیا حرج ہے، میں نے کہا پوچھو، کہا کہ یہ وظیفے جو پڑھے جاتے ہیں ان میں بھی کوئی اثر ہے؟ میں نے کہا دیکھو وہ سامنے جو کانسٹبل کھڑا ہوا ہے تم اس کے پاس جا کر ۱۰۰ مرتبہ کہو کہ میں نے تم کو برطرف کیا، میں نے تم کو برطرف کیا، تم جانتے ہو اس کا کیا نتیجہ ہو گا؟ اس نے کہا کہ اس پر کوئی اثر نہ ہو گا اور وہ اس کو ایک مذاق سمجھے گا، میں نے کہا وہ الٹا تمھاری گردن ناپے گا اور کہے گا کہ تم میرے برطرف کرنے والے کون؟ انھوں نے کہا صحیح بات ہے۔ میں نے کہا کہ اگر قائد اعظم (اس وقت محمد علی جناح مرحوم زندہ تھے) ایک سپاہی سے ایک مرتبہ کہیں کہ میں نے تم کو برطرف کیا! اس نے کہا کہ وہ اپنے کو برطرف سمجھے گا۔ اور ان کا ایک مرتبہ کا کہنا کافی ہو گا، میں نے کہا پھر وہ بات پیدا کرو جس سے زبان میں اثر ہو اور ایک مرتبہ کا کہنا کافی ہو جائے"۔

قبولیت دعا کا راز

فرمایا ـــــ لوگ دعا میں اپنے مقصود پر اور ان لوگوں پر نظر رکھتے ہیں جن سے وہ مقصود حاصل ہو سکتا ہے، اور نہیں ہوتا۔ میرے

یہاں ایک کاریگردن بھر بجلی کی وائرنگ اور فٹنگ کرتا رہا۔ اس نے بڑی محنت اور خلوص سے کام کیا۔ میں نے اس کو انعام دینا چاہا، کسی طرح قبول نہ کیا، مجھے اس کے جذبہ کی بڑی قدر ہوئی، ایک دن میں صحن میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا کہ وہ آیا اور زار وقطار رونے لگا، میں سمجھا کہ اس کے کسی عزیز کا انتقال ہو گیا میرے پوچھنے پر اس نے کہا کہ میں بہت دن سے روزگار کی تلاش میں ہوں لیکن کوئی پوچھتا بھی نہیں، جہاں جاتا ہوں ناکام واپس آتا ہوں، میں نے کہا کہ میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ تم یوں ہی ناکام رہو گے اور کوئی تمھاری بات بھی نہیں پوچھے گا۔ وہ گھبرایا اور اس نے کہا کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ نوکری نہ ڈھونڈ خدا کو ڈھونڈو، تمھاری نظر مخلوق پر ہے خدا پر نہیں ہے تم اس کو منانے کی کوشش کرو، کام خود تمھارے پاس آئے گا۔ فرمایا کہ وہ شخص اگرچہ جاہل تھا لیکن یہ بات فوراً اس کی سمجھ میں آگئی، اگر پڑھا لکھا اور مولوی ہوتا تو اتنی جلدی نہ سمجھتا۔ علم بڑا حجاب ہے۔ چند دن کے بعد وہ بڑا خوش خوش آیا، اور کہا کہ مجھے کام مل گیا اور کارخانے والے خود میرے گھر آئے اور مجھے لے گئے، تنخواہ بھی کی اور سواری کے لیے سائیکل بھی دی، وہ میرا شکریہ ادا کرنے لگا، میں نے کہا کہ یہ شرک ہے، اس کا شکریہ ادا کرو جس نے نوکری دی ہے۔ اس طرح چند آدمی میرے پاس آئے انھوں نے کہا کہ ہماری زمین نیتی (سرکاری پیمائش) میں آگئی ہے اور ہم کو وہ قیمت دی جارہی ہے جو پہلے کبھی تھی، میں نے کہا کہ اس پر نظر رکھو اور اس کو راضی کرو، جو ان لوگوں کو گٹی کی طرح پیس کر سڑک پر بچھا سکتا ہے، تیسرے دن وہ آیا اور کہا کہ اسکیم بدل گئی اور زمین بچ گئی۔

حضرت نے ڈاکٹر اشتیاق صاحب کو پوچھا جو کاتب الحروف کے ساتھ تھے اور اسی دن صبح کو لکھنؤ روانہ ہوگئے تھے، عرض کیا گیا کہ ان کی چھٹی ختم ہوگئی تھی

وہ آج صبح چلے گئے، حضرت نہ ملنے پر افسوس فرمانے لگے۔ میں نے عرض کیا ان کو حضرت سے بڑی محبت ہے۔

محبت بڑی چیز ہے

فرمایا ـــــ محبت بڑی چیز ہے، محبت پٹرول کی طرح ہے جس سے ہر چیز چل سکتی ہے۔ فرمایا کہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک صحابی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ فرمایا کہ تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے (کہ تم کو اس کا اس قدر اشتیاق ہے) کہا کہ میرے پاس اس کے لیے کچھ زیادہ عبادات نہیں البتہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے فرمایا ـــــ "المرء مع من احب" (انسان (آخرت میں) اسی کے ساتھ ہوگا جس سے (اس کو) دنیا میں محبت تھی) فرمایا حضرات چشتیہ کی نظر اسی پٹرول (درد و محبت) پر زیادہ ہے۔ اور اسی سے ان کی یہ ترقی اور علوئے شان ہے۔

سلاسل اربعہ کی تمثیل

حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "انہار اربعہ" میں چاروں سلسلوں کی جداگانہ نسبتوں اور ان کے جدا رنگ کو جنت کی ان چار نہروں سے تشبیہ دی ہے جن کے قرآن مجید میں الگ الگ اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ "فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى" (جنت میں کچھ نہریں ایسے پانی کی ہیں جو سڑتا بگڑتا نہیں اور کچھ نہریں ایسے دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا اور کچھ نہریں ایسی شراب کی ہیں جن میں پینے والوں کے لیے لذت و سرور ہے اور کچھ نہریں شہد مصفا اور عسل صافی کی ہیں) انھوں نے فرمایا کہ نہ بگڑنے والا پانی یہ نسبتِ سہروردیہ ہے، یکساں ذائقے کے دودھ کی نہر جس میں استقرار و تمکن ہے نسبتِ نقشبندیہ ہے اور شراب کی نہر جس میں لذت و سرور اور کیف و نشاط ہے نسبتِ

چشتیہ ہے. شہد صافی کی نہر نسبت قادریہ ہے۔ اس محاکمہ میں جو جامعیت اور توازن ہے، وہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوتا ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ سے ہدایت و تاثیر کے جو واقعات منقول ہیں اور جو واقعات و خوارق ان کی طرف منسوب ہیں، وہ ان حضرات کے اخلاص، درد و محبت اور اسی نسبت کا کرشمہ ہیں۔

تزکیہ اور نظر بندی کا فرق

فرمایا ــــــ تزکیہ اور نظر بندی میں بڑا فرق ہے تزکیہ میں پٹرول کا کچرا صاف کر دیا جاتا ہے اور اس سوراخ کو کھول دیا جاتا ہے جس سے پٹرول انجن میں آئے اور مشین چلنے لگے، نظر بندی میں اس کا عکس ہے، اس میں کچرا صاف کرنے کے بجائے الٹا پٹرول میں کچرا ڈال دیا جاتا ہے، مسمریزم والے اور شعبدہ باز محض نظر بندی کرتے ہیں وہ قوت متخیلہ پر ایسا اثر ڈالتے ہیں کہ چیزوں کی حقیقت کچھ ہوتی ہے اور نظر کچھ آنے لگتی ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ یُخَیَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ (ساحرین فرعون کے سحر سے حضرت موسیٰ کو محسوس ہوتا تھا کہ ان کی رسیاں سانپوں کی طرح دوڑ رہی ہیں) کلکتہ میں ایک مرتبہ بازیگروں نے ایک بڑا تماشہ دکھانے کا اعلان کیا دس بجے کا اعلان تھا، تماشائی پہلے پہونچ گئے اور ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ لیکن کئی گھنٹے ہو گئے، اور تماشے والے نہیں آئے۔ لوگوں میں مایوسی اور غصہ پیدا ہوا۔ بارہ بجے وہ لوگ آئے تو مجمع نے غصہ اور تعجب کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا ہم ٹھیک وقت پر آئے آپ اپنی گھڑیاں تو دیکھیے۔ دیکھا تو سب کی گھڑیوں میں ٹھیک دس بجے تھے انھوں نے دن بھر تماشہ دکھانے کا اعلان کیا تھا، لیکن وہ تھوڑی ہی دیر میں بغیر کچھ دکھائے جانے لگے اب لوگ پھر چیں بہ جبیں ہوئے کہ یہ کیا مذاق ہے نہ کوئی تماشا دکھایا نہ کرتب دکھایا

انھوں نے کہا کہ آپ اپنی گھڑیاں تو دیکھیے کیا بج گیا ہے، دیکھا تو چار بجے تھے، سب لوگ خفیف ہوئے اور تماشا ختم ہوگیا۔ بس یہی نظربندی کا کمال ہے۔

عالم آخرت سے انس و آشنائی کی ضرورت ہے

فرمایا — عالم آخرت سے اُنس و آشنائی کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے پہلے سے تیاری کرنی پڑتی ہے، جو لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں ان کے اندر انس و شوق کی کیفیت نہیں ہوتی اور وہ دنیا سے رہائی نہیں پاتے۔ بعض بعض ذکر کرنے والے اور اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ اس عالم سے بیگانہ ہیں، انتقال کا وقت ہوا تو کہا کہ والدہ کو بلاؤ، خالہ کو بلاؤ، پھوپھی کو بلاؤ، بیوی کو بلاؤ، بچّوں کو بلاؤ، پاس لاؤ، بھلا یہ وقت ان کی طرف متوجہ ہونے کا تھا، اوپر سے فرشتے اُتر رہے ہیں اور پیام لا رہے ہیں، اس وقت تو عالم بالا کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے، مولانا رومؒ نے مومن و عارف کے دم واپسیں کا نقشہ خوب کھینچا ہے، فرماتے ہیں ؎

مرگ را آمادہ باش اے ہوشیار — موت جسر موصل آمد سوئے یار
واصلِ درگاہ آں بے چوں شوم — ایں چہ خوش باشد کہ سوئے شہ رَوم
پائے کوباں سوئے بام اوری — وقت آمد کز جہانِ بیکسی

ذکر و علم کی فضیلت اور فائدے سے انکار نہیں، اس سے درجات بلند ہوتے ہیں، آخرت میں اس کا فائدہ نظر آئے گا مگر افسوس کہ عالم آخرت سے بیگانہ کے بیگانہ رہے، ضرورت اس کی تھی کہ اِس عالم فانی، یہاں کے تعلقات اور اس جسم خاکی کو الوداع کہنے کی تیاری کی جاتی۔ شاعر نے صحیح کہا ہے ؎

اے کف و دست و ساعد و بازو
ہمہ تودیع یک دگر بکنید

> دانش مندی یہی ہے کہ جس سے آئندہ واسطہ پڑنے والا ہے اسی سے تعلق پیدا کیا جائے

حیدرآباد میں ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کے یہاں یہ طے پایا کہ دیوانی سرکشن پرشاد کے یہاں سے سالار جنگ کے فرزند یوسف علی خاں کے یہاں منتقل کر دی جائے، خاص خاص لوگوں کو اس کا علم ہو گیا کہ دیوانی کشن پرشاد کے یہاں سے سالار جنگ کے یہاں منتقل ہو رہی ہے انھوں نے اسی وقت سے اپنی آمدورفت اور تعلقات کشن پرشاد کے یہاں سے ختم کر کے سالار جنگ کے یہاں قائم کرنے شروع کر دیے، یہی ہر ہوشیار اور عاقبت شناس آدمی کو کرنا چاہیے کہ جب اس عالم فانی سے منتقل ہونا ہے اور اس پیراہن خاکی کو چھوڑنا ہے تو اس سے رشتہ توڑ کر اس سے جوڑیں جس سے واسطہ پڑنے والا ہے اور اسی سے آشنائی اور راہ و رسم پیدا کی جائے، اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ "وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ" (اور ہم جس کو زیادہ عمر دیتے ہیں اس کو جسمانی قوت کے لحاظ سے پیچھے لوٹا دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں) میں بہت دن سوچتا رہا کہ ایسی کھلی ہوئی بات یعنی بڑھاپے میں جسمانی انحطاط کے متعلق جس کا ہر ایک مشاہدہ کر رہا ہے أَفَلَا يَعْقِلُونَ کہہ کر کیوں دعوتِ تفکر و تدبر دی گئی اور ایسے بدیہی واقعہ کے متعلق کیوں ایسے اہم الفاظ فرمائے گئے ہیں، لیکن معلوم ہوا کہ اس سے اسی حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ بڑا سیانہ پن اور دانشمندی ہے کہ ساتھ چھوڑنے والے کے بجائے، اب آنے والے اور ہمیشہ رہنے والے کی فکر کی جائے جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ان کو موت پر حسرت اور اپنے عزیز اور دوست کی مفارقت پر قلق اور صدمہ ہوتا ہے یہ ہماری کوتاہ نظری اور بے خبری ہے، یہ محض پیراہن کی تبدیلی ہے دیکھیے میں اپنے گھر میں میلے کپڑے پہنے ہوئے کام کاج کرتا ہوں، اس پر داغ دھبے

پڑجاتے ہیں۔کہیں باہر جاتا ہوں تو لباس تبدیل کرتا ہوں، کیا یہ تبدیلی رنج کی بات ہے؟ کسی کا بیٹا کسی عہدہ یا ترقی پر پردیس جاتا ہے، یا ولایت سے کسی کا بلاوا آتا ہے۔ اور لوگ اس کو رخصت کرنے جاتے ہیں تو کیا ماں باپ کی عقلمندی ہوگی کہ اس سے لپٹ لپٹ کر روئیں، وہ تو خود اس کی کوشش کرتے ہیں اور خدا سے چاہتے ہیں، پھر رنج وصدمہ کیوں؟ یہاں ایک سکھ بھائی آتے ہیں، ان کا ایک لڑکا ریلوے میں ملازم تھا، اس کے بہنوئی ولایت پہونچ گئے، انھوں نے اس کی وہاں ملازمت کی کوشش کی اور تقرر ہو گیا، ماں باپ اور وہ سب بہت خوش ہوئے، لیکن ریلوے والے اس کو آزاد (ریلیز) نہیں کرتے تھے، وہ کہتے تھے کہ ابھی اس کی ملازمت کی مدت باقی ہے، اس کے والدین کئی مرتبہ میرے پاس آئے اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے خدا کے بھروسے پر جزم وثوق کے ساتھ کہہ دیا کہ ان کو آزاد کرنا پڑے گا، وہ کئی مرتبہ آئے، میں ہر مرتبہ یہی کہتا رہا۔ بالآخر اس کو آزادی ملی، اور وہ گیا، والدین بڑے شکر گزار ہوئے، لڑکے نے وہاں سے پہلی تنخواہ بھیجی کہ پیر صاحب کی خدمت میں پیش کی جائے، میں نے کہا میرے یہاں لینا دینا نہیں ہے اس قصہ سے مقصود یہ ہے کہ دیکھیے انھوں نے اس کے جانے کی کتنی کوشش کی اور ان کے دل سے کیسی لگی ہوئی تھی کہ وہ چلا جائے، وہ اس پر خوش ہوئے یا رنج کیا؟ اسی طرح سے مومن کی موت پر اہلِ ایمان کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں تو جب کسی بندۂ خدا کے متعلق سنتا ہوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوئے ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا تو میرا مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے، اور کبھی خیال آتا ہے کہ اس کے گھر مٹھائی بھیجوں، اسی لیے میری پرانی عادت ہے کہ میں تعزیت کے خطوں میں رنج وقلق کا اظہار نہیں کرتا۔

مولانا عبدالشکور صاحب کے والد کا انتقال ہوا، میری نوجوانی تھی حضرت صاحب

(یعنی والد بزرگوار حضرت پیر ابو احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے مجھ سے فرمایا کہ قاضی صاحب سے کہو کہ تعزیت کے خط کا مسودہ بنادیں، میں نے خود ایک مسودہ تیار کیا وہ بھی اسی انداز کا تھا۔

سالکین کی حالتِ قبض بھی بڑی نعمت ہے

فرمایا —— ایک دوست اپنے افغانی دوست کو میرے پاس لائے اور کہا کہ یہ میرے دوست ہیں۔ ذاکر شاغل ہیں اپنے ملک میں کسی شیخ سے بعیت تھے، ذکر و شغل کرتے تھے ان کا انتقال ہو گیا، اب ان پر عرصہ سے شدید قبض طاری ہے، اس سے یہ بہت دلگیر اور ملول رہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کی تو یہ حالت بہت بڑی نعمت ہے۔ اس وقت تو انکی دعا خاص طور پر مقبول ہو گی، ان کو اس کی قدر کرنا چاہیے۔ میں نے کہا کسی کو کسی امیر کے یہاں سے تنخواہ اور کھانا کپڑا ملتا تھا اور اس کی بہت عنایات تھیں اس وقت اگر وہ اس کی تعریف کرتا ہے اور حق نمک ادا کرتا ہے تو کیا بڑی بات ہے سبھی اپنے محسن کا دم بھرتے ہیں لیکن اگر اس امیر کے یہاں سے تنخواہ بند ہو جائے اور اس کی طرف سے (ظاہری طور پر) وہ عنایات نہ ہوں اور وہ شخص اب بھی اس کے گن گائے اور اس کے دل میں شکایت نہ آئے تو یہ بڑی شرافت اور مردانگی کی بات ہو گی اور اس امیر کے دل میں بڑی قدر پیدا ہو گی، یہ سن کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اور ان کو بڑی تسلی ہوئی۔

سلوک کبھی تمام نہیں ہوتا

فرمایا —— مجھے اس لفظ پر بہت تعجب ہوتا ہے، جب کوئی صاحب کسی صاحب کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کا سلوک تمام ہو گیا، کیا سلوک بھی کبھی تمام ہو سکتا ہے؟ یہ تو ایک دریائے ناپیدا کنار ہے، یہ تو خود اپنی کم ہمتی اور خامی کی دلیل ہے جس نے سمجھا کہ سلوک تمام ہو گیا اس کی ترقی رک گئی اور وہ ایک منزل پر رہ گیا، اسی طرح یہ کہنا بھی مجھے بہت محسوس ہوتا ہے کہ قرآن

ختم کرلیا۔ حدیث کا دورہ مکمل ہوگیا، بھلا قرآن حدیث کا کبھی کہیں اختتام ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ میں نے اپنی عمر تمام کردی۔ عارف نے تو فرمایا ہے :۔

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم　　وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

قرآن شریف کی عظمت

مجھے جالنہ کے ایک بزرگ کی بات بہت پسند آئی، میری نوعمری تھی، انھوں نے دریافت فرمایا کہ کیا پڑھا ہے؟ میں نے انکسار میں کہا کہ میں نے کچھ ایسے علوم دینیہ نہیں پڑھے ہیں تھوڑا سا قرآن شریف یاد کیا ہے، فرمایا اپنے لفظوں کو تبدیل کرو، تم نے سب علوم پڑھ لیے جب قرآن شریف پڑھ لیا تو سب کچھ پڑھ لیا۔ سب علوم اسی سے نکلے ہیں۔

حفظ قرآن کا ثواب حاصل کرنے کی آسان راہ!

یہاں بھوپال میں ایک بڑے عہدیدار تھے وہ تھوڑا تھوڑا قرآن شریف بھی یاد کرتے تھے، ایک دن کہنے لگے کہ حضرت قرآن شریف یاد کرنے کی بڑی تمنا ہے لیکن وقت بہت کم ملتا ہے اور بہت تھوڑا یاد ہوتا ہے، میں نے کہا کہ میں آپ کو ایسی توجہ دوں کہ سارا قرآن شریف ابھی یاد ہو جائے؟ میں نے کہا کہ قرآن شریف یاد کرنے کی نیت کرلیجیے۔ تھوڑا سا بھی اگر یاد ہو گیا اور موت آگئی تو قرآن شریف کے حفاظ میں لکھے جائیں گے اور حفظ قرآن کا ثواب ملے گا۔

تیسری مجلس

۶؍ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۸؍مارچ ۱۹۶۷ء بروز شنبہ

بوقت ۱۰ بجے تا ۱۲ بجے

مشائخ کی تقلید واتباع

فرمایا ـــــ لوگوں نے مشائخ کے اتباع میں بہت غلو کر رکھا ہے، ان کی نقل وتقلید کو مقصود اور ان کی اطاعت کو اطاعتِ مطلق سمجھتے ہیں، حالانکہ اصل اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور ان کا اتباع، ہے، مشائخ اس کا ذریعہ ہیں، کہنے والوں نے یہاں تک کہا ہے ؎

ان کے کوچہ کی خاک لائیں گے
اپنا کعبہ الگ بنائیں گے

مشائخ وعلماء کی نقل وتقلید اور اتباع و پیروی کی جو حقیقت ہے اور اس کے جو حدود ہیں، اس کا نمونہ نماز میں نظر آتا ہے کہ امام کی تکبیر پر قیام و رکوع کیا جاتا ہے اور ہر رکن اور جز میں اس کی پیروی کی جاتی ہے لیکن جب اس کو سہو ہو جاتا ہے تو مقتدی اللہ اکبر کہنے لگتے ہیں (یا سبحان اللہ کہنے کا حکم ہے) یہ اللہ اکبر، سبحان اللہ بھی ایک طرح کی مختصر نویسی یا شارٹ ہینڈ ہے جس میں بہت بڑی عبارت مضمر ہے۔ یعنی یہ کہ اب آپ سے سہو ہو گیا ہے۔ آپ اس کی

اصلاح کیجیے، گویا مقتدی بجائے اس کی پیروی کرنے کے اس کی رہبری کرانے لگتے ہیں، اسی طرح مشائخ و علما، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہیں اس لیے ہم ان کے قدم پر چلتے ہیں، اس لیے ہم ان کے قدم پر قدم رکھتے ہیں، گویا اصل پیروی رسول کی ہے۔

انانیت کا کانٹا

شب میں مجلس مشاورت کے زیر اہتمام جلسہ ہوا تھا، راقم الحروف نے اپنی تقریر میں یرموک کے موقع پر میدان جنگ میں حضرت خالدؓ کی معزولی کا مشہور واقعہ بیان کیا تھا اور حضرت خالدؓ کے اس ایثار، قربانی و بے نفسی کی طرف اشارہ کیا تھا، جو ان سے اس نازک موقعہ پر ظاہر ہوئی اور جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، حضرت نے مولوی نعمان صاحب سے پوچھا کہ کل کی تقریر کا کیا موضوع تھا، اور کیا کہا گیا؟ مولوی نعمان صاحب نے اس کے بعض مضامین کا ذکر کرتے ہوئے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا، حضرت نے بہت پسند فرمایا اور دیر تک گفتگو کا یہی موضوع بنا رہا، فرمایا کہ یہ للٰہیت اور ایثار و بے نفسی کی بے نظیر مثال ہے، اس کے مقابلے میں اس زمانہ کے اہل علم و دین کی انانیت نفسانیت اور بات بات پر مشتعل اور مغلوب الغضب ہو جانے کے بہت سے واقعات سنائے، ایک جگہ شہر کے بہت سے مسلمانوں نے ایک نوجوان عالم اور عالی خاندان صاحبزادے[1] سے جو، جوان صالح اور عالم ہیں، جمعۃ الوداع میں جامع مسجد میں نماز پڑھانے اور خطبہ دینے کی خواہش ظاہر کی۔ ان کے پیہم اصرار اور مسلسل تقاضوں سے انھوں نے منظور کر لیا، جامع مسجد کی کمیٹی ادارہ نے بھی اس کی اجازت دیدی اور مسجد کے خطیب صاحب کو اس کی اطلاع بھی کر دی گئی کہ فلاں صاحب نماز پڑھائیں گے، وہ صاحبزادے آ گئے، نمازی

[1] مولانا محمد سعید صاحب مجددی مراد ہیں جو حضرت کے بڑے صاحب زادے ہیں۔

اور اہل شہر اس کے منتظر اور مشتاق تھے لیکن سوئی جیسے ہی ایک پر پہونچی اور ٹن کی آواز آئی، خطیب صاحب بجلی کی طرح لپک کر منبر پر پہونچ گئے اور خود خطبہ دیا اور نماز پڑھائی، لوگوں کو بڑی مایوسی ہوئی، صاحبزادے نے بڑی سلامت روی اور ایثار سے کام لیا، اور کسی قسم کا نزاع اور فساد مسجد میں نہیں ہونے پایا، فرمایا، اگر وہ امام صاحب ان صاحبزادے کو ایک مرتبہ نماز پڑھانے کا موقعہ دے دیتے تو ان کی حوصلہ افزائی ہوتی اور ان کا کوئی حرج نہ ہوتا۔

اس کے برعکس ایک مرتبہ مولانا عبدالشکور صاحب نے میرے کہنے پر نماز پڑھائی، آیت لهم اجر غیر ممنون کے بجائے فلهم اجر غیر ممنون پڑھا سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ شاید میں نے لهم اجر غیر ممنون کے بجائے فلهم اجر غیر ممنون پڑھا ہے؟ انھوں نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ ایک صاحب جو مسائل سے اچھی طرح واقف نہ تھے اور بہت سادہ لوح اور بھولے آدمی تھے، فوراً بولے نماز دہرائی جائے، مولانا عبدالشکور صاحب نے بالکل بحث نہیں کی اور نہ برا مانا، میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ نماز دہرالوں؟ میں نے کہا کہ آپ اس کا بالکل خیال نہ کریں یہ صاحب بہت سیدھے اور بھولے آدمی ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے اپنی مسجد میں دیکھا کہ ایک صاحب مسجد کے سقایہ سے پانی لیکر مسجد کے پتھر پر کپڑے دھو رہے ہیں، میں نے کہا کہ سقایہ میں پانی یوں ہی کم رہتا ہے، آپ کپڑے دھوئیں گے تو نمازیوں کو وضو کے وقت پانی نہ ملے گا، کہنے لگے یوں ہی معمولی طور پر کپڑے کھنگال رہا ہوں میں نے کہا مسجد میں یہ مناسب نہیں ہے، بس یہ سننا تھا کہ طیش میں آگئے اور میرا گلا پکڑ لیا، مولانا عبدالشکور صاحب موجود تھے وہ جھپٹ کر میرے سامنے آگئے کہ وہ اس حملے کو اپنے اوپر لے لیں، میں نے کہا کہ آپ رہنے دیجیے اور ان کو اپنا غصہ اتار لینے دیجیے، اگر میں صبر و تحمل سے کام نہ لوں، اور سختی کا جواب سختی سے دوں تو میں اس گدی کے قابل نہیں، اور میں کبھی ایک بازاری آدمی ہوں،

مولانا نے فرمایا کہ ہم اسی لیے یہاں آتے ہیں۔

اسی طرح سے حیدر آباد کا واقعہ ہے کہ رمضان کا زمانہ تھا میں کسی ضرورت سے شہر میں کام کے لیے نکلا، بارش ہونے لگی، مجھے بڑا قلق تھا کہ مکہ مسجد کی جماعت فوت ہوگئی میں کہاں آکر پھنس گیا، ایک ڈیوڑھی قریب تھی میں اس بارش سے بچنے کے لیے کھڑا ہوگیا، نظر اٹھائی تو احاطہ میں ایک مسجد تھی بہت خوش ہوا، اذان ہوچکی تھی میں اس میں چلا گیا، ایک افغانی صاحب مسجد کے صحن میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہ نہایت ناراض ہوئے اور غصہ میں آکر بہت سخت سست کہا، میں نے کچھ عرض کیا تو اور مشتعل ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے ایسے مقدس صورت کے لوگوں کو بہت سیندھی شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے، میں نے عرض کیا کہ ہاں میرے ہی بہت سے بھائی سیندھی شراب پیتے ہیں، اور جب وہ پیتے ہیں، تو گویا میں ہی پیتا ہوں، غرض ان کا غصہ کسی طرح دھیما نہ ہوتا تھا، جماعت کھڑی ہوئی اور وہ صاحب نماز میں شریک ہوگئے، نماز کے بعد وہاں مصافحہ کا رواج تھا، گویا یہ بھی ایک سنت موکدہ ہے، جب انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا تو معذرت فرمانے لگے اور مجھ سے معافی مانگی، میں نے عرض کیا، اگر دو چار ہاتھ بھی لگا دیتے تو میں بہت خوش ہوتا کہ میں نے اللہ کے راستہ میں کچھ مار کھائی۔

ہر موقع پر حساب بیباق کرنے کی ضرورت نہیں

فرمایا ـــــ کہ ہر موقع پر جواب دینے اور حساب بیباق کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بعض وقت طرح دینا اور نظر انداز کر دینا ہی مناسب ہوتا ہے، مسلمان بعض وقت جذبہ میں آکر کھیل بگاڑ دیتے ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، ایک مرتبہ فسادیوں نے کلثوم بیا کی مسجد پر حملہ کیا، اس کو نقصان بھی پہونچایا، پولیس نے موقعہ کا معائنہ کیا، مسلمانوں کی مظلومیت اور فسادیوں کی تعدّی ثابت تھی، لیکن بعض لوگ جوش میں آکر

جامع مسجد پہونچ گئے، اور اشتعال پیدا کرادیا۔ پولیس نے عین رمضان میں جامع مسجد پر چھاپہ مارا، اور بڑی تعداد مسلمانوں کی گرفتار کر کے لے گئی بہت سے معتکفین کو بھی مسجد سے اٹھا کر حراست میں لے لیا اور مقدمہ الٹ گیا، حیدرآباد میں ایک بینک کے قریب ایک ویران سی مسجد تھی، قریب ہی بینک کے انگریز منیجر کی کوٹھی تھی۔ ایک درویش کہیں سے آئے، انھوں نے مسجد میں اذان دیدی، انگریز کے ملازمین اور عملہ والوں نے بہت سخت سست کہا اور نکال دیا وہ دوسرے وقت یا دوسرے دن پھر آئے اور پھر اذان دی، لوگوں نے پھر ان کو ڈانٹا ڈپٹا وہ خاموشی سے چلے گئے، تیسرے دن پھر آئے اور اذان دی، اب لوگوں نے لات گھونسوں سے ان کی تواضع کی، انھوں نے سب برداشت کیا اس طرح سے وہ آتے رہے اور اذان دیتے رہے، آخر مسلمانوں کو اس کی خبر ہوئی، اور انھوں نے نرغہ کیا اور مسجد کو آباد کرنے پر اصرار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز نے ٹوپی ان کے قدموں پر رکھ دی اور ان سے معافی مانگی، یہ صبر و تحمل کا نتیجہ ہے۔

بندگی سب سے اونچا مقام ہے

فرمایا کہ ــــ "بندگی" اور اپنے کو مٹانا سب سے اونچا مقام ہے۔ بے نفسی، خود انکاری اور اپنے کو خاک و خس و خاشاک سمجھ لینے سے بڑھ کر کوئی مرتبہ اور کمال نہیں، امام ربانی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں سے کرامات کا بہت ظہور ہوا ہے ان کو قیامت میں تمنا ہوگی کہ کاش ایسا نہ ہوتا۔ کڑا مانک پور میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت خواجگی[1] رحمۃ اللہ علیہ، انھوں نے وصیت فرمائی تھی کہ ان کے لوحِ مزار پر یہ دو شعر لکھ دیے جائیں۔

---

[1] حضرت مولانا خواجگیؒ دسویں صدی ہجری کے مشائخ کبار میں سے ہیں آپ مصنف نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد مادری میں ہیں، تصنیفات میں "مراد مرید" یادگار ہے، اس کا قلمی نسخہ مولانا کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

برائے خدا اے عزیزان من — نویسید بر گور من این سخن
کہ چوں خواجگی در تہ خاک شد — نکو شد زخس کم جہاں پاک شد

جسمانیت زیادہ ہوتی ہے تو احساس کم ہوتا ہے

فرمایا ــــــ جس میں جسمانیت زیادہ ہوتی ہے، احساس کم ہوتا ہے، جس میں جسمانیت کم ہوتی ہے، احساس زیادہ ہوتا ہے، دیکھیے پاؤں میں جسمانیت زیادہ ہے اس میں احساس بہت کم ہے، اس کے نیچے مٹی کچرا اور کتنے ہی بالوں کا گچھا آجائے اس کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن آنکھ باریک سے بال اور چھوٹے سے ذرّہ کو بھی برداشت نہیں کرسکتی، اسی لیے روح (جس میں جسمانیت بالکل نہیں) بہت لطیف الاحساس اور ذکی الحس ہے، پس جس قدر روحانیت بڑھے گی لطافت و قوت ترقی کرے گی۔

انسان کی چار قوتیں

فرمایا کہ ــــــ طب کی کتابوں میں آتا ہے کہ معدہ میں چار قوتیں ہوتی ہیں (۱) قوت جاذبہ (۲) قوت ماسکہ (۳) قوت ہاضمہ (۴) قوت دافعہ، قوت جاذبہ کا نتیجہ اشتہا، قبولیت کا مادّہ، اور جو چیز پیش کی جائے، اس کا استقبال ہے، بعض لوگ اس قوت سے محروم ہوتے ہیں اور ان کے اندر یہ صلاحیت مفقود ہوتی ہے، انھیں کے لیے قرآن مجید میں کہا گیا ہے "سواءٌ علیھم أأنذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون" (ان کے حق میں برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے) بعض لوگوں میں قوت ماسکہ کا فقدان ہوتا ہے یعنی وہ چیز تو قبول کرلیتے ہیں لیکن اس کی حفاظت نہیں کرسکتے ہیں، وعظ و نصیحت سے متاثر ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی اس ماحول سے نکلے، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سنا ہی نہیں اور کوئی تأثر لیا ہی نہیں، میں نے ایک جلسۂ وعظ میں ایک صاحب کو دیکھا ان پر شدّت سے گریہ طاری ہے اور بیحد متاثر ہیں، مجھے ان کی رقیق القلبی پر بہت رشک آیا، مجھے خیال ہوتا تھا کہ یہ اثر اب ان سے

کبھی زائل نہ ہوگا لیکن جیسے ہی وعظ ختم ہوا، اور وہ باہر آئے، میں نے دیکھا کہ انھوں نے بیڑی نکالی اور اپنے دوست سے کہا کہ میاں ماچس ہے؟ میں اپنی ماچس لانا بھول گیا، معلوم ہوا کہ جیسے ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اور یہ کبھی روئے ہی نہیں تھے، قوت ہاضمہ کا یہ فعل ہے کہ جو چیز قبول کرے اس کو جزو بدن بنائے جو کچھ سنے یا دوسروں سے کہے اس پر خود بھی عمل کرے، ایک محلہ کے موذن نے محلہ کے ایک بااثر آدمی سے شکایت کی کہ میاں میں اذان دیتا ہوں، کوئی نماز کو نہیں آتا کہنے لگے ابھی لاتا ہوں، بااثر و صاحب رسوخ آدمی تھے، محلہ میں گشت کیا اور لوگوں سے مسجد میں آنے کے لیے کہا، بہت سے لوگ مسجد میں آگئے، لوگوں کو مسجد میں پہونچا کر خود تشریف لے جانے لگے، موذن نے کہا کہ میاں آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ کہنے لگے کہ اتنے آدمیوں کو مسجد میں لے آیا ہوں اب بھی مجھ سے کہتا ہے (گویا اب میری کیا ضرورت ہے)۔

قوت دافعہ کا یہ فائدہ ہے کہ معدہ جب کسی چیز کو قبول کرلیتا ہے تو قوت دافعہ منافی اجزا کو خارج کرتی ہے اور ان کے داخل ہونے سے انکار کرتی ہے مثلاً طبیعت میں صلاحیت پیدا ہوئی، علم و ذکر نے اپنا اثر کیا، کچھ باطنی اصلاح ہوئی، تو اب اخلاق رذیلہ، غصہ، حسد، حرص، حب دنیا وغیرہ جیسے اخلاق دور ہوئے اور ان سے انسان محفوظ ہوگیا لیکن جن لوگوں میں قوتِ دافعہ کا فقدان ہوتا ہے۔ وہ ان منافی اور متضاد اثرات کو دفع نہیں کرسکتے، اور فوراً ان کا اثر قبول کرلیتے ہیں۔ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مصاحب دربار کسی بزرگ کے مرید تھے، وہ اپنے پیر کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے اور ان کی خدمت میں بادشاہ کے تشریف لے جانے کی درخواست کرتے بادشاہ ٹال دیتے، ایک مرتبہ کچھ جی میں آگیا، فرمایا آج ہم تمھارے پیر صاحب کی خدمت

میں حاضر ہوں گے، بادشاہ نے کوتوال شہر سے کچھ فرمادیا، الغرض پیر صاحب کی خدمت میں سلطان حاضر ہوئے، پیر صاحب اس وقت بڑے بڑے معارف و حقائق بیان فرمارہے تھے، مضامین کا درود تھا، اتنے میں کوتوال شہر حاضر ہوئے اور بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا، جہاں پناہ! بڑا غضب ہوگیا، فلاں افغانی نوربافوں (جولاہوں) کے محلہ میں گئے تھے، وہاں کسی بات پر تکرار ہوگئی، ان نوربافو نے ان افغانی کو بہت زدوکوب کیا، اتفاق سے پیر صاحب بھی افغانی تھے، یہ سن کر آپے سے باہر ہوگئے، سب معارف و حقائق بھول گئے اور گالی دے کر کہا کہ وہ ہرگز افغانی نہ ہوگا، اگر افغانی ہوتا تو جولاہے اس کو پیٹ نہیں سکتے تھے، یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ ان بزرگ میں قوت دافعہ نہیں تھی، وہ ایک ذرا سی بات پر مشتعل ہوگئے اور اس حملہ کی مدافعت نہ کرسکے۔

کنواں کھودا جائے تو پہلے مٹی اور پتھر نکلتے ہیں کیفیت حاصل نہ ہونے کی بلیغ مثال!

فرمایا — ایک مرتبہ کچھ ذکر و شغل کرنے والوں نے جو ایک شیخ سے تعلق رکھتے تھے شکایت کی کہ ہم عرصہ سے اللہ اللہ کررہے ہیں لیکن ہمارے اندر کوئی کیفیت پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہم کو اس کا کچھ احساس ہوتا ہے، فرمایا، ذکر کرتے وقت آپ کو کچھ وساوس اور خیال آتے ہیں، انھوں نے کہا بہت، فرمایا کہ شکر کیجیے کہ ذکر اپنا کام کررہا ہے۔ یہ اس کے اثر کی دلیل ہے، آپ کنواں کھودتے ہیں تو پہلے کیا نکلتا ہے؟ انھوں نے کہا کہ مٹی اور پتھر، فرمایا جو کچھ باطن میں ہوتا ہے، پہلے وہی نکلتا ہے، اس کے بعد پانی کی نوبت آتی ہے، یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اور صحابہؓ کی خصوصیت تھی کہ آپؐ نے ان کو بھرے ہوئے لبالب حوض پر لے جا کر کھڑا کردیا، اور ان کو مٹی اور پتھر نکالنے کی ضرورت پیش نہ آئی، گوہر مقصود اور نسبت باطنی ان کو یک دم سے حاصل ہوگئی۔

ہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت قائم نہ کرسکے تو دوسروں پر کیا کریں گے

فرمایا ـــــ کہ پہلی ضرورت اخلاق ومعاملات کو درست کرنے اور نفس کی اصلاح اور اس کو مغلوب کرنے کی ہے، جب تک نفس کا تسلط دور نہ ہوگا نہ اطاعت کا جذبہ پیدا ہوگا، نہ ایثار وقربانی کا مادہ، جب ہم اپنے نفس پر اللہ کی حکومت قائم، اور اس کے حدود کو جاری نہیں کرسکتے، تو دوسروں پر کیا اللہ کی حکومت قائم اور اس کے حدود کو جاری کرسکیں گے، اخلاق ونفس کی اصلاح سے پہلے اگر ہم نے حدودِ شرعیہ کے جاری کرنے کا ارادہ کیا، تو فتنے پیدا ہوں گے اور بغاوت ہوگی، اس پر واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ایک دوست کی خواہش واصرار پر پاکستان کے قیام کے کچھ ہی دن بعد ہوائی جہاز سے کراچی گیا، وہاں کسی کو میرے آنے کی اطلاع نہ تھی، "سنڈو سائیں داد" میں میرے بہت سے اعزہ ہیں، میں نے کہا کہ ان کو میرے آنے کی خبر بھی نہ ہوگی، میں بوتی مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ پیر ہاشم جان نے مجھے دیکھ لیا، وہ لپٹ گئے، اور فرمایا کہ آپ خوب آئے آج سجادہ نشینوں کا ایک اجتماع ہے آپ بھی اس میں شرکت کریں، سب سے ملاقات ہوجائے گی، میں نے کہا میں اجنبی آدمی ہوں اور مجھے جلسوں اور اجتماعات سے مناسبت نہیں لیکن وہ نہ مانے اور مجھے لے گئے، دیکھا تو بڑے مشائخ جمع ہیں، وہاں یہ تجویز پیش کی گئی کہ حکومتِ پاکستان سے یہ مطالبہ کیا جائے کہ حدودِ شرعیہ کا نفاذ کرے اور مجرموں کو شرعی سزائیں دی جائیں، میں نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر یہاں حدود جاری کی جائیں گی، چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور زانی کو درے لگائے جائیں گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سی غیر تربیت یافتہ قومیں (جن کے اندر ایمان راسخ نہیں ہوا ہے) کہہ دیں گی کہ ہمارا ایسے اسلام کو سلام اور ارتداد اختیار کرلیں گی۔ پہلے ایمانی تربیت اور اخلاق ومعاملات کی اصلاح کی ضرورت ہے،

پھر وہ پاکباز اور بے لاگ بندے کہاں ہیں؟ جو اپنی اولاد اور اعزہ پر بھی حدود جاری کر سکیں اور اس کا نمونہ پیش کر سکیں، آپؐ نے فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی (معاذ اللہ) چوری کرے گی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں گا۔" پہلے اپنی اخلاقی حالت کو دیکھیے اور امتحاناً کسی مسجد میں جوتا یا گھڑی چھوڑ دیجیے، دیکھیے کیا حشر ہوتا ہے، مسجدوں کے اندر کیا حال ہو رہا ہے؟ میرے ایک دوست کو نواب صاحب نے ایک قیمتی گھڑی عنایت کی تھی، وہ ایک دن میری مسجد میں نماز پڑھنے آئے اپنی گھڑی فصیل پر چھوڑ کر نماز شروع کر دی۔ پھر وہیں بھول کر گھر چلے آئے یاد آئی تو مسجد جاکر دیکھا تو غائب تھی، مسجد میں ایک نیک مرد مسجد کی بڑی خدمت کرتے تھے۔ مسجد کے اندر جانور بندھتے ہیں، ان کا گوبر لید وغیرہ صاف کرتے تھے۔ ان کی اس خدمت کی بڑی قدر آتی تھی، میں نے کہا کہ ہو نہ ہو یہی پیر و مرشد لے گئے ہیں، اسی وقت ہوٹل میں دکھلوایا اور بلوایا، میں نے کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں آپ اور گھر کے نیچے سب تھانہ چلیں۔ اس لیے کہ مسجد میں ہمیں لوگ تھے اور پولیس والوں سے کہیں کہ ہم سب کی ٹھکائی کرو اور گھڑی نکلواؤ، کہنے لگے ذرا ٹھہریے میں مسجد میں جاکر تلاش کرتا ہوں، وہاں گئے ایک بیچارہ غریب آدمی سویا کرتا تھا، اپنے پاس سے نکال کر اس کے بستر میں رکھ دی اور کہا کہ یہ رہی گھڑی۔

اصل مسئلہ دل و دماغ کے متاثر ہونے کا ہے

فرمایا کہ ـــــ اصل مسئلہ دل و دماغ کے متاثر ہونے کا ہے۔ بعض لوگوں کے دل و دماغ انگریزی تعلیم و تہذیب سے متاثر ہو جاتے ہیں اور بعض ان میں غوطہ لگانے کے باوجود اور انگریزوں سے تعلق رکھنے کے باوجود انگریزی تعلیم و تہذیب سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے، یہاں شاہ جہاں بیگم صاحبہ کے زمانہ میں عبدالجبار خاں صاحب وزیر ریاست بن کر آئے انھوں نے اعلیٰ انگریزی تعلیم پائی تھی اور حکام اور اعلیٰ درجہ کے انگریزوں کے ساتھ ان کے

گھریلو قسم کے تعلقات تھے، ان کے گھر میں انگریزوں اور میموں کا آنا جانا رہتا تھا۔ لیکن دل و دماغ ان سے بالکل متاثر نہ تھے، نہایت جری، نڈر اور پکے مسلمان تھے۔ حلیہ اور لباس دیندار مسلمانوں کا تھا، کہتے تھے کہ اگر ہندوستانی مسلمان ننگے بھی ہو جائیں تب بھی انگریز ان سے راضی نہ ہوں گے، وزارت کا چارج لیا تو دیکھا کہ ایک بڑی رقم منشی امتیاز علی صاحب مرحوم کے زمانہ سے جارہی ہے، اس کی مدت عرصہ ہوا ختم ہو چکی تھی لیکن اس کا ارسال جاری تھا۔ بیگم صاحبہ سے کہا تو انھوں نے فرمایا کہ رہنے دیجیے، خواہ مخواہ فتنہ کھڑا ہوگا، انھوں نے کاغذات منگوائے، رزیڈنٹ کی غلطی تھی، انھوں نے حکام بالا کو لکھا، رزیڈنٹ کو سخت ناگوار ہوا، انھوں نے پروانہ کی اور جتنی رقم غلط جا چکی تھی اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رزیڈنٹ کا تبادلہ ہوا اور ان کی فتح، بیگم صاحبہ سے جا کر عرض کیا وہ ان کی کارگزاری اور جرأت سے بڑی خوش ہوئیں۔ ایک مرتبہ کوئی بڑا انگریز حاکم آرہا تھا بیگم صاحبہ کے علاوہ سارا عملہ استقبال کے لیے گیا۔ ریاست کے ایک انگریز افسر بھی موجود تھے۔ انھوں نے اپنے ماتحت ایک مسلمان افسر سے کہا کہ فلاں کاغذ نہیں آیا، انھوں نے جواب میں کہا کہ انشاء اللہ جلد بھیجدیا جائیگا، اس پر اس نے انشاء اللہ پر کچھ طنز کیا، وزیر صاحب کے کان میں یہ بات پڑی انھوں نے اس انگریز سے کہا کہ تم نے ہمارے دین کی توہین کی ہے، میں آنے والے مہمان سے سب سے پہلے اسی کی شکایت کروں گا، وہ بہت سٹپٹایا اور بار بار معافی مانگی، بڑی مشکل سے معاملہ رفع دفع ہوا۔

چوتھی مجلس

مورخہ ۷؍ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹؍ مارچ ۱۹۶۷ء بروز یکشنبہ
بوقت ۱۰ بجے تا ۱۲ بجکر ۴۵ منٹ

مخصوص حاضرین مجلس: مولوی عبیدالرحمٰن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولوی محمد نعمان خاں صاحب ندوی، سید معشوق علی صاحب (سکریٹری صرف خاص بیگم صاحبہ بھوپال)، نواب سید ظہور الحسن خاں صاحب (نبیرۂ امیر الملک والاجاہ نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر) وغیرہ وغیرہ۔

آج اتوار کی وجہ سے حاضرین کی بڑی تعداد تھی۔ خانقاہ کا دالان بھرا ہوا تھا۔ جدید تعلیم یافتہ اور ایچ، ای، ایل کے ملازمین اور انگریزی مدارس کے طلبہ بھی تھے، مضامین کا ورود اور طبیعت کا جوش بھی بہت تھا تقریر اصلاحی اور دعوتی رنگ لیے ہوئے تھی۔ پہلے اتوار کے معمول کے مطابق مکتوبات امام ربانیؒ کا ایک مکتوب جو نواب قلیج خاں کے نام ہے اور جس میں ان کے اپنے آقائے ولی نعمت کے لیے خدیو تشاً تین لکھنے پر استعجاب و انکار فرمایا گیا، پڑھا گیا، مکتوب کا فارسی متن حضرت نے پڑھا، اس کا اردو

ترجمہ مطبوعہ کتاب سے حافظ منظور صاحب نے پڑھ کر سنایا، پھر سلسلۂ گفتگو کا آغاز فرمایا، اور بڑے بلند مضامین لطیف نکات ارشاد فرمائے! اس دریا کو کوزہ میں بند کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے چند جستہ جستہ مضامین جو عام فہم ہیں اور حافظہ میں محفوظ رہ گئے، قلم بند کیے جاتے ہیں۔

اعمال غذا ہیں اور درد و محبت چٹنی

فرمایا ـــــ اعمال و احکام شریعت غذا ہیں اور درد و محبت چٹنی، چٹنی سے اشتہا کھلتی ہے اور کھانے کے ہضم میں مدد ملتی ہے، لیکن ان دونوں میں تناسب ضروری ہے، چٹنی چٹنی ہی کی مقدار میں ہونی چاہیے، اگر چٹنی غذا بن جائے گی تو معدہ ضعیف ہو جائے گا، مجھے چشتیوں کے درد و محبت اور سوز و ساز سے فطری مناسبت ہے، اشعار کا بھی مجھ پر بڑا اثر پڑتا ہے، حضرات نقشبندیہ ہوں، یا حضرات چشتیہ، درد و محبت اور ذوق و شوق سے کوئی خالی نہیں، میرے پردادا صاحب مولانا رؤف احمد صاحب مجددی اپنے دیوان میں فرماتے ہیں ؎

شراب محبت پلا دے مجھے ۔۔۔ تو مستانہ اپنا بنا دے مجھے
ترے جلوے کو دیکھ کر جان دوں ۔۔۔ مروں تو ترے فضل سے یوں مروں
رہوں گور میں بھی دیوانہ ترا ۔۔۔ نہ موقوف ہو منہ دکھانا ترا
اٹھوں تو ترے دھیان میں پھر اٹھوں
غرض عشق ہی میں جیوں اور مروں

شرعی حدود و قیود کی نوعیت اور حکمت!

فرمایا ـــــ دہلی میں ایک نواب فیض محمد خاں تھے، بڑے بے تکلف، صاف گو، اور آزاد مشرب جو جی میں آتا صاف کہہ دیتے، لوگ ان کی اس بیباکی سے ڈرتے تھے اور مجھے بھی ڈراتے تھے، میں ان کی ہر طرح کی باتیں اور اعتراضات سن لیتا تھا۔

ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہر طرح کی آزادی اور وسعت دی ہے، علماء نے دین کو بڑا تنگ اور مشکل بنا دیا ہے اور ہر طرح کی پابندیاں عاید کردی ہیں فطرت آزادی اور وسعت پسند کرتی ہے اور پابندیوں سے گھبراتی ہے، لوگوں نے خواہ مخواہ ہر چیز پر قدغن لگا رکھا ہے، یہ کرو، وہ نہ کرو، یہ نہ پیو وہ نہ کھاؤ، وغیرہ وغیرہ۔

میں نے کہا کہ ایک مدرسہ ہے جس میں پابندیاں ہیں، لباس کی پابندی، نظام کی پابندی، اوقات کی پابندی، تعلیم و امتحانات کی پابندی۔ دوسرا مدرسہ ہے جس میں کوئی پابندی نہیں، ہر طرح کی آزادی ہے، جب جی چاہے آؤ، جتنا جی چاہے پڑھو، پڑھو نہ پڑھو، جب تک جی چاہے رہو، جو جی چاہے پہنو، لوگ اپنے بچوں کو پہلے مدرسہ میں داخل کریں گے یا دوسرے مدرسہ میں؟ کہنے لگے پہلے مدرسہ میں، دوسرے مدرسہ میں تو کوئی بھی اپنے لڑکے کو داخل کرکے اس کی عمر کو ضائع اور اس کو آوارہ نہیں بنائے گا۔ میں نے کہا بس اسلام بھی پہلے ہی قسم کا مدرسہ ہے، پابندیاں اور اس کے سب تقییدات اصلاح و تربیت اور نظم و نظام قائم رکھنے کے لیے اور انسان کے فائدے ہی کے لیے ہیں، ان واجبی اور ضروری پابندیوں سے کہیں بھی اور کسی کو چارہ نہیں، اس پر خاموش ہو گئے۔

طب جسمانی میں معدہ کی اور طب روحانی میں دماغ کی اہمیت

فرمایا ــــــ اطباء پہلے معدہ کی فکر کرتے ہیں، معدہ ہی سارے جسمانی نظام پر موثر ہوتا ہے، وہ باورچی خانہ کا مہتمم ہے، میں بھی نسخہ لکھنے میں معدہ کو مقدم رکھتا ہوں، جس طرح اطباء جسمانی علاج میں معدہ کو مقدم رکھتے ہیں، اطباء روحانی (صوفیہ) پہلے دماغ کی فکر کرتے ہیں، دماغ بھی ایک باطنی معدہ ہے۔ جب تک وہ درست

نہ ہوا اخلاقی و روحانی نظام صحیح طریقہ پر عمل نہیں کرتا سب سے پہلے تخیل کو درست کرنے کی ضرورت ہے، لوگ الہام و القاء اور خواب کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، یہ سب تخیل سے متاثر ہوتے ہیں، اگر ایک تخیل قائم ہوگیا اور جم گیا، تو بعض اوقات اسی کے مطابق القاء بھی ہونے لگتا ہے اور خواب بھی اس کی تائید میں نظر آنے لگتے ہیں، آسمان کا پانی صاف اور بے رنگ ہوتا ہے لیکن اگر برتن گدلا یا رنگین ہے، تو بارش کا پانی گدلا یا رنگین نظر آتا ہے، اس میں پانی کا قصور نہیں، رنگیں گلاس اور بوتل کا قصور ہے۔

استخارہ کا غلط استعمال

لوگوں نے استخارے کا بھی بہت غلط استعمال شروع کر دیا ہے بدیہیات اور مشاہدات میں استخارہ نہیں ہے۔ پہلے اللہ نے آنکھیں دی ہیں دیکھنے کے لیے، یہ پتھر ہے یا سنگ مرمر ہے اس کے لیے استخارہ کی ضرورت نہیں، لوگ پہلے دل میں ایک چیز طے کر لیتے ہیں، پھر استخارہ کرتے ہیں اور جب کوئی خواب اس کے مطابق نظر آتا ہے تو اس کو سند بنا لیتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھ سے ایک پردیسی طالب علم کے ساتھ جو بنگال کے رہنے والے تھے اپنی لڑکی کی شادی کے متعلق مشورہ لیا میں نے کہا کہ وہ پردیسی آدمی ہیں ان کے اخلاق و عادات کا تجربہ نہیں، اس لیے شادی کرنے کی میری رائے نہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے ان کی صلاحیت و دین داری خوب دیکھ لی ہے، میں نے عرض کیا کہ برسوں میں بھی آدمی کی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی، کہنے لگے کہ انھوں نے مسجد میں بیٹھ کر قسم کھائی ہے، میں نے کہا یہی جھوٹ کی علامت ہے اگر وہ سچے ہوتے تو کہتے کہ چاہے بیٹی دو، چاہے نہ دو، میں قسم نہیں کھاؤں گا، انھوں نے استخارہ کیا اور راست آیا، شادی کے بعد وہ طالب علم کہنے لگے کہ دھوکا ہوا، اتفاقاً ایک دن پردہ اٹھ گیا تھا، میں نے

ایک گوری لڑکی دیکھی تھی، یہ تو کالی لڑکی ہے۔

القاء والہام کی کسوٹی قرآن و حدیث ہے خواب نہیں!

فرمایا کہ القاء اور الہام کے لیے کسوٹی قرآن و حدیث ہے جو اس کے مطابق ہے وہ صحیح ہے اور جو اس کے مخالف ہے غلط ہے، قادیانی خوابوں سے بہت استدلال کرتے ہیں اور ان کو ان پر بڑا اعتماد ہے، حیدرآباد میں مجھے ظہوری پڑھنے کا شوق ہوا، معلوم ہوا کہ ایک استاد اس کے بڑے ماہر ہیں، مگر عقیدہ کے قادیانی ہیں اور اپنے مذہب کے بڑے مبلغ بھی، میں نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا لوگوں نے منع کیا، میں نے کہا کہ صرف کتاب پڑھنے جا رہا ہوں، مجھے ان کے عقیدے سے کیا بحث؟ کہنے لگے کہ ہم نے تمہارے جلسے بہت سے لسّان دیکھے جو وہاں گئے قادیانی ہو گئے، میں نے کہا کہ میں کوئی پردہ نشین لڑکی نہیں ہوں، پڑھنے کی نوبت نہ بھی آئی کبھی ریل ہی میں سامنا ہو گیا تو کیا کروں گا؟ اگر میرا ایمان ایسا ہی ضعیف ہے تو کسی اور سے متاثر ہو جاؤں گا، غرض میں وہاں پہونچا، فرمایا کیسے آئے؟ میں نے کہا ظہوری پڑھنا چاہتا ہوں، کہنے لگے لاحول ولا قوۃ، نہ دین کا فائدہ نہ دنیا کا، میں نے کہا کہ فارسی کی مشکل عبارتیں اور ادبی صنعتیں سمجھ میں آئیں گی اسی شوق میں پڑھ رہا ہوں، کہنے لگے کہ ہاں میں نے ایک ایرانی استاد سے پڑھا تھا وہ لوگ ان فنون کے بڑے ماہر ہوتے ہیں، میں تم کو پڑھا دوں گا، کہنے لگے کہ تمھیں معلوم ہے کہ میں قادیانی ہوں، تمھیں لوگوں نے میرے پاس آنے سے منع نہیں کیا؟ میں نے کہا بہت منع کیا، میں نے ان سے کہا کہ پھر تمھیں ظہوری پڑھا دو، اس پر خاموش ہو گئے، کہنے لگے کہ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ

پر عمل تو نہیں کرو گے؟ حضرت فرماتے تھے کہ میری یہ عادت ہے کہ کسی کی بات کسی دوسری جگہ نقل نہیں کرتا تھا، نہ ایک راز دوسری جگہ فاش کرتا تھا۔

اِلی اصل سبق شروع ہوا، جب ذرا بے تکلف ہوئے تو کہنے لگے تم مجھے جانتے ہو، فلاں بزرگ جن کا فلاں جگہ مزار ہے میں ان کی اولاد میں ہوں، میرے مرزا صاحب پر ایمان لانے کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہے جس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں، سامنے اولیا، اور صلحا کا مجمع ہے، ارشاد ہوا کہ اس کو لاؤ، فرشتے مرزا صاحب کو لیے ہوئے آئے ارشاد ہوا یہی وہ ہے جو میرے بعد پیغمبر ہے اور جس کے لیے اِسْمُہٗ اَحْمَد آیا ہے، بس میں اسی دن سے ایمان لے آیا۔ وہ اور دلائل دیتے تھے اور مجھ کو قائل کرنا چاہتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا دماغ تو ابھی کچرے کی گاڑی ہے میں ان باتوں کو ابھی سمجھ نہیں سکتا۔ پہلے قرآن وحدیث پڑھا دیجیے، اور اس کو گلاب وعنبر سے بھر دیجیے پھر مجھے تمیز ہوگی اور میں صحیح رائے قائم کرسکوں گا، میں دیکھتا تھا کہ ان کو تکثیر جماعت کی بڑی فکر رہتی تھی، لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کے لیے وہ اپنے اثرات استعمال کرتے تھے کسی کو نوکر رکھانا، کسی کی شادی کرانا، کسی کی سفارش کرنا، یہ سب شعبے ان کے یہاں قائم تھے، کسی راستے سے بھی کوئی شخص ان کے دین میں داخل ہو جائے اس کو بڑی کامیابی سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کیا کرتے ہیں، اس کے مقابلے میں حقانی، ربانی، خدا پرست لوگوں کو اس کثرت کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی وہ کثرت سواد سے زیادہ احکام الٰہی کے اجرا، اور دین وشریعت کی حفاظت کا خیال رکھتے ہیں۔ اس میں لوگ گھٹیں یا بڑھیں، کوئی آئے یا جائے ان کو کوئی پرواہ نہیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بادشاہ غسان جبلہ ابن

ایہم کے ایک غریب بدو کو طمانچہ مار دینے پر (قصاص) طمانچہ مارنے کا حکم دیا، اس پر وہ برہم ہو کر اپنے سب لوگوں کو لے کر چلا گیا اور مرتد ہو گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اللہ کا شکر کیا کہ انھوں نے اللہ کے حکم کو قائم رکھا۔

میرا سبق اسی طرح جاری رہا اور ان کی تبلیغی کوششیں بھی جاری، ان کے ایک بہت مقرب اور معتمد خادم اور مرید تھے، جو ہر وقت ان کے پاس رہتے تھے۔ ایک دن انھوں نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ مولانا انوار اللہ[1] خاں صاحب تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں، آسمان سے فرشتے اُترے اور اُن کے تخت کو اٹھا کر آسمان کی طرف لے گئے، مولانا انوار اللہ خاں صاحب جو نظام کے استاد بھی تھے، قادیانیت کے بڑے مخالف اور دشمن تھے، انھوں نے اپنی زندگی میں نہ قادیانیوں کی کوئی مسجد بننے دی، نہ ان کی کوئی کتاب حیدرآباد میں چھپنے دی، وہ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کے خلیفہ اور بڑے باخدا اور درویش صفت عالم تھے، میں نے دیکھا کہ خواب سنتے ہی مولوی صاحب کے چہرے کا رنگ بدل گیا، گورے چٹے آدمی تھے، چہرے پر سیاہی سی دوڑ گئی کہنے لگے کہ شاید تم کو مولانا انوار اللہ صاحب سے کچھ عقیدت تھی، برتن کا جو رنگ ہوتا ہے پانی بھی اسی رنگ کا نظر آنے لگتا ہے۔ کہنے لگے حاشا وکلا میں تو حضرت کا خادم اور ہم عقیدہ ہوں،

---

[1] نواب فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ خاں صاحب (استاد سرکار نظام حیدرآباد) جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلفاء میں سے تھے بڑے ربانی حقانی عالم جامعہ نظامیہ حیدرآباد کے بانی اور کثیر التعداد کتابوں کے مصنف ۱۳۳۶ھ میں وفات پائی۔

مجھے ان سے کیا سروکار؟ وہ اس کا کچھ جواب نہ دے سکے، میرا جی چاہا کہ عرض کروں کہ آپ اپنے خواب کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ وہ کیسے دلیل اور سند بن سکتا ہے۔

ائمہ کی تقلید و پیروی کی مثال

بعض اہل علم جو کسی ایک امام کے پیرو نہیں، اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ آئمہ کی پیروی کا کیا ثبوت، اتباع تو اللہ و رسول، کتاب وسنت کا مطلوب ہے، حالانکہ در اصل ائمہ و علماء کی بالذات پیروی اور اطاعت نہیں، بالذات اور بالاستقلال پیروی تو اللہ اور رسول ہی کی ہے۔ لیکن عرف میں اسی طرح کہا کرتے تھے کہ ہم فلاں کے متبع ہیں اور فلاں کے مقلّد، ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کلثوم بیا کی مسجد میں نماز پڑھی، دوسرا کہتا ہے کہ میں نے اللہ کے گھر میں نماز پڑھی۔ ایک ناواقف آدمی دوسرے ہی کو فضیلت دے گا کہ اس نے براہ راست اللہ ہی کے گھر نماز پڑھی ہے، حالانکہ پہلے نے بھی مسجد میں نماز پڑھی ہے دوسرے نے بھی مسجد میں، لیکن عرف میں فلاں کی مسجد، فلاں کا محلہ کہتے ہیں، حقیقت میں سب اللہ ہی کے گھر ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں "واتبعتُ ملة آبائی ابراهیم واسحاق ویعقوب" حالانکہ وہ اللہ اور اس کی شریعت ہی کے متبع تھے۔

انگریزی پڑھ کر دیندار بننا عربی پڑھ کر بیدین بننے سے بہتر ہے۔

فرمایا ـــــ انگریزی ذریعہ معاش کے طور پر پڑھنے میں حرج نہیں، اس کو اصل کام اور ترقی نہ سمجھے؛ الفاظ اور تعبیرات میں بڑی خاصیت ہے انھیں سے آدمی کے ذہن و تخیل کا اندازہ ہوتا ہے، میرے پاس ایک صاحب آئے، ان کا لڑکا انگریزی فوج میں تھا وہ میدان جنگ میں ختم ہوگیا، کہنے لگے کہ میرا لڑکا کام آگیا،

میں نے کہا یہ لفظ ہرگز نہ کہیے، اس کو کام آنا نہیں کہتے، کہنے لگے کہ اس نے وصیت کی ہے کہ میرے لڑکے کو تعلیم دلائی جائے، میں نے ارادہ کیا ہے کہ پہلے اس کو حفظ کراؤں گا، پھر انگریزی تعلیم دلاؤں گا، میں نے کہا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا تیار ہو، پھر گوبر یا لید کو پیس کر مصالحہ کی طرح اوپر سے ڈال دیا جائے، وہ قرآن کے حفظ کی کیا قدر و حفاظت کرسکے گا، سوائے اس کے کہ اس کو ضائع کرے اور وقت کے ضائع ہونے پر افسوس کرے، کچھ اور نتیجہ نہ ہوگا، انگریزی پڑھ کر دیندار بننا، عربی پڑھ کر بے دین بننے سے بہتر ہے۔

مدینہ طیبہ میں پڑھنے والے بعض طالب علموں کا افسوسناک حال

بعض ہندوستانی طالب علم جو مدینہ طیبہ میں تعلیم پاتے ہیں ملنے آئے، دیکھا کہ سر ننگا داڑھی منڈی ہوئی، ان کو اس کا خیال نہ آیا کہ ہم جس پاک سرزمین پر رہتے ہیں، اس سے مناسبت پیدا کریں، ان سے تو وہ انگریزی داں اعلیٰ تعلیم یافتہ کہیں بہتر ہیں جو وہاں بڑے بڑے عہدوں پر ہیں، ایک ڈاکٹر وحید الزماں صاحب حیدرآبادی کو دیکھیے جو حجاز میں ڈاکٹر ہیں کس قدر دین دار اور متشرع، اس پر حضرت نے قاضی نظام الدین صاحب کا قصہ سنایا جو ایک معزز قاضی خاندان کے فرد اور عباسی النسل ہیں نو عمری میں گھر سے نکل کر خانقاہ میں آگئے تھے، ابتدائی انگریزی پڑھی تھی۔ حضرت کی اجازت سے انگریزی امتحانات پاس کیے اور ریلوے میں ایک اچھے عہدہ پر ملازم ہوگئے، ان کی دینداری پابندی میں کوئی فرق نہیں آیا، انگریزی اگر حلال روزی حاصل کرنے کے لیے پڑھی جائے اور اس کو اپنے دین کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ باہر کے صدموں کو جھیل لیتی ہے

اور دین محفوظ رہتا ہے، وہ مڈگارڈ کی طرح ہو جاتی ہے جس سے پہیے کی حفاظت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دین و دنیا کا تعلق وہ ہوتا ہے جو بلاڈر اور کور کا ہوتا ہے۔

مغربی تہذیب میں دوا پر شکر چسٹرھی ہوتی ہے یہاں شکر پر دوا

فرمایا ــــ بہت سی انگریزی دوائیں بہت کڑوی ہوتی ہیں، ان پر شکر کا غلاف چڑھا ہوتا ہے، شوگر کوٹیڈ دوائیں سب جانتے ہیں، دین کا معاملہ اس سے الٹا ہے، یہاں پر دوا پر شکر چڑھی ہوئی ہوتی ہے وہاں شکر پر دوا چڑھی ہوتی ہے، یہاں ظاہر شیریں اور اندرون تلخ، وہاں ظاہر تلخ ہے اندرون شیریں، عرفی نے خوب کہا ہے

اے متاعِ درد، در بازار جاں انداختہ
گوہر ہر سود در جیب زیاں انداختہ

تکلیفات شرعیہ اوپر سے مشقت ہیں اندر سے راحت اور باغ جنت

حضرت ابراہیمؑ کو جس آگ میں ڈالا گیا وہ اوپر سے آگ تھی، اندر سے گلزار، حضرت ابراہیمؑ نے اس آگ کے اندر گلزار کو سمجھ لیا، فرعون کے سامنے جو سمندر تھا وہ اوپر سے پانی تھا، اندر سے آگ، اس نے پانی کو دیکھا آگ کو نہیں دیکھا، تکلیفات شرعیہ کا یہی حال ہے کہ اوپر سے وہ مشقت اور ظاہر میں عمل و مجاہدہ اندر سے راحت، قرب و ترقی اور جنت ہے[۱]۔

اس کے بعد والعصر کی تفسیر کرنی شروع کی فرمایا یہ چھوٹی سی سورہ ہے لیکن معانی و حقائق کے لحاظ سے بڑی وسیع اور عظیم ہے، سیارے

---

[۱] مشہور حدیث ہے حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشھوات

ہمیشہ چھوٹے نظر آتے ہیں۔ لیکن اس دنیا سے بھی عظیم و وسیع ہیں، سورج کی ٹکیہ بچپن سے ایسی ہی چھوٹی نظر آتی ہے لیکن وہ کتنا عظیم الشان ہے پھر ایمان و عمل صالح کی تشریح فرمائی، ایمان کا تخم جب صحیح سالم ہوتا ہے اور اس کو صحیح طریقہ پر ودیعت اور امانت رکھ دیا جاتا ہے تو وہ وقت پر صحیح برگ و بار لاتا ہے اور پھل دیتا ہے، برگ و بار اور پھل، اعمال و اخلاق ہیں کسی نے کسی سادہ لوح سے کہا کہ بیج کو زمین میں بو دو وہ پھلے پھولے گا اور برگ و بار لائے گا، وہ بیوقوف اس کو بار بار نکال کر دیکھتا ہے کہ اس کی کونپل نکلی یا نہیں۔

صبر کی حقیقت

فرمایا —— بہت دنوں تک صبر کی حقیقت پر غور کرتا رہا، تفسیریں بھی دیکھیں تشفی نہ ہوئی پھر ذہن میں آیا کہ بڑے آرام کے لیے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا یہی صبر کی حقیقت ہے، کسی شخص کا پاؤں اتر گیا اس کو بٹھانے کے لیے اس کو تکلیف اٹھانا پڑے گی لیکن اس کے بعد آرام مل جائیگا وہ اس آرام کے خیال سے یہ سب تکلیف برداشت کرتا ہے یہی دنیا کے مصائب کی حقیقت ہے۔

دم واپسیں میں پیام الٰہی کی تاثیر

فرمایا —— فوجی بینڈ بڑا موثر ہوتا ہے جس وقت اس کی خاص دھن بجائی جاتی ہے، سپاہی لڑنے کے لیے بیقرار ہو جاتے ہیں اور جوش و شوق میں زمین پر پاؤں پٹکنے لگتے ہیں، اسی طرح سے جب مومن کا دم واپسیں ہوتا ہے اور اس کے کان میں یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً کا دلکش اور جاں نواز نغمہ پہونچتا ہے تو وہ بیقرار ہو جاتا ہے اور اس قفس عنصری سے جلد رہائی پاکر اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے بیتاب ہو جاتا ہے۔

بعض درختوں کی حلاوت پھل میں آ جاتی ہے بعض مجسم پھل بن جاتے ہیں

فرمایا ــــ بعض لوگوں کا نفع و افادہ، ہدایت وارشاد کی طاقت ساری ان کے کلام میں آ جاتی ہے، ان سے استفادہ کا ذریعہ اور راستہ صرف ان کی تقریر اور کلام ہے لیکن بہت سے عارفین زیادہ کلام نہیں کرتے۔ ان کا نفع و افادہ اور ان کی تاثیر ان کے پورے جسم میں اور رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے، وہ مجسم نفع و افادہ اور ہدایت وارشاد بن جاتے ہیں، ان کی خاموشی کی حالت میں بھی ان سے خدا کی مخلوق نفع اٹھاتی ہے، جن درختوں میں پھل آتا ہے ان کی ساری لذّت وحلاوت سمٹ کر اس پھل میں آ جاتی ہے پھل کھائیے تو بہت میٹھا رسیلا اور ذائقہ دار، لیکن اس کے علاوہ درخت میں جو کچھ ہے وہ بے مزہ و تلخ اور چوب خشک ہے۔ آم کے درخت کا پھل بہت شیریں کوزۂ نبات، لیکن نہ اس کی پتیوں میں مزہ نہ چھال میں نہ شاخوں میں لیکن گنّے کو جہاں سے دانت لگائیے اور جہاں سے چوسیے میٹھا ہی میٹھا، اور رس ہی رس، گنّے کا چونکہ پھل نہیں ہوتا اس لیے اس کا سارا جسم پھل بن گیا، مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

گر نبودے نالۂ نے را اثر
نے جہاں را پر نکردے از شکر

پانچویں مجلس

۴ر ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۰ر مارچ ۱۹۶۷ء بروز شنبہ ۱/۲ ۹ بجے تا ۱/۲ ۱۲ بجے مخصوص حاضرین: مولوی عبید الرحمن خاں صاحب شیروانی، مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولوی محمد مسلم صاحب ایڈیٹر دعوت وغیرہ۔

دل دولھا ہے اور جسم بارات

فرمایا — دل دولھا ہے اور جسم بارات، بارات دولھا ہی کی خاطر ہے، دولھا سے بے اعتنائی اور بارات کی خاطر داری کوئی عقل کی بات نہیں، اس کی مثال یوں سمجھ لیجیے کہ ایک بڑی بارات جا رہی ہے، ایک بار یہ بارات جنگل سے اس کا گزر ہوا، ایک اجنبی آدمی کھڑا دیکھ رہا تھا اس کے سامنے سے بارات کا جلوس نکلا۔ مشعلچی، طبلچی اور تماشائی باراتی سب ساتھ تھے، اس کو دولھا نظر نہیں آیا، اس نے ایک باراتی سے پوچھا کہ نوشہ کہاں ہے، میں سب کو دیکھتا ہوں وہ کہیں نظر نہیں آتے؟ اس نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ تم بھی عجیب آدمی ہو، بارات کا لطف نہیں لیتے اور فضول باتیں کر رہے ہو، وہ مشعلچی ہے، وہ طبلچی ہے۔ وہ مرد خدا خاموش ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد پھر اس سے رہا نہیں گیا، اس نے دوسرے سے پوچھا اس نے بھی ٹال دیا۔ تیسرے سے پوچھا، اس نے اعتراف کیا اور کہا کہ ہاں واقعی

دولھا میاں بارات میں نہیں ہیں، تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ کہیں پیچھے گھوڑے سے گر کر گڈھے میں پڑے ہوئے ہیں، بارات آگے بڑھ گئی، کسی کو خیال نہ آیا، اسی طرح سے دل، جسم کی بارات کا دولھا ہے اس کا خیال سب سے مقدم ہے بعض لوگوں کو دیکھیں گے۔ صبح اٹھے منھ ہاتھ دھویا، بال بنائے کپڑے بدلے، جوتے پر پالش کی اور دولھا (دل) بھوکا پڑا ہوا ہے، اس کا ناشتہ ندارد، دولھا پہلے ہے بارات بعد میں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ونفخت فیہ من روحی[1]" یہی دل سر الٰہی ہے اور امانت خداوندی، اہل زمانہ دل کی اصلاح اور غذا سے غفلت برتتے ہیں اور ظاہری جسم اور آدمی کے خول کی آرائش و زیبائش میں مشغول ہیں۔

بعض لوگ جو غفلت کے دام سے نکل گئے ہیں وہ دل کے معاملے میں دوسری قسم کی کوتاہیوں اور زیادتیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان میں بعض خواص بھی بعض اوقات مبتلا ہو جاتے ہیں، مجھے مومن خاں کا یہ شعر اکثر یاد آتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ لکھ کر وظیفہ کی کتاب میں رکھ لوں ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

تبلیغ میں اثر کا راز

یہاں حضرت شیریں رقم کے ایک خلیفہ مولانا ضیاء الدین صاحب تھے، تبلیغ کا اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص جذبہ اور ذوق عطا فرمایا تھا، ایک مرتبہ بچی بیمار تھی، ان کو تبلیغ کے لیے کسی گاؤں میں جانا تھا گھر والوں سے کہہ گئے کہ اگر بچی کا انتقال ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین

---

[1] اور پھونکی میں نے اس میں اپنی روح۔

کر دیا، جہاں جاتے تھے وہاں کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ساتھ گئے تھے، انھوں نے گڑ اور دودھ خریدا۔ فرمایا بس تبلیغ ہو چکی! آپ جو گھر سے سوکھی باسی لائے تھے وہی کھاتے تو اثر ہوتا اس زمانہ تک بھوپال میں یہ تبلیغی سلسلہ (نظام الدین والا) شروع نہیں ہوا تھا۔ وہ دیہاتوں اور گاؤں میں تشریف لے جاتے، لوگوں کو اسلام کی ابتدائی باتوں سے آشنا کرتے، اور نماز کا عادی بناتے، اسی مقصد سے انھوں نے بہت سے گاؤں میں جمعہ قائم کیا، ایک مرتبہ میں اتفاق سے ایک ایسے ہی گاؤں میں پہونچ گیا، لوگوں نے مجھ سے جمعہ کا مسئلہ دریافت کیا، میں نے کہا میں تو گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھتا، وہ خاموش ہو گئے، اس کی اطلاع مولانا ضیاء الدین صاحب کو ملی، جو لوگ کسی شیخ سے بیعت ہوتے ہیں پھر وہ کسی دوسرے سے رابطہ نہیں رکھتے۔ تھوڑے ہی اللہ کے بندے اس سے مستثنیٰ پائے، مولانا ایک دن چند دوستوں کو لیکر خانقاہ میں آئے اور کہنے لگے کہ میں نے بڑی مشکل سے فلاں گاؤں میں جمعہ قائم کیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ نماز کے عادی ہو جائیں اور اسلام سے ان کا تعلق قائم ہو جائے آپ کے تشریف لے جانے سے وہاں جمعہ بند ہو گیا اور میری محنت پر پانی پھر گیا یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھ میں آنسو بھر آئے، میں نے کہا مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، میں اعتراف کرتا ہوں، فرمایا یہاں اعتراف کرنے سے تو کام نہ چلے گا، وہاں چلنا پڑے گا، میں نے کہا کہ میں چلوں گا، میں ان کے ساتھ گاؤں گیا، وہاں لوگ جمع ہوئے، ایک پتھر پر پتھر رکھا گیا اور منبر بنایا گیا میں کھڑا ہوا، اور میں نے ان لوگوں سے کہا کہ میری ایک بہت بڑی بری عادت ہے کہ میں کتاب دیکھتا ہوں،

حاشیہ نہیں دیکھتا، میں نے جب تم سے یہ بات کہی تھی کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں ہے تو میں نے صرف کتاب دیکھی تھی، واپس جاکر جب حاشیہ دیکھا تو مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی غرض اس طرح سے مولانا سے ربط بڑھا اور وہ مجھے کتابت سکھانے لگے۔

ذکر کی حقیقت اور اس پر قناعت کرنے والے کی مثال

ایک دن ہم دونوں مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کچھ اس نظر سے دیکھا کہ میں سمجھا تخلیہ چاہتے ہیں، اس وقت صرف منشی حلیم الدین صاحب تھے، میں نے کہا کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائیے یہ ہمارے محرم ہیں ان سے کوئی پردہ نہیں، انھوں نے فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں، تم سے کہتا ہوں کہ جب میں ذکر کرتا ہوں تو بواسیر کا مرض ابھر آتا ہے اور زور پکڑ لیتا ہے، میں نے عرض کیا کہ ایسے ہی ہونا چاہیے، اس میں کوئی تعجب نہیں، یہ آپ کی تکلیف اسی ذکر کی وجہ سے ہے، ان کو بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا کہ ذکر کی حقیقت ہے قلب کو جمود سے نکالنا جب وہ جمود سے نکلتا ہے جب ہی سکون ملتا ہے فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ[1] اب ایک حال میں جمود اور ایک منزل پر وقوف کیسے درست ہو سکتا ہے، ایک مدت تک ذکر کرایا جاتا ہے، پھر چھڑا دیا جاتا ہے، مراقبات وغیرہ بتائے جاتے ہیں جیسے بچوں کو پہلے کھلونے دے دیے جاتے ہیں، پھر لے لیے جاتے ہیں، اب اگر ذاکر ہمیشہ ذکر ہی کرتا رہے اور اس پر اصرار کرے اور قناعت کرلے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاجی حج کے لیے جہاز میں سیٹ ریزرو کرائے پھر جب جدّہ آئے تو سیٹ نہ چھوڑے کہ

---

[1] پس نازل فرمائی اللہ نے ان پر تجلی سکینت ۱۲

دام دیے ہیں اور بہت روپے خرچ کیے ہیں، اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ اس سے زبردستی سیٹ خالی کرائی جائے گی۔

مدینہ میں مرنے کی آرزو مولانا ضیاء الدین صاحب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ میں نے شیریں رقم صاحب کی قبر کے پاس اپنی قبر تیار کرائی ہے، میں نے کہا آپ نے بہت غلط کام کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ"[1] آپ کو یقین ہے کہ آپ کا انتقال یہیں ہو گا، آپ نے مدینہ میں مرنے کی آرزو کیوں نہ کی؟ حضرت عمر فرماتے ہیں "وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ"[2] ایسے ہی تھا تو آپ مدینہ میں مرنے کی تمنا کرتے کہنے لگے کہ ننھے میاں آپ نے تو میرا منصوبہ ہی ختم کر دیا، میرے پیسے ضائع ہوئے۔ خدا کی شان تھوڑے عرصہ کے بعد ان کی طبیعت میں حرمین حاضری کا جوش پیدا ہوا، بے سازوسامان چل کھڑے ہوئے، لڑکوں اور مخلصین نے کچھ سامان کر دیا، حج سے فارغ ہوئے تو مدینہ طیبہ کی طرف کوچ کر دیا، وہاں پہونچکر دو ہی تین دن کے اندر انتقال کیا، اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

ذکر کی جگہ خلوت نہیں جلوت ہے ایک عجیب مثال فرمایا —— ذکر کی جگہ خلوت نہیں جلوت ہے، جب جلوت میں ذکر کی مشق اور قوت پیدا ہو جاتی ہے تو خلوت میں خود بخود ذکر ہونے لگتا ہے لیکن اگر ساری مشق اور عادت خلوت میں ذکر کرنے کی ہے تو جلوت کے انتشار میں ذکر نہیں ہو سکتا، اس کی ایک

---

[1] اور کیا جانے کوئی جان کہ کس زمین پر اس کو موت آئے گی۔

[2] اے اللہ میری موت اپنے رسول کے شہر میں مقدر فرما۔

بلیغ مثال بیان فرمائی، رام پور سے ایک صاحب آئے تھے وہ کسی زمانہ میں وہاں کے بڑے مشہور چور تھے، چوری کے لیے بڑی اونچی جست لگاتے تھے اور کوٹھوں پر پھاند جاتے تھے، ان سے پوچھا گیا کہ تم کو ایسی مشق کہاں سے ہوئی، کہنے لگے کہ ہم کو بچپن سے اس کی مشق کرائی جاتی ہے، اس کا ایک خاص فن اور نظام ہے، ہم لوگوں کو جو کپڑے پہنائے جاتے ہیں وہ دوہرے اور دوتہہ کے ہوتے ہیں، پاجامہ بھی اسی طرح کا اور کرتا اور صدری اور ٹوپی بھی اسی طرح کی ہر کپڑے کے خول میں ریت بھری جاتی ہے، تولے ماشے سے شروع کر کے سیروں تک اس کو پہنچایا جاتا ہے، اور اسی میں تھوڑی تھوڑی ریت ڈال کر ہم سے جست کرائی جاتی ہے، یہاں تک کہ سیروں ریت بھر کر ہم جست لگانے لگتے ہیں بغیر ریت اور بوجھ کے ہمیں جست لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی جب اس طرح بوجھ لے کر جست لگانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پھر خالی کپڑوں اور خالی بدن کے ساتھ جست لگانے میں ایسا ہلکا پن معلوم ہوتا ہے کہ اونچی سے اونچی جست لگا لیتے ہیں، بدن چڑیا کی طرح سبک معلوم ہونے لگتا ہے، اسی طرح سے جو لوگ جلوت میں اور بازاروں اور ہنگاموں کے انتشار میں متوجہ الی اللہ اور "دست بکار دل بیار" رہنے کے عادی ہو جاتے ہیں ان سے خلوت میں غفلت ہونی مشکل ہوتی ہے۔ اور ان کو تنہائی میں ذاکر اور متوجہ ہونے کے لیے کوئی تکلف اور اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔

شریعت میں اعضاء و جوارح کو آمادہ کرنا پڑتا ہے، طریقت میں اعضاء و جوارح آدمی کو آمادہ کرتے ہیں!

فرمایا کہ —— ایک شخص نے شریعت و طریقت کا فرق پوچھا، میں نے کہا شریعت میں اعضاء و جوارح کو آمادہ کرنا پڑتا ہے

طریقت میں اعضاء و جوارح آدمی کو آمادہ کرتے ہیں، مثال کے طور پر جس کو کھجلی ہوتی ہے تو وہ بالارادہ اور بلا ارادہ کھجاتا رہتا ہے۔ شوق و محبت کے بغیر کام نہیں چلتا، شوق و محبت کی حالت میں محنت محنت اور بوجھ بوجھ نہیں معلوم ہوتا، اللہ تعالیٰ نے جانوروں میں بھی شوق و محبت کی چنگاری رکھی ہے دیکھیے اونٹ بھی حُدی سے متاثر ہوتا ہے اور جب وہ حدی سے مست ہو جاتا ہے تو اس کو شغدف اور سواریوں کا بوجھ معلوم نہیں ہوتا، مدینہ کی حاضری کے لیے کچھ دیوانگی کی بھی ضرورت ہے اگر سیانا گیا تو فائدہ نہ اٹھایا۔

سرمایۂ اصلی عجز و کوتاہی اور درد و محبت ہے

فرمایا ـــــ میں نے تو سترہ برس حیدرآباد میں جوار کی روٹی کھا کر بسر کی، اگر مجھ میں یہ درد و سوز پیدا ہوا تو تعجب نہیں، لیکن محمد سعید[۱] پر مجھے تعجب آتا ہے کہ وہ نہ کہیں گئے، نہ آئے اور نہ یہ محنت کی؛ ان میں یہ محبت و جذبہ کیسے پیدا ہو گیا...... ! اس پر آپ نے ان کا ایک نعتیہ قصیدہ جو علاحدہ سے چھپ گیا ہے بڑے جوش و رقت کے ساتھ سنانا شروع کیا جب اس شعر پر پہونچے ؎

سراپا ظلمت عصیاں ہوں یکسر عجز و کوتاہی
یہ ہے سرمایۂ اصلی اور اس پر شوق مدحت کا

فرمایا کہ مجھے یہ طرز پسند نہیں جو بعض شعراء نے اختیار کیا ہے کہ ہم نے درود بہت پڑھا ہے، یا ہم نے فلاں عمل کیا ہے اس لیے ہمیں کچھ استحقاق پیدا ہو گیا ہے، یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ میں نے آپ کو عید کارڈ

---

[۱] مولوی محمد سعید صاحب سلمہٗ فرزند اکبر حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب ۱۲

بھیجا، آپ مجھے سوئیاں بھیجیے، یہاں تو سرمایۂ اصلی یہی عجز و کوتاہی ہے۔

فرمایا:۔ اس قصیدہ کے لکھنے کے کچھ ہی عرصہ بعد بلاسان وگسان ایک صاحب کا خط آیا کہ میں نے محمد سعید کے لیے ہوائی جہاز پر سیٹ ریزرو کرالی ہے، اور اس طرح سے بغیر کسی ساز و سامان کے حج و زیارت کو چلے گئے،

اصلی چیز نقلی پر ہمیشہ غالب آتی ہے

فرمایا ــــــ موت کے وقت شوق کی ضرورت ہے، اگر زندگی میں اللہ سے اور عالم آخرت سے انس نہ ہوا تو کچھ نہ ہوا محض عقلی دلائل، معلومات و مطالعہ کام نہ آئے گا، اندرونی چیز درکار ہے، اصلی چیز نقلی چیز پر غالب آتی ہے، فطری علم کسی پر غالب رہتا ہے طوطے کو برسوں حق اللہ حق اللہ سکھایا جب بلی نے گلہ دبایا تو ٹیں ٹیں نکلنے لگی جب ملک الموت نے گلہ دبایا تو اوپر کا ذکر غائب ہوگیا اور اندر کی چیزیں ابھر آئیں، اعضاء و جوارح اگر حقیقت و روح سے خالی ہیں تو مضغۂ گوشت ہیں دواؤں کے اندر کی بجلیاں مطلوب ہیں، نہ کہ ان کے جسم، مری اور سوکھی دواؤں سے مطلوب حاصل نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ" [1] یہ نسخہ بتادیا کہ غفلت کو دور کرو، پھر پیر کی ضرورت نہیں قرآن خود پیر بن جاتا ہے۔

جب اعلیٰ سامنے آجائے تو ادنیٰ سے دل ہٹ جاتا ہے

فرمایا ــــــ میں سورۂ توبہ کی اس آیت قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ

۱؎ ان (مشرکوں) کے دل ہیں مگر ان سے سمجھ کا کام نہیں لیتے، ان کی آنکھیں ہیں مگر یہ ان سے نہیں دیکھتے۔ ان کے کان ہیں مگر ان کے ذریعہ نہیں سنتے۔ یہ چوپایوں کی مانند بلکہ ان سے بھی گمراہ تر ہیں۔ یہی ہیں جو اصل غافل ہیں۔

وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ الآیۃ[1] پر بہت دن غور کرتا رہا علماء سے بھی استفسار کیا کہ ان محبوبات طبیعہ کی محبت کیسے جا سکتی ہے کچھ تسلّی نہ ہوئی، آخر سمجھ میں آگیا، دیکھیے ایک آدمی اپنے بچوں اور گھر والوں کو چھوڑ کر باہر نکلا ہو، ایک ایک پیسہ اس کو اشرفی معلوم ہوتا ہے اس کے ہاتھ میں کوئی دس روپیہ رکھ دے اس کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اس کو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا کوئی خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا، وہ مٹھی بند کر لے گا اتنے میں ایک شخص ایک اشرفی اس کو دکھاتا ہے وہ دس روپیہ پھینک دے گا اور اشرفی لے لے گا اس لیے کہ اشرفی کے سامنے روپئے بے حقیقت ہو گئے۔ روپئے اشرفیوں ہی کے بچے ہیں ان ہی سے روپئے بنتے ہیں۔ جب سانچہ مل گیا تو مصنوعات کی کیا قیمت، کوئی کمہار کا بنایا ہوا ایک پیالہ توڑ دے اس کو کیا پرواہ، اس کا چاک سلامت رہے ہزار پیالے بنا لے گا۔ دنیا میں جو کچھ ہے یہ سب اعیان ثابتہ کی صور علمیہ ہیں، اعیان ثابتہ اگر سلامت ہیں تو صور علمیہ کا کچھ غم نہیں، اسی طرح سے اگر محبوب حقیقی اور خالق ابدی کسی کو مل جائے تو اس کے فانی مخلوقات (آباء، وابناء، اور افراد خاندان) دنیوی منافع وغیرہ کی کیا قیمت ہے[2]۔

شیخ اکبر کی ایک عبارت پر اشکال اور اس کا حل

فرمایا ــــــ شیخ اکبر نے کہیں لکھا ہے کہ سب راستے خدا تک پہنچتے ہیں، بعض لوگوں کو اس میں بڑا اشکال

---

[1] اس آیت میں باپ بیٹوں بھائیوں اور دیگر محبوبات و مرغوبات پر اللہ و رسول اور دین کو ترجیح دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

[2] ایک اردو شاعر (داغ ؟) نے اس مضمون کو اس شعر میں خوب بیان کیا ہے ؎

گلہ نہیں جو گریزاں ہیں چند پیمانے   نگاہِ یار سلامت ہزار میخانے

ہوا کہ یہ توحدت ادیان اور ہمہ اوست) کی قسم کی چیز ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں آتا ہے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ[1] لیکن میرے نزدیک اسمیں کوئی اشکال نہیں، کسی آواز دینے والے نے آواز دی کہ یہاں آؤ، اب سب طرف سے لوگ دوڑ پڑے لیکن راستے غلط اور صحیح ہر طرح کے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی کانٹوں میں پھنس گیا کوئی گڈھے میں گر گیا، کوئی سیدھے راستے سے پہونچ گیا، اس میں آواز دینے والے اور آواز کا کوئی قصور نہیں، ایک ہندو نے کہا میں اگر پوجا نہ کروں تو دن بھر طبیعت خراب رہتی ہے۔ عبادت تو فطری تقاضا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[2]۔ البتہ اس تقاضہ کا صحیح جگہ پر استعمال کرنا اپنا فرض ہے۔

کیونسٹ اور ترقی پسند سب پابندی اختیار کرتے ہیں لیکن آزادی کا دم بھرتے ہیں

فرمایا ــــــ تقیدات اور پابندیاں ضروری ہیں، لا مذہب ملحد، کیونسٹ سب تقیدات اختیار کرتے ہیں، لیکن آزادی کا دم بھرتے ہیں، ایک چیز بڑے شوق سے کھاتے ہیں لیکن اس کے کسی خاص نام سے چڑتے ہیں، ایک مرتبہ کچھ بچے جمع تھے کسی نے کہا میں فلاں چیز سے چڑتا ہوں ایک بچے نے کہا کہ میں تریوں سے چڑتا ہوں اور وہ کبھی نہیں کھاتا، ایک مرتبہ تریوں کا سالن رکھا کسی نے کہا یہ تریاں ہیں وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تریاں نہیں کھاتا، ماں نے پیچھے سے آکر کمر پر ہاتھ رکھا اور کہا بیٹا یہ تریاں نہیں لریاں ہیں بس بیٹھ گیا، اور کہا میں تریاں نہیں کھاتا لریاں کھاتا ہوں،

---

[1] میرا رب تو صراط مستقیم پر ہے۔

[2] اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ میری عبادت کریں۔

اسی طرح بہت سے لوگ لڑیوں کے نام سے تریاں کھا رہے ہیں آزادی کے نام سے پابندی کی زندگی گزار رہے ہیں اور بہت خوش ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔

زمین کی طرف نہیں آسمان کی طرف دیکھنا چاہیے

فرمایا کہ ـــــ ایک صاحبزادے آئے اور بالکل اخیر میں بیٹھ گئے، سب لوگ اٹھ کر چلے گئے، وہ بیٹھے رہے میں نے پوچھا کہ آپ کا کچھ کام ہے کہنے لگے کہ میں آپ کی ایک زمین کے متعلق دریافت کرنے آیا تھا، میں نے کہا زمین کی بات زمین والوں منتظمین سے پوچھیے میں زمین کی طرف نہیں دیکھتا آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، زمین کی طرف نظر نہ کرنے اور آسمان کی طرف دیکھنے کی میری عادت بچپن سے ہے، ہمشیرہ نے مجھے اس پر مارا بھی ہے بچپن میں فلاں صاحب کی کوٹھی میں جانا تھا، ہمشیرہ نے تاکید کی کہ اوپر نہ دیکھنا، میں نے دیکھا کہ چھجے کے اوپر مھوک لگی ہوئی ہے۔ گھر آکر یہی بیان کیا تو ہمشیرہ بڑی ناراض ہوئیں اور امتحاناً پوچھا کہ چارپائی کا ہے کی بنی ہوئی تھی، میں نے کہا باندکی، منجھلے بھائی ناراض ہوئے اور کہا غلط کہتا ہے نواڑ کی بنی ہوئی تھی۔

زمین کی باتیں زمین والوں سے پوچھو، میں تو آسمان کی طرف دیکھتا ہوں، اللہ مجھے وہیں سے فیض دے اب تو میری عمر اسّی سے متجاوز ہو گئی، میری جڑیں زمین سے کٹ رہی ہیں تو اور بھی آسمان کی طرف نظر ہونی چاہیے وہیں کی کھیتی کی فکر ہونی چاہیے۔

چھٹی مجلس

۱۹؍شوال المکرم ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۰؍جنوری ۱۹۶۸ء مابین عصر و مغرب خانقاہ شریف بھوپال

حاضرین مجلس :۔ مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی، مولانا جمیل احمد صاحب حیدر آبادی، مولانا حافظ نعمان خاں صاحب ندوی، حافظ منظور صاحب، مولوی علی آدم صاحب افریقی اور مولوی محمد حمزہ حسنی وغیرہ۔

مولانا دریابادی سے ملاقات کا تذکرہ

راقم السطور اسی روز حاضر ہوا تھا۔ طائف کی واپسی میں جو حادثہ[1] پیش آیا تھا اس کے ما بقی اثرات کو پوچھتے ہوئے جس کے لیے حضرت نے مالش کیلئے ایک روغن ارسال فرمایا تھا، ارشاد

---

[1] سفر حجاز کے موقعہ پر مرتب کتاب اور اس کے بھتیجے عزیزی محمد الحسنی "مدیر البعث الاسلامی" طائف سے واپس آرہے تھے اور پہاڑ کا اتار ختم ہو گیا تھا کہ اچانک کار الٹ گئی اور اس نے کئی پلٹیاں کھائیں لیکن خدا کے فضل و کرم سے دونوں بالکل محفوظ رہے کار کے رک جانے پر جب کھڑکی سے نکلنے کی کوشش کی تو معمولی خراشیں آئیں دیکھا تو کار کے چاروں پہیے اوپر اور چھت زمین پر تھی۔

فرمایا کہ قریب قریب اسی زمانے میں مجھے بھی دورانِ سر، شدید ضعف اور قلب کی تکلیف پیش آئی، میں اکثر صبح سے کھائے پیے بغیر مجلس میں آکر بیٹھ جاتا ہوں اور کہنے سننے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دن ایک بجے تک یہ سلسلہ جاری رہا، جب اُٹھ کر مکان میں جانے لگا تو مجھے چکر آگیا میں سمجھا کہ ضعف کا اثر ہے، کھانا کھالوں گا تو جاتا رہے گا، لیکن کھانے کے بعد بھی وہ نہ گیا، دن بھر بڑا ازور رہا، شدید ضعف تھا، قلب پر بھی اثر محسوس ہوا، میں نے اکثر کبیر السن لوگوں کو دیکھا ہے کہ جھٹ پٹ ختم ہو گئے، لوگوں نے کہا ابھی تو بات کر رہے تھے، ابھی فلاں جگہ دیکھا تھا لیکن اس عمر میں یونہی ہوتا ہے۔ اس لیے جو کوئی بوڑھا آدمی آج کا کام کل پر اُٹھا رکھے اس کو میں خلل دماغ سمجھتا ہوں، میں نے مولوی عمران صاحب کو بلا کر وصیتیں کر دیں اتفاق سے اسی دن مولوی عبد الماجد صاحب دریا بادی تشریف لائے تھے۔ اگلے روز صبح ان کو خانقاہ میں آنا تھا۔ مولوی عمران صاحب کو تامل تھا کہ اس حالت میں ان کو لائیں۔ میں نے کہا کہ یہی وقت مغز کی بات کا ہے۔ جب ظاہری قویٰ ضعیف ہو جائیں تو اصل خالص بات نکلتی ہے، جب بادام کا خول توڑا جاتا ہے اور اس کی گری نکلتی ہے تو پھر روغن بادام حاصل کیا جاتا ہے۔ میں نے مولوی صاحب کو اندر ہی بلا لیا اور دیر تک کہتا رہا، مولوی صاحب نے اپنی بلند نظری سے ان باتوں کو بہت اہمیت دی مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا؟ اتنا یاد ہے کہ ان پر رقت طاری تھی۔ انھوں نے ان باتوں میں سے ایک بات "صدق" میں بھی لکھی ہے۔

کبھی عذاب کی شکل میں رحمت اور کبھی رحمت کی شکل میں عذاب ہوتا ہے

فرمایا ــــــ ہر چیز کے مقدمات اور آثار ہوتے ہیں، اہل بصیرت مقدمات اور آثار سے صحیح

نتائج نکالتے ہیں۔ بعض مرتبہ عذاب کی شکل میں رحمت اور بعض مرتبہ رحمت کی شکل میں عذاب ہوتا ہے، عذاب الٰہی آنے سے پہلے قدرت کی جو نشانیاں اور خوف و دہشت پیدا کرنے والے جو واقعات پیش آتے ہیں وہ اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے عذاب معلوم ہوتے ہیں، لیکن آنے والے عذاب سے بچانے کے لیے وہ تازیانہ عبرت کا کام دیتے ہیں، پہلے صبح کاذب ہوتی ہے پھر صبح صادق پھر آفتاب نکلتا ہے، سمجھنے والے صبح کاذب کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ صبح صادق ہونے والی ہے اور دیکھنے والے صبح صادق کو دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ سورج نکلنے والا ہے، میں حیدرآباد میں تھا کہ سخت طاعون آیا، موت کا بازار گرم تھا شاہ علی بنڈہ سے لے کر چار مینار تک کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا؛ اگر کوئی نظر آتا تو گردن میں جھولی ڈال کر کسی مردے کو لے جاتا ہوا دکھائی دیتا؛ شہر میں ہو کا عالم تھا، لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے کچھ عرصہ کے بعد انفلوئنزا آیا اس میں بھی موت کی گرم بازاری ہوئی پھر کچھ عرصہ کے بعد موسیٰ ندی کا طوفان آیا اس نے قیامت برپا کردی، شہر میں کہرام مچا ہوا تھا، کتنی بارتیں بہہ گئیں، کتنے خاندانوں کا پتہ نشان نہ رہا، کوئی کہتا تھا کہ میرے سات بیٹے تھے سب طوفان کی نذر ہوگئے، کوئی کہتا کہ میں بھی ڈوبتے ڈوبتے بچا، غرض لوگوں کی داستانوں سے دل ٹکڑے ہوتا تھا، اس کے بعد مجھے ایسی وحشت سوار ہوئی کہ میرے لیے ایک منٹ ٹھہرنا مشکل ہوگیا، یا تو حیدرآباد سے ایسا اُنس تھا کہ کہتا تھا کہ مجھے موت مدینہ میں آئے گی یا حیدرآباد میں، یا ایسی وحشت ہوئی کہ وہاں رہنا دوبھر ہوگیا، میں گلبرگہ میں تھا، لوگوں نے ہزار ٹھہرایا، نہ ٹھہرا، بالآخر پولیس ایکشن ہوا، گلبرگہ اور اس کے اطراف میں بڑی تباہی آئی، ان واقعات کو لوگ عذاب الٰہی

کہتے تھے میں ان کو رحمت سمجھتا تھا کہ بڑے عذاب سے ڈرانے کے لیے جگایا اور جھنجھوڑا جارہا ہے۔

ایک شخص سردی کے زمانے میں موٹا لحاف اوڑھے ہوئے میٹھی نیند سو رہا ہے، ایک شخص سختی کے ساتھ پکڑ کر اُس کو نیچے گھسیٹ لیتا ہے اس سے اس کو چوٹ بھی لگتی ہے، غصہ بھی آتا ہے، لیکن جب وہ ہشیار ہوتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اُس کے پہلو میں سانپ تھا، اگر اس کو پکڑ کر گھسیٹ نہ لیا جاتا تو وہ اس کو ڈس لیتا اور اس کا کام تمام کر دیتا، اس سانپ کو دیکھ لینے کے بعد اس کا یہ فعل سراسر ہمدردی اور شفقت نظر آئے گا۔ کبھی عذاب کی شکل میں رحمت ہوتی ہے اور کبھی رحمت کی شکل میں عذاب، نمرود کی آگ کی شکل عذاب کی تھی لیکن اس میں رحمت تھی اور سمندر کی شکل رحمت کی تھی لیکن اس میں فرعون کے لیے عذاب تھا۔

ظاہری الفاظ سے بہت دھوکا ہوتا ہے

فرمایا کہ ـــــ ظاہری الفاظ سے بہت دھوکا ہوتا ہے ان الفاظ کو ان کے محل میں رکھ کر اور ان کے سیاق وسباق میں دیکھنا چاہیے۔ الفاظ مشترک ہوتے ہیں لیکن اشخاص اور اوقات کے لحاظ سے ان کے معانی بدلتے رہتے ہیں پہلے بھوپال کے جیل میں دریاں اور جانمازیں اچھی بنتی تھیں، میں دریاں اور جانمازیں خریدنے کے لیے کبھی کبھی جیل جاتا، ایک صاحب مجھے دیکھ کر کہتے ہیں، اچھا پیر صاحب آپ بھی جیل پہنچ گئے؟ حالانکہ میں آزاد ہوں، عارضی طور پر ایک ضرورت سے جیل گیا تھا، اور ایک قیدی کسی کام کے لیے شہر میں لایا جاتا ہے، اگر اس سے کوئی پوچھے کہ تم آزاد ہوگئے؟ کہے گا نہیں صاحب میں جیل ہی میں ہوں!، تو میں نہ جیل جا کر قیدی بنا اور نہ وہ شہر میں آکر آزاد ہوا، اگر الفاظ وأشکال

کے مشترک ہونے سے لوگ دھوکا کھاتے ہیں، یہی دھوکا کفار کو ہوا کہ آنحضرت ؐ کے ضرورت سے بازار میں جانے اور بشریت کے تقاضے سے کھانے پینے سے ان کو دھوکا ہوا تو انھوں نے آپ کو عام انسانوں کی طرح سمجھ لیا اور کہا کہ:-

"مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِى الْاَسْوَاقِ"[1]

حالات و کیفیات عارضی اور خارجی چیزیں ہیں

پانی کی اصل فطرت اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ٹھنڈا ہو اور ٹھنڈک پہنچائے لیکن جب وہ آگ پر گرم ہو جاتا ہے یا اس کو گرمی پہونچتی ہے تو وہ گرم ہو جاتا ہے اور اُس کو گرم پانی کہنے لگتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمیشہ گرم ہی رہتا ہے جب گرمی کا اثر زائل ہو جائیگا تو وہ پھر ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور اپنی فطرت پر واپس آ جائے گا، اسی طرح عبادات، مجاہدات، کیفیات اور تجلیات سے سالک مغلوب ہو جاتا ہے اور کبھی، اس کی زبان سے اس طرح کے فقرے نکلنے لگتے ہیں "سبحانی ما اعظم شانی یا لیس فی جُبّتی الا اللہ" لیکن یہ سب عارضی اور اضافی چیزیں ہیں، گرم پانی ہزار کہے کہ میں گرم ہوں اور میں آگ ہوں، وہ پانی کا پانی ہی رہے گا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ آخر ٹھنڈا پانی بن جائے گا جو پہلے تھا کوئی کہتا ہے کہ میں عبادت کرتا ہوں کہ وہ کیا عبادت کرتا، یوں کہنا چاہیے کہ جب خدا مجھ سے عبادت کراتا ہے، جب مجھے عبادت کی توفیق دیتا ہے، عبادت اس کی دائمی صفت اور اس کا لازمہ نہیں، ایک خارجی اور عطائی صفت ہے سہ

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنم
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

---

[1] یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار بھی آتا جاتا ہے۔

الفاظ کو سمجھنے کے لیے متکلم کے حالات اور کلام کا محل بھی دیکھنا چاہیے

فرمایا کہ ـــــ لوگ الفاظ پر گرفت کرتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ وہ الفاظ کن حالات میں صادر ہوئے، ایک شخص کہتا ہے کہ بلّی میرے قد سے اونچی ہے لوگ کہتے ہیں کہ کوئی بلّی ایسی دیکھنے میں نہیں آئی جو انسان کے قد سے اونچی ہو اس پر جھگڑا ہو رہا ہے، لیکن بلی کو اگر زمین پر اتار لیا جائے تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے، ایسے ہی بزرگوں کے بہت سے اقوال جو خاص حالات میں کسی چیز کے مشاہدہ کرنے سے صادر ہوئے اس وقت تک سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک کہ ان کے محل کو نہ دیکھا جائے۔

لوگ اپنے ذوقی دائرہ ہی میں ترقی کرنا چاہتے ہیں حالانکہ قرآن تغیر کا مطالبہ کرتا ہے

فرمایا کہ ـــــ لوگوں کو اپنے ذوقی دائرہ کے اندر محنت و ترقی کرنا بہت آسان معلوم ہوتا ہے جس کو ذکر و شغل کا شوق ہے وہ ذکر و شغل میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے، جس کو عبادت کا شوق ہے وہ عبادات میں اور اضافہ کرلیتا ہے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا، تبلیغ میں ایک چلّہ دینے والوں کو تین چلّے بہت آسان معلوم ہوتے ہیں، لوگ وظائف پر وظائف پوچھتے رہتے ہیں، ختم پر ختم پڑھتے رہتے ہیں، لیکن اگر کسی مرغوب چیز کو چھوڑنے یا شریعت کے کسی حکم کو اختیار کرنے کے لیے کہا جائے یا کسی رسم کو ترک کرنے کے لیے تو نہایت دشوار معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید سب سے زیادہ تغیر کا مطالبہ کرتا ہے۔

کسی کا دین دیکھنا ہو تو اس کی دنیا دیکھو

مولانا عبدالشکورؒ اور حاجی مشتاق علی خاں مرحوم نے حضرت مولانا عین القضاۃ کی ایک بات سنائی میں نے اس کو اپنی عادت کے مطابق لکھ لیا اور میں نے کہا کہ عمر بھر کے لیے یہی

ایک بات کافی ہے۔ انھوں نے نقل کیا کہ حضرت مولانا فرماتے تھے کہ اگر کسی کا دین دیکھنا ہو تو اس کی دنیا دیکھو یعنی اگر دنیا شریعت کے مطابق ہے تو دین بھی شریعت کے مطابق ہوگا۔

ایک مرزا صاحب کا واقعہ

ایک مرزا صاحب ہیں سالہا سال سے خانقاہ اور ذکر و شغل سے تعلق رکھتے ہیں اور ختموں کو پوچھتے رہتے ہیں کہ فلاں ختم بھی شروع کردوں؟ میں ان سے شروع میں بھی کہتا تھا کہ مرزا صاحب آپ کے اس ذکر و شغل سے زیادہ ضروری اور مفید یہ ہے کہ آپ ایک حدیث روز پڑھ لیا کریں اور اس پر عمل کریں، آپ کے لیے علم زیادہ ضروری ہے، لیکن ان کو ذکر و شغل سے زیادہ دلچسپی رہی۔ بیٹے کی شادی کا وقت آیا، اس نے کہا کہ میں گھوڑے پر بیٹھوں گا اور باجہ اور گانا ضرور ہوگا، انھوں نے سمجھایا، اس نے کہا میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور شادی نہ کروں گا، عورتوں نے بھی اصرار کیا آخر وہ مان گئے، اور بارات اسی شان سے نکلی یہاں آئے تو میں نے ان سے کہا کہ تم نے سخت گناہ کیا، وہ بہت نادم ہوئے اور کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں، میں توبہ کرتا ہوں، میں نے کہا کہ ہاں حجرے میں گھونگھٹ ڈال کر چھپ کر توبہ کرلو، تم نے گناہ تو علانیہ کیا ہے اور سارے قصبہ میں ایک مثال قائم کردی کہ دیندار گھروں سے بھی ایسی باراتیں نکلتی ہیں اور توبہ یہاں چپ چاپ بیٹھ کر کرلوگے۔ علانیہ گناہ کے لیے علانیہ توبہ چاہیے، قصبہ میں جاکر کہو کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور میں نے بہت بُرا کیا۔ اس کے بالمقابل یہ غریب قاضی جو بیٹھے ہوئے ہیں ایک مجلس نکاح میں شریک تھے۔ کچھ خلاف شرع ایسی باتیں ہونے لگیں جن سے دین کا استخفاف اور اہانت معلوم ہوتی تھی یہ اٹھنے

لگے اور کہا کہ میں ایسی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتا، لوگوں نے خوشامد کر کے بٹھایا اور اس طرح باتیں کرنا چھوڑ دیں پھر نوشہ آیا اس کے منہ پر سہرا تھا یہ پھر اٹھنے لگے اور کہا کہ خلاف شرع ہے عورتوں نے بہت شور مچایا کہ یہ بے سہرے کے نوشہ کیسا، یہ پھر اٹھنے لگے لوگوں نے پھر بٹھایا، کہا کہ میں منع نہیں کرتا خود جاتا ہوں، آخر لوگوں نے ان کو بٹھایا اور سہرا نکال دیا آخر انھیں کی چلی۔

دین جب جاپانی ہوتا ہے دنیا سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے

فرمایا ــــ دین جب جاپانی ہوتا ہے دنیا سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے لیکن جب وہ پختہ مال اور اصلی ہوتا ہے تو کسی ٹکر سے نہیں ٹوٹتا، بازار میں سوا روپیہ کی گھڑی بھی بکتی ہے۔ ٹین کے پرزے اور دیکھنے بھر کی گھڑی، وہ ذرا بھی صدمہ برداشت نہیں کر سکتی۔

ہم لوگوں کا دین شطرنج کے کھیل سے بھی زیادہ بے وقعت ہے

دینداروں کو شطرنج کھیلنے والوں سے سبق لینا چاہیے کہ وہ اپنے اصولوں کے کتنے پابند ہوتے ہیں کتنا ہی کہیے کہ اس موقع پر فیل کو آگے بڑھا دیجیے گھوڑا ڈھائی خانے چلتا ہے، اس کو آگے چلا دیجیے وہ نقصان پر نقصان برداشت کریں گے، مات پر مات کھائیں گے مگر ایسا نہیں کریں گے، پوچھیے گا کیوں نہیں کرتے؟ کہیں گے کہ یہ شطرنج کے اصول وضوابط کے خلاف ہے، اللہ اکبر! کھیل اور بازی کے اصول وضوابط کی اتنی پابندی! ہم لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے، دین کیا ہے؟ شریعت کے اصولوں کی پابندی اپنی خواہشات ومصالح کو شریعت کے احکام اور آسمانی تعلیمات کے ماتحت کر دینا ہے فائدہ ہو چاہے نقصان، جیت ہو چاہے ہار، یہی مضمون ہے اس حدیث پاک

کا جو کل مکتوبات شریف میں پڑھی جارہی تھی کہ: لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات نفسانی اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا) میدانی کھیلوں میں بھی یہی دیکھا ہے کہ جو جس جگہ کھڑا کر دیا گیا کیا مجال جو اس جگہ سے ہٹے جو وردی مقرر ہے ضرور پہنی جائے گی، کھیل کے جو ضوابط ہیں ضرور پورے کیے جائیں گے کیا دین کا معاملہ کھیل سے بھی کم اہم ہے۔

نماز میں جی نہیں لگتا دعا کیجیے

فرمایا کہ —— ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ نماز میں جی نہیں لگتا دعا کیجیے! میں نے کہا جیب میں روپیہ ڈیڑھ روپیہ ہے؟ انھوں نے کہا جی ہاں، میں نے کہا جامع مسجد چلے جائیے اور موذن کو یہ روپیہ دیدیجیے کہ آپ کو مسجد کے مینار پر چڑھنے کی اجازت دیدے پھر منارے کی چوٹی پر پہونچکر اس کا دروازہ کھول دیجیے اور بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر نیچے جھانکئے تو کیا اس وقت آپ پکار کر لوگوں سے کہیں گے کہ میرے لیے دعا کرو میں کود نہ پڑوں، اسی طریقہ سے اگر آپ جہنم کی گہرائی دیکھتے کہ نماز نہ پڑھنے سے آدمی کہاں گرا دیا جائے گا تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ دعا کرو میں نماز پڑھوں اور نماز میں دل لگنے لگے۔

امراء پہلے خاطر کرتے ہیں پھر سوالات کرتے ہیں

فرمایا کہ —— میں اجین میں ایک بڑے وکیل صاحب کے یہاں ٹھہرا ہوا تھا، شہر میں کچھ غریب لوگ بھی تھے جن کا سلسلہ اور ہماری خانقاہ سے قدیم تعلق تھا میں نے بہت چاہا کہ میں ان کے یہاں منتقل ہو جاؤں۔ غریبوں کے یہاں آرام زیادہ ملتا ہے: مگر وکیل صاحب نے اصرار کیا کہ ایک رات تو ٹھہر جائیے، پھر دستر خوان بچھا۔ کھانا بہت

پرتکلف اور انواع و اقسام کا تھا۔ یہ حضرات پہلے خاطر کرتے ہیں، آدمی کو ممنون بناتے ہیں، پھر سوال کرتے ہیں۔ تاکہ جواب مرضی کے مطابق ملے۔ کھانے کے دوران انھوں نے پوچھا کہ حضورؐ عالم الغیب تھے یا نہیں؟ میں نے کہا پہلے غیب کی حقیقت سمجھ لیجیے کہ غیب کسے کہتے ہیں؟ غیب ایک اضافی چیز ہے آپ اپنے گھر کے غیب کے عالم ہیں میں اپنے گھر کے غیب کا عالم ہوں، ــــــــ آپ کے گھر کے اندر چیزیں آپ کے لیے شہود ہیں میرے لیے غیب، میرے گھر کے اندر کی چیزیں میرے لیے شہود ہیں آپ کے لیے غیب، اس طرح ایک معنی میں آپ کو کچھ مغیبات کا علم ہے، مجھے بھی کچھ مغیبات کا علم ہے، پھر یہ بتائیے کہ حضور اللہ کے پیدا کیے ہوئے یا خود پیدا ہو گئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اللہ نے آپ کو پیدا فرمایا، میں نے کہا کہ آپ خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں تو آپ کی تمام صفات بھی خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں یہ نہیں ہوسکتا کہ ذات حادث ہو اور صفت قدیم اس لیے آپ کی صفات اللہ کی صفات کی طرح قدیم نہیں، اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

دین کا فائدہ اسی وقت ہو گا جب اس پر صحیح طریقہ سے عمل ہو

فرمایا ــــــــ ہر چیز کا ایک ذہنی تصوّر ہوتا ہے ضروری نہیں کہ وہ حقیقت کے مطابق ہی ہو۔ کلکتہ کا نام آتے ہی ایک تصوّر آتا ہے، اکثر کلکتہ اس سے بالکل مختلف ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح مکہ معظمہ کا نام آتے ہی ایک تصوّر ذہن میں آتا ہے جب زیارت نصیب ہوتی ہے تو وہ اس سے بہت مختلف نکلتا ہے، اسی طرح اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کا تصور لوگوں نے اپنے اپنے طور پر قائم کر رکھا ہے مگر جب تک اللہ کی صحیح معرفت اس کے صفات کا صحیح علم

نہ ہو اس کا اثر مکمل طور پر کیسے مرتب ہو، میرے پاس ایک صاحب آئے، کہا میرا بیٹا بہت بیمار ہے چل کر دیکھ لیجیے۔ میں نے کہا آپ کا بیٹا کون ہے؟ کہا آپ نہیں جانتے؟ عنایت! میں نے کہا کہ خاں صاحب میں نے آپ کو نہیں پہچانا؟ کہا آپ نے مجھ کو نہیں پہچانا، میں عنایت کا باپ ہوں! اسی طرح تعریف المجہول بالمجہول ہوتی ہے اگر تعلیم و تبلیغ خدا کی صحیح معرفت اور اس کی ذات و صفات کے صحیح علم اور تعریف کے ساتھ ہو تو وہ اپنا صحیح اثر دکھاتی ہے۔ شریعت کے احکام اور قرآن شریف عمل کے لیے ہیں جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے گا ان سے فائدہ نہ ہوگا۔ ایک شخص نے مجھ کو عطر دیا کہ یہ ایک بہت نفیس اور قیمتی عطر ہے۔ دوسرے روز میں نے اس کو چکھا تو کڑوا تھا، میں نے کہا کہ کیا عطر دیا کہ کڑوا ہے، عطر کا تعلق تو قوت شامہ سے ہے اور اس کا استعمال یہی ہے کہ اس کو لگایا جائے، اس کی خوشبو سے فائدہ اٹھایا جائے جب تک قوت شامہ بیدار نہ ہو، نظر سے یا ذائقہ سے وہ فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

دماغ صحیح اور ذہن صاف ہو تو سب کچھ ہوسکتا ہے

فرمایا ـــــ میں نے ایک کتاب میں منڈی کی تعریف دیکھی مصنف نے اس کے فوائد بہت سے گنائے تھے اس کے فوائد گناتے گناتے یہاں تک لکھ دیا تھا کہ اس سے حضورؐ کی زیارت ہو جاتی ہے، مجھے بہت تعجب ہوا کہ منڈی کو زیارت سے کیا واسطہ؟ کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ منڈی سے خون کا تصفیہ اور دماغ کا تنقیہ ہو جاتا ہے اور چونکہ معاملہ دماغ کی صفائی کا ہے اگر دماغ صحیح اور ذہن صاف ہو جائے تو پھر زیارت بھی بعید نہیں۔

جو لوگ قرآن وحدیث کے ذریعہ صرف زبان سیکھتے ہیں ان کے دل سے قرآن مجید کی عظمت نکل جاتی ہے!

فرمایا ——— مولانا سید سلیمان ندویؒ یہاں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے بچے عربی زبان کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے، فرمایا کہ کیا بلی کتے کے قصے آپ پڑھا رہے ہیں؟ قرآن وحدیث کے ذریعے زبان سکھائیے۔ میں نے کہا قرآن وحدیث کا یہ موضوع نہیں قرآن شریف میں آتا ہے:۔ فذکر بالقرآن من یخاف وعید[1] جو لوگ قرآن وحدیث کے ذریعہ زبان سیکھتے ہیں ان کے ذہن سے قرآن مجید کی عظمت نکل جاتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بھی ایک زبان کا نمونہ ہے۔ ہزاروں لاکھوں عرب عربی زبان کے بڑے ادیب ہیں اور ان پر قرآن وحدیث کا کوئی اثر نہیں۔

---

[1] پس یاد دہانی کرو قرآن کے ذریعہ (اُس کو) جو ڈرتا ہو وعید سے۔

ساتویں مجلس

۲۰ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۱ر جنوری ۱۹۶۸ء ۱۰½ بجے تا ۱۲ بجے دن۔ آج اتوار ہونے کی وجہ سے حاضرین کی بڑی تعداد تھی، خانقاہ کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، کم و بیش ۲۰۰ آدمیوں کا اندازہ ہے — حاضرین میں متعدد عمائد شہر، جدید تعلیم یافتہ نوجوان اور ملازمین ایچ۔ ای۔ ایل افسران وغیرہ تھے۔

جو اہل دل تقریر نہیں کرتے وہ سراپا فیض اور مجسم افادہ بن جاتے ہیں

گنّے اور دوسرے درختوں کا وہ فرق بیان کرتے ہوئے جو ایک پچھلے ملفوظ میں آچکا ہے فرمایا کہ جس طرح گنّے کا پھل نہ ہونے کی وجہ سے حلاوت و شیرینی اس کے سارے جسم میں سرایت کر جاتی ہے اور وہ سراپا ثمر اور مجسم حلاوت بن جاتا ہے، اسی طرح جو اہل دل تقریر نہیں کرتے اور زبان سے زیادہ کام نہیں لیتے وہ سراپا فیض و مجسم افادہ بن جاتے ہیں۔

ر دنگڑوں کی دعا

فرمایا — ایک مرتبہ ہمارے یہاں مزدور لگے ہوئے تھے میری عادت ہے کہ میں کبھی کام کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جاتا ہوں؛

اکثر تجربہ ہوا ہے کہ ان غریب اور بے پڑھے آدمیوں کی گفتگو سے بعض مرتبہ کوئی بڑا نکتہ اور بڑے کام کی بات ہاتھ آجاتی ہے، چنانچہ میں کبھی ان کے کام میں شریک ہوگیا، جب میں ان میں گھل مل گیا اور کچھ بے تکلفی ہوئی تو انھوں نے کہا بابا جی! ہم کچھ کہنا چاہتے ہیں، میں نے کہا، کہو، میں اسی لیے تو کھلا ملا ہوں، انھوں نے کہا کہ ہم فلاں جگہ کام کرتے تو ہم کو زیادہ مزدوری ملتی، میں نے کہا کہ تم اطمینان رکھو، یہاں مزدوری خاک نہ ملے گی، یہاں تو صرف دعائیں ملیں گی، وہ کام کرتے رہے، شام کو جب چھٹی ہوئی تو میں نے ان کو حساب سے زیادہ، اور ان کی توقع سے بڑھ کر مزدوری دی، اس پر وہ خوش ہو کر کہنے لگے، بابا جی! ہمارا رونگٹا آپ کے لیے دعا کرے گا، میں نے کہا یہی تو چاہیے، زبان سے دعا کرنے سے رونگٹوں کا دعا کرنا کہیں بڑھ کر ہے. زبان کی دعا میں تو تصنع وریاکاری بھی ہوسکتی ہے اور غفلت کا شائبہ بھی لیکن اس میں خلوص کے سوا کچھ نہیں، میں ایسے ہی جلسوں کا شائق رہا کرتا ہوں، ان سے بڑے بڑے سبق لیتا ہوں۔

اہل دنیا کو قرب و ترقی کے جو مواقع ہیں وہ اہل دین کو نہیں!

مجمع زیادہ تھا، جدید تعلیم یافتہ، اور خوش پوش نوجوان بھی تھے، آپ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، کہ آپ حضرات ہم جیسے لوگوں کو بزرگ اور خدا رسیدہ سمجھتے ہیں، حالانکہ آپ کے پاس بہت بڑی دولت ہے آپ کو قرب اور ترقی کے جو مواقع حاصل ہیں، ان سے ہم لوگ محروم ہیں دیکھیے اگر کسی کے پاس قربانی کے لیے بہت سے جانور ہوں، اور وہ ان کی راہِ خدا میں قربانی کرے تو اس کا درجہ زیادہ ہوگا، یا اس کا جس کے پاس نہ کوئی جانور ہو، نہ وہ قربانی کرسکے؟ ایک شخص کے پاس بڑے فربہ اور تر و تازہ دنبے اور بکرے ہیں، اور

ان کو سال بھر کھلاتا اور پلاتا ہے، اور عید الاضحیٰ میں ان کی قربانی کرتا ہے، ایک شخص کے پاس مریل بکری ہے، جس کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا ہے، کس کو تقرب الی اللہ کا زیادہ موقع ہے؟ قربانی کے جانور اور فربہ دنبے، یہ معاصی اور عادات و مالوفات اور مرغوبات ہیں، جن کی راہ خدا میں قربانی کی ضرورت اور احکام شریعت کے ماتحت کرنے کا موقعہ ہے ہم لوگوں کی زندگی کا ایک لگا بندھا نظام ہے، ہم تو ایک ہی ڈگڈگی بجاتے رہتے ہیں۔ ہم معصیتوں کو چھوڑ کر اور اپنے مالوفات و مرغوبات کو قربان کرنے کے ذریعے کہاں یہ قرب و ترقی حاصل کر سکتے ہیں جو آپ کو ہر وقت میسر ہے، یہ بھی میں آپ کے نظریہ کو تسلیم کر کے کہہ رہا ہوں کہ آپ ہم کو پارسا اور پاکباز سمجھتے ہیں، ورنہ ہم سب گنہگار ہیں، لیکن آپ کے خیال کو صحیح مان کریں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ کو جو دولت حاصل ہے وہ ہم کو حاصل نہیں، اسی لیے تو انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہے کہ وہ ذکر و طاعت کے سوا نہ کچھ جانتے ہیں نہ کچھ ان کے امکان میں ہے، لیکن انسان میں خواہشات ودیعت کی گئی ہیں اور ان کی تکمیل کے ذرائع و مواقع بھی اس کو عطا کیے گئے ہیں اس لیے اگر وہ اپنی خواہشات کی قربانی کرتا ہے اور اطاعت و عبادت کا راستہ اختیار کرتا ہے تو اس کے درجہ کو فرشتے نہیں پہونچ سکتے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	اور جو ڈرا اپنے رب کے حضور بیٹھنے سے.
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى	اور روکا اس نے اپنی خواہش کو تو بیشک
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى	اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

بے عمل تندرست بیمار عابد کی مثال

فرمایا ـــــ میں جب کسی تندرست جوان اور صحیح القویٰ آدمی کو دیکھتا ہوں تو بڑا رشک آتا ہے، آپ کو عبادت کے کتنے

مواقع حاصل ہیں، آپ چاہیں تو رمضان میں ایک قرآن مجید روز ختم کرسکتے ہیں، پچھلے برسوں میں، میں کبھی تین، کبھی چار رمضان کو قرآن شریف ختم کرلیتا تھا، اس سال تو بیس ۲۰ کو ختم کرسکا، لیکن ان قویٰ کے ساتھ اگر کوئی طاعت و عبادت نہ کرے اور اپنی مرغوبات اور معاصی کی قربانی نہ دے اور کوئی اپنے نحیف و نزار جسم کے ساتھ عبادت و مجاہدہ کرے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص کے یہاں خوب تیار دنبے بندھے ہوئے ہوں، اور وہ روز دال کھائے، اور ایک شخص کے یہاں کوئی جانور کبھی نہ ہو اور وہ روز قورمہ، قلیا اڑائے، کون خوش قسمت ہے؟

قرآن مجید کے انعامی مقابلے اور معاوضے قرآن کی شان کے منافی ہیں!

مجمع میں متعدد حفاظ اور قرا موجود تھے، فرمانے لگے، ابھی کچھ روز ہوئے شہر کے ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ وہ حفاظ اور قاریوں کا ایک انعامی مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، اس میں وہ اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے اور اس میں ان کو انعامات دیے جائیں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کیا انعام دیں گے، کسی کو دس روپے، کسی کو پندرہ روپے، کیا یہ قرآن مجید کے ایک حرف پڑھنے کا بھی معاوضہ ہے؟ حدیثوں میں آتا ہے کہ قرآن مجید کے ایک ایک حرف پڑھنے کا ثواب تیس تیس نیکیاں ہیں، اور یہ تیس بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں کے تیس ہیں، یہاں کے تیس نہیں، وہاں کے اوزان و مقادیر کو یہاں کے اوزان و مقادیر پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ کسی زمانہ میں بھوپال کا سیر ایک سو بیس تولے کا تھا، اور ریاست کے باہر اسّی تولے کا سیر چلتا تھا۔ اب یہاں کا سیر بول کر دوسری جگہ کا سیر مراد نہیں ہوسکتا تھا، دونوں میں بڑا فرق تھا، پھر اللہ تعالیٰ اپنے شایان شان عطا فرماتا ہے۔ حاتم کا قصہ ہے کسی نے اس سے پانچ بتاشے

مانگے، اس نے دو تھیلے بھرنے شروع کیے۔ کسی نے کہا کہ اس نے تو پانچ مانگے تھے، کہا وہ تو مانگنے والے کا حوصلہ تھا، یہ دینے والے کا حوصلہ ہے، یہ جب حوصلہ مند انسانوں کا حال ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان عطا کا کیا ٹھکانا۔

خدا کے نام کا معاوضہ دینے والے کی مثال

فرمایا ــــــ ایک مرتبہ لکھنؤ میں ایک برادری کے چودھری مجھ سے بیعت ہوئے، بیعت ہونے کے بعد وہ گھر میں چلے گئے اور وہاں سے چند نوٹ لے کر آئے اور کہا، یہ آپ کے خرچ کے لئے ہے، میں نے کہا گھر میں اتنے ہی نوٹ ہیں یا اور بھی؟ انھوں نے کہا اللہ کا دیا بہت کچھ ہے، میں نے کہا سب نقدی میرے حوالے کر دو، گھر کا قبالہ بھی مجھے دیدو، اور تم سب بیوی بچے خط غلامی لکھ دو، تم نے اللہ کا نام سیکھا ہے اور سب گناہوں سے توبہ کی ہے اور اس کے حکم ماننے کا عہد کیا ہے اس کی قیمت یہی چند روپے ہیں؟ تمھیں اس موقع پر اس کا تصور ہی کیوں آیا، کہ تم چند ٹکلیاں اس کے بدلے میں پیش کر دو، کیا اللہ کے نام کی اور اس تعلق کی یہی قیمت ہے؟ اسی طرح بمبئی کے ایک سیٹھ تشریف لائے اور مہمان ہوئے، بیعت کے بعد کہنے لگے اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟ میں نے کہا فرمائیے، کہنے لگے، میں کچھ پیش کرنا چاہتا ہوں، میں نے کہا، میں نے آپ کو جو کچھ دیا ہے اگر اس سے زیادہ قیمتی چیز آپ پیش کریں تو بسم اللہ! فرمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص کسی سے پورا امکان خریدلے اور وہ سب پر قابض رہے، ایک کھونٹی اکھیڑ کر اس کے حوالے کر دے۔ خریدار اس کو کیا سمجھے گا، یا کوئی کسی کو اشرفیاں اور جواہرات دے اور وہ اس سے کہے شاید آج آپ کا چولھا نہ جلا ہو میں آپ کی خدمت میں کنڈے (اُپلے) پیش کروں گا، یہ ان جواہرات کی قدر ہوئی یا ناقدری؟ کلمہ کا مطلب کیا ہے، جس نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا وہ اپنی ہر چیز سے

دست بردار ہو گیا، اور سب کچھ خدا کی نذر کر دیا۔

خدا کا نام لینا ہنسی کھیل نہیں

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔

بے شک اللہ نے خرید لیا ہے اہلِ ایمان سے ان کو اور ان کے اموال کو اس وعدہ پر کہ ان کا بدلہ جنّت ہے۔

فرمایا، خدا کا نام لینا آسان نہیں، ایک قصہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہر وقت اسم ذات ہی کا ورد کرتا ہے ایک منٹ کے لیے اس کی زبان نہیں تھمتی، اور ایک لمحہ بھی اپنے وقت کا ضائع نہیں کرتا حضرت موسیٰ کو اس سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہوا، جب اس کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت موسیٰؑ ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ مجھے عرصہ سے اللہ کے نبی کی زیارت کا اشتیاق تھا، خوب ہوا کہ آج دیدار ہو گئے، اگر اللہ تعالےٰ سے مناجات اور شرف ہم کلامی کا موقع ہو تو یہ دعا کر لیجیے گا کہ اللہ مجھے ایک بار اپنا نام لینے کی توفیق دے دے اور مرنے سے پہلے ایک مرتبہ وہ پاک نام لینا نصیب ہو جائے، حضرت موسیٰؑ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو ہر وقت اللہ کا نام لیتا ہی رہتا ہے اب اور کیا چاہتا ہے ؟ غرض جب حضرت موسیٰؑ کو باریابی ہوئی اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا عرض کیا، خدایا تیرے فلاں بندے نے مجھ سے یہ خواہش کی کہ میں تجھ سے عرض کروں کہ تیرا نام لینا نصیب ہو جائے، فرمایا، اچھا، اس کی دعا قبول ہوئی، اس کو میرا نام لینا نصیب ہو جائے گا، جب حضرت موسیٰؑ اس کے پاس پلٹ کر آئے اور کہا تمھاری دعا قبول ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تم کو نام لینا نصیب ہو جائے گا، بس اس پر اس نے ایک نعرہ لگایا،

اور اللہ کا نام لیا، اللہ کا نام لیتے ہی جاں بحق تسلیم ہوگیا، حضرت موسیٰؑ کو بڑا تعجب ہوا اور بارگاہ الٰہی میں رجوع فرمایا، ارشاد ہوا کہ اسم سے مانوس تھا، مسمّیٰ تک نہیں پہونچا تھا، اب مسمّیٰ تک پہونچ گیا، حقیقت یہی ہے کہ پہلے کثافت کو دور کرتے ہیں، پھر حقیقت تک پہونچتے ہیں، پہلے تخلیہ ہوتا ہے، پھر تحلیہ کسی کو نماز کے لیے کہا جائے اور اس کو بشری ضرورت کا تقاضہ ہو تو پہلے وہ اپنی ضرورت رفع کرتا ہے یہ نماز ہی کی تیاری ہے۔

شیخ سعدی کا تصوّف فرمایا کہ —— تمام عارفین کا کلام سرآنکھوں پر، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت کا کیا کہنا! سب نے اپنے اپنے مرتبے کے مطابق علوم و معارف لکھے ہیں لیکن مجھے شیخ سعدیؒ کے کلام سے بہت نفع ہوتا ہے پہلے تو خیال تھا کہ یہ میرا ہی تاثر ہے لیکن جب سے حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول دیکھا کہ شیخ سعدیؒ نے دو شعروں میں سارے تصوّف کا خلاصہ بیان کر دیا ہے تو میرے خیال کی تقویت اور تائید ہوگئی، اور مجھے سند مل گئی، وہ شعر یہ ہیں:-

مرا پیر دانائے مرشد شہاب | دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش | دوم آنکہ بر کس تو بد بیں مباش

کپڑے صاف ہوں تو رنگ چڑھ سکتا ہے شیخ سعدیؒ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پہلے کپڑے دھونے کی تلقین کرتے ہیں، کپڑے دُھلے ہوں تو جو چاہو رنگ چڑھا دو، چاہے سُرخ، چاہے سیاہ، چاہے نیلا، چاہے کچھ اور، میلے اور سیاہ کپڑوں پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا، ان دو شعروں میں بھی انھوں نے یہی تلقین کی ہے کہ دل کو کبر و غرور اور عجب و خود پسندی سے اور دوسروں سے بدگمانی، بدبینی اور بغض و حسد سے پاک کر لو، جب دل اس طرح سے پاک

وصاف ہو جائے گا، تو اس پر ہر اصلاح وتزکیہ کا رنگ چڑھ جائے گا،
فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ میں "الفرقان" میں آپ کے ملفوظات پڑھ کر بہت متاثر ہوا، مجھے پہلے بھی طریقہ نقشبندیہ سے عقیدت تھی، اور میں اسی میں منسلک ہونا چاہتا ہوں، میں نے جواب دیا کاش کہ آپ لکھتے کہ میں مسلمان بننا چاہتا ہوں، مسلمان بن جانا کپڑے دھو لینے کے مرادف ہے، جب آدمی مسلمان ہو گیا تو چاہے اس پر چشتیت کا رنگ چڑھا دیا جائے، چاہے نقشبندیت کا، مجھے یہ تعصب اور گروہ بندی کبھی پسند نہیں، ان طریقوں میں بھی بڑی مغائرت پیدا ہو گئی ہے۔ چشتی کا دل نقشبندی سے نہیں کھلتا نقشبندی کا چشتی سے، اسی طرح جب میں بعض کتابوں میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے مذہب میں اس طرح ہے یعنی مذہب حنفی میں، تو مجھے یہ بات چبھتی ہے چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی ہمارے ہی ہیں، میں نے یہ بھی لکھا کہ یہ بھی ضعیف الاعتقادی کی بات ہے کہ کسی کے اقوال اور کلام کو دیکھ کر اتنی جلدی معتقد ہو جائے، اصل چیز زندگی اور عمل ہے، حکمت کی باتیں دوسرے مذاہب کی کتابوں میں بھی ہیں۔

قطب صاحب (دہلی) کی حاضری

فرمایا کہ ــــــ میں ایک مرتبہ دہلی میں قطب صاحب گیا، میں ہمیشہ بزرگوں کے مزارات پر تنہا حاضر ہونا چاہتا ہوں تاکہ فقیرانہ شان ظاہر ہو، جس سے فائدہ ہوتا ہے، یہ مخدومیت ومشیخت کا موقعہ نہیں، لیکن لوگ نہیں مانتے، ایک ایک دو دو کر کے بہت سے آدمی ساتھ ہو گئے، وہاں خدام نے جب یہ جمگھٹا دیکھا تو سمجھے کہ یہ کوئی بہت بڑے صاحب سجادہ اور شیخ طریقت ہیں، ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت کا کیا طریقہ ہے؟ میں نے کہا میرا طریقہ آپ پوچھتے ہیں؟ میرا طریقہ ہے

ضرورت سے زیادہ بولنا، ضرورت سے زیادہ کھانا، ضرورت سے زیادہ سونا، میں اسی طریقہ میں مرید ہوں، پھر میں نے کہا کہ آپ اس سے زیادہ اور آسانی سے سمجھ جائیں گے کہ میں ایک ایسا کتا ہوں جو کیچڑ میں لت پت ہے، اس کو جس کی گود میں بٹھا دیجیے گا اس کو گندہ کردے گا، اسی طرح جس طریقہ میں داخل ہوں گا اس کو گندہ کردوں گا۔

مٹھائی کے ساتھ چٹنی بھی ضروری ہے

فرمایاکہ ——— یہاں ایک صاحب تھے مولوی لطف اللہ بڑے زاہد، بڑے تارک الدنیا، روپیہ پیسہ اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، اور پیسہ پر رات گزرنے نہیں پاتی تھی حضرت ابوذر غفاریؓ کی دلیل دیا کرتے تھے، لیکن اُن کے پاس تو روپیہ بھی جاتا تھا، اور انتقال کے وقت بھی انھوں نے کچھ چھوڑا، لیکن یہ حضرت کچھ رکھنے کے بھی روادار نہ تھے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق تھا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تھا تو میں انہی کی ترجیح کرتا تھا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنے ہی ہیں یہ غیر ہیں، ایک مرتبہ جماعت میں شریک تھے انھوں نے اقامت کہنی شروع کی اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ایسی عجلت میں اور غیر واضح طریقہ کے ساتھ کہا کہ اچھی طرح الفاظ ادا نہیں ہوئے تھے، والد صاحب رحمۃ اللہ نے مڑ کر فرمایا، مولوی صاحب! آپ عالم ہیں ان الفاظ کو تو ذرا صفائی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، ان کو ناگوار ہوا، اور کہنے لگے میں اس سے اچھے طریقہ پر نہیں کہہ سکتا، اس سے طرفین میں کچھ انقباض ہوا، والد صاحب کا تخاطب کم ہوا، انھوں نے اپنا بستر خانقاہ سے اٹھایا اور باہر چلے گئے، بس اتنی سی بات پر اتنے برہم ہوئے کہ اتنے پرانے تعلق کی بھی پرواہ نہ کی، اسی طرح جالنہ کی ایک مسجد میں ایک مولوی صاحب تھے نور محمد نامی،

ملتان کی طرف کے رہنے والے، پستہ قد تھے اور نہایت زاہد متقشف قرستان جایا کرتے تھے۔ جہاں کوئی خلاف شرع چیز سامنے آئی، خادم نے ذرا سا ہاتھ دبایا فوراً آنکھیں بند کرلیں کہ خلاف شرع چیز پر نظر نہ پڑنے پائے، ایک دن پڑھاتے پڑھاتے غصہ آیا، ایک طالب علم کو اتنا مارا کہ توبہ توبہ، یہ سب دماغ کی خشکی اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور دور بھاگنے کا نتیجہ ہے، ان حضرات کے واقعات کو دیکھ کر وہ حدیث سمجھ میں آئی جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن حضرت عائشہ رض کو حبشیوں کا کھیل اور کرتب دکھائے اور آپ کبھی کبھی حضرت عائشہ رض کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ بھی فرماتے تھے، اصل یہ ہے کہ مٹھائیوں کے ساتھ چٹنیوں کی بھی ضرورت ہے، حیات طیبہ اور صحابہ کرام رض کی زندگی میں مٹھائی کے ساتھ چٹنی بھی تھی، جس سے طبیعت کا اعتدال اور مزاج کی شگفتگی باقی رہتی ہے، ان حضرات نے مٹھائیاں تو لے لیں، چٹنی چھوڑ دی، میں نے اکثر گوشہ نشین زاہدوں اور صحبت و اختلاط سے بچنے والوں کو غیر متوازن اور سنکا ہوا پایا، مٹھائی کے ساتھ چٹنی ضروری ہے، ورنہ معدہ خراب ہو جائے گا اور طبیعت اعتدال سے ہٹ جائے گی۔

روح کی تفسیر اور اس کی بلیغ مثال

فرمایا کہ ـــــ انسان کے جسم کی ساری قدر و قیمت روح سے ہے، روح نہیں تو انسان کا جسم بے قیمت اور بے حقیقت ہے "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" کی تفسیر میں لوگوں نے صفحے کے صفحے لکھے ہیں، لیکن مجھے تو ایک مثال سے اس کے معانی خوب سمجھ میں آئے، سب سمجھتے ہیں کہ مجھے نوٹ سے دلچسپی ہے مگر مجھے نوٹ سے دلچسپی نہیں حکم سے دلچسپی ہے، اگر حکم ہو جائے کہ فلاں نمبر کے نوٹ بیکار ہیں، تو نوٹ ردی

کاغذ سے زیادہ نہیں، پھر نہ کوئی اس کو رکھے گا نہ کوئی اس کی حفاظت کرے گا، میں نے ایک صاحب سے کہا کہ میں ایسی ترکیب بتاؤں کہ تیرہ ہزار روپے تجوری میں رکھے ہیں اور قفل بھی نہ ٹوٹے اور چوری چلے جائیں سب کو اس پر تعجب ہوگا، لیکن یہ بات بہت آسان ہے، حکم آجائے کہ فلاں نشان کے نوٹ بیکار ہیں وہ نہیں چلیں گے، بس تجوری میں رکھے رکھے وہ نوٹ بے جان اور بے قیمت ہو جائیں گے، گویا چوری چلے گئے، اسی طرح حکم صادر ہوا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے اگر وہ آہنی برجوں اور بڑے بڑے قلعوں میں بھی ہوں تو لاشہ بے جان اور مٹی کا ڈھیر، اسی کو قرآن مجید میں کہا گیا ہے:۔

اَيْنَمَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ — جہاں کہیں بھی تم ہو پالے گی تم کو موت

وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ — اگرچہ تم مضبوط برجیوں میں کیوں نہ ہو۔

تجوری میں نوٹ ہیں مگر بے قیمت کاغذ کا ڈھیر، آہنی برجوں اور سنگین قلعوں میں انسان ہیں مگر جسد بے جان اور خاک کا ڈھیر، دونوں میں کیا فرق ہوا۔

سلوک کبھی تمام نہیں ہوتا ہر منزل کے بعد ایک منزل ہے

فرمایا ——— مجھے یہ جملہ چبھتا ہے کہ قرآن مجید ختم ہوگیا، فلاں کا سلوک ختم ہوگیا، فلاں کو خلافت مل گئی کہیں قرآن کبھی کسی کا ختم ہوا ہے؟ اور سلوک بھی کبھی تمام ہوا ہے کہنے والے نے صحیح کہا ہے کہ ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
منزل تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

یہاں ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ ہر منزل کے بعد ایک منزل ہے تمدنی ترقیات کا بھی یہی حال ہے پہلے میٹھے تیل کا دیا جلتا تھا، ہمارے

یہاں خانقاہ میں جب کوئی بہت معزز آدمی آنے والا ہوتا تھا تو دو بتیوں کا دیا جلاتے تھے اور ہم بہت خوش ہوتے تھے کہ خانقاہ چمک اٹھی، پھر مٹی کا تیل نکلا، اور گیس آئی اور پھر بجلی آئی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معرفت وسلوک کے ارتقاء کا ذکر کیا ہے وہ وحدۃ الوجود کا انکار اور اس کے ماننے والوں پر طنز وتعریض نہیں کرتے، فرماتے ہیں کہ یہ ایک مقام ہے جو سالک کو پیش آتا ہے اور میں بھی اس پر مدت تک رہا ہوں، پھر اللہ نے اس سے آگے بڑھایا اپنے پیر حضرت خواجہ باقی باللہ کا بھی حوالہ دیتے ہیں اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ گواہ بناتے ہیں کہ شیخ بھی اس مقام پر تھے لیکن پھر اس سے آگے بڑھ گئے اور حضرت مجدد کے کلام کی تصدیق فرمائی، سلوک ایک بے نہایت اور بے پایاں چیز ہے، ہر شخص بقدر ظرف اور بقدر حوصلہ اس سے حصہ پاتا ہے، اور اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، کسی ہندی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

مصری کا پربت بھیو چیونٹی لے لے جائے
ان منکھ اپنا بھر لو پریت لیے نہ جائے

قرآن مجید میں ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ۔	اور اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور سمندر سیاہی ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی بن جائیں تو اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔

آٹھویں مجلس

۲۱؍شوال ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۲؍جنوری ۱۹۶۳ء ۱۱ تا ۱۲½ بجے دن

خانقاہ شریف، حاضرین بدستور

> سب سے اہم وظیفہ یہ ہے کہ اعمال ریا سے خالی ہوں

راقم السطور ذرا تاخیر سے حاضر ہوا، عرض کیا ہم لوگ قصداً تاخیر سے حاضر ہوتے ہیں تاکہ حضرت وظائف ومعمولات سے باطمینان فارغ ہو جائیں اور کچھ آرام فرما لیں ارشاد ہوا کہ میرے وظائف کیا، اُم الوظائف تو یہ ہے کہ اعمال ریا سے خالی ہوں، خالق سے نظر ہٹ کر مخلوق پر جم جانا بلکہ مخلوق کا وجود ہی تسلیم کرنا شرک ہے اور یہی وہ شرک ہے جس کو رات کی تاریکیوں میں چیونٹیوں کے رینگنے سے زیادہ دقیق اور نازک بتایا گیا ہے بزرگوں کی خدمت میں بیٹھ کر یہی معلوم ہوا کہ سب سے بڑی بات یہی ہے کہ اپنے سے بھی بے نشان ہو جائے اور دوسروں سے بھی، جہاں یہ خیال آیا کہ میری تقریر کا حاضرین پر کیا اثر پڑا، بس ریا آیا، تخیل کے بال برابر سرک جانے سے سیکڑوں میل راستے کا فرق پڑ جاتا ہے، تخیل بہت لطیف اور نازک ہوتا ہے لیکن

ساری زندگی کے جہاز کو وہی چلاتا ہے، ایک بچہ ریل گاڑی کے بھاری بھاری پہیوں کو دیکھتا ہے، اپنے باپ سے پوچھتا ہے کہ ان بڑے بڑے پہیوں کو کون سی طاقت چلاتی ہے، وہ کہتا ہے، بیٹا، کبھی سردی میں لحاف میں منھ ڈھانپ کر دیکھا ہے؟ دیکھا ہے کہ منھ سے کوئی گرم گرم شئے نکلتی ہے؟ بیٹا کہتا ہے ہاں، باپ کہتا ہے کہ یہی بھاپ یا اسٹیم پورے جہاز یا پوری ریل گاڑی کے پہیوں کو حرکت دیتی ہے، کپتان یا ڈرائیور اس لطیف اور نازک بھاپ کی بڑی نگہداشت رکھتا ہے یہ ہلکی ہو جائے تو نقصان پہونچے، تیز ہو جائے تو خرابی پیدا کرے، بس ہر وقت اس کو اعتدال اور نظم میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

جو چیز مفت مل جاتی ہے اس کی قدر نہیں ہوتی

فرمایا کہ — جو چیز مفت مل جاتی ہے، اس کی قدر نہیں ہوتی، بڑے بڑے معارف اور حقائق بے محنت ومشقت مل جائیں تو ان کی وقعت ہی نہیں رہتی اور محنت کر کے یہی پانی جو بہا پھرتا ہے حاصل ہو تو اس کی کیسی قدر اور حفاظت ہوتی ہے۔ منے میاں (صاحبزادہ) بڑی محنت اور اہتمام سے کنواں کھدوا رہے تھے، کئی بار اس میں مٹی آچکی تھی، صاف اور میٹھا پانی نکلا اس کو شیشی میں رکھ کر بڑے تحفہ کے طور پر لائے اور مجھے دیا، قرآن مجید میں کیسے کیسے علوم ومعارف بیان کیے گئے ہیں کوئی ان کے لیے مشقت نہیں اٹھاتا اور قدر نہیں کرتا، ابھی کوئی کہہ دے کہ فلاں مکان میں جو کھنڈر ہو گیا ہے خزانہ گڑا ہوا ہے، تو لوگ اس زمین کو خرید لیں گے اور دفینہ برآمد کریں گے۔ اس پر آپ نے حضرت ابن سیرین کے تعبیر خواب کے واقعات سنائے قرآن مجید میں بالکل ابتدا ہی میں کتنی بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے ذلك الكتاب لا ريب فيه، آپ کے پاس کسی خوشی

یا غمی کا تار آتا ہے، اگر خوشی کا تار آتا ہے تو سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، اگر غم کی کوئی اطلاع ہوتی ہے تو سارے گھر پر اداسی چھا جاتی ہے، حالانکہ "تار" اطلاع ہے واقعہ نہیں، لیکن آنا اور قرآن سے اس خبر پر یقین پیدا ہو جاتا ہے یہ اسی کا کرشمہ ہے، پھر اللہ کی دی ہوئی اطلاعات اور قرآن کے علوم و معارف میں کیا شک ہے۔

نماز کبھی پرانی نہیں ہوتی؟

فرمایا ـــــ ہمار عبادتیں کبھی عادتیں بن گئی ہیں نماز کا وقت آیا نماز پڑھ لی، روزہ کا زمانہ آیا روزہ رکھ لیا، عبادت یہ ہے کہ نفع کا یقین اور اجر کا اشتیاق ہو، دیکھیے منی آرڈر لانے والے ڈاکیہ کا کس طرح استقبال کیا جاتا ہے اور کس طرح اس کے لیے راحت و آرام کو قربان کیا جاتا ہے، میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ تہجّد کے لیے بیدار ہوئے تو کہا چائے لاؤ، میں نے کہا یہ بھی ایک طرح کا انجکشن ہے، نماز کے لیے نشاط اور تازگی پیدا کرنے کے لیے کسی خارجی مدد کی ضرورت نہیں، فرمایا ـــــ نماز کبھی پرانی نہیں ہوتی، ہر دن کی نماز نئی نماز ہے جو نماز کل تھی وہ آج نہیں، اسی طرح ہر نماز نئی ہے اور ہر ذکر نیا، اگر محبت اور نفع کی امید ہو تو ہر روز نئی بات، ہر روز نیا چہرہ، فضل الرب (صاحبزادہ) بیمار تھا، میں نے اس کو دیکھا بالکل نیا چہرہ معلوم ہوا، برسوں سے میرے پاس منی آرڈر آتے ہیں لیکن منی آرڈر لانے والا ڈاکیہ ہر روز نیا معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کا بتایا ہوا تھرمامیٹر

انس و محبت وہ چیز ہے کہ مانوس اور محبوب کا نام آتے ہی نبض تیز ہو جاتی ہے۔ مولانا روم نے مثنوی میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ ایک عورت پر عاشق ہوا، اس نے اس سے شادی کر لی اور محل میں لے آیا، کچھ دنوں کے بعد وہ عورت بیمار ہوئی اور کوئی دوا کارگر

نہ ہوئی۔ شاہی حکماء نے ہزار تدبیریں کیں کوئی راس نہ آئی، مرض بڑھتا ہی گیا، آخر بادشاہ نے درباری طبیبوں کو دھمکایا اور کہا کہ اگر علاج سے فائدہ نہ ہوا تو میں سب کے منصب اور تنخواہیں بند کردوں گا، جب مجھی کو تمھاری حذاقت کام نہ آئی تو وہ کس دن اور کس کے لیے ہے؟ حکماء بہت گھبرائے۔ ایک تجربہ کار حکیم نے بادشاہ سے کہا کہ میں تخلیہ میں مریضہ کی نبض دیکھنا اور اس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں، بادشاہ نے اجازت دے دی، حکیم نے باتوں باتوں میں اس کا وطن، شہر، خاندان وغیرہ پوچھا، پھر محلوں اور وہاں کے رہنے والوں کے نام لینا شروع کیے اور نبض پر ہاتھ رکھے رہا۔ آخر جب ایک زرگر کا نام آیا تو عورت کی نبض تیز ہو گئی اور زور زور سے چلنے لگی۔ حکیم نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہ عورت فلاں زرگر پر عاشق ہے قصہ تو اس کے بعد بھی چلتا ہے لیکن میرا مدعا اسی سے حاصل ہے۔ قرآن مجید نے یہی تھرمامیٹر ہم کو دیا ہے۔

فرمایا:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ[1]

وجلت قلوبھم کا بلیغ ترجمہ

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ "یعنی ان کی نبض تیز ہو جاتی ہے اور دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے کہ ان کو اس نام کی لذت حاصل ہے اور اس ذات سے عشق ہے۔" اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا" یعنی ان کو ایک نیا لطف اور نیا ذوق حاصل ہوتا ہے۔ اسی لیے کہتا ہوں کہ ہر نماز نئی ہوتی ہے اور ہر بار کا ذکر نیا ہوتا ہے۔

[1] اس آیت میں اہل ایمان کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ کا ذکر ہو اور کلام الٰہی پڑھا جائے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ (الفرقان)

اللہ تعالےٰ کے اسماء وصفات کی دلربائی و دل نوازی

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور صفات ایسے دلفریب اور دلربا ہیں کہ ان کا ذکر کرنے سے نبض کی حرکت تیز ہی نہیں ہوتی، بلکہ عجب نہیں کہ نبض چھوٹ جائے اور جگر شق ہو جائے۔ اگر قبرستان میں پڑھی جائے تو مردے کفن پھاڑ کر باہر آجائیں۔ دیکھیے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ	وہ اللہ جس کے سوا بندگی نہیں کسی کی
عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ	جانتا ہے چھپا اور کھلا، وہ ہے بڑا مہربان
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ	رحم والا، وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی
الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ	معبود نہیں، صاحب اقتدار پاک ذات،
الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ	مجسم سلامتی، امان دیتا پناہ میں لیتا،
الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ	زبردست دباؤ والا صاحب عظمت۔
سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝	پاک ہے اللہ اس سے جو شریک بتاتے
هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ	ہیں، وہ اللہ ہے بنانے والا نکال کھڑا
الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى	کرتا ہے صورت کھینچتا۔ اسکے ہیں سب نام
یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ	خاصے اس کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝	اور زمینوں میں وہی ہے زبردست حکمت والا۔

کوئی ٹھکانا ہے ان کے حسن وجمال اور لطف و اثر کا۔

اہل قبور کی حسرت

میں قبرستان میں قرآن شریف پڑھتے ہوئے گھبراتا ہوں (علاوہ ان آیات کے جن کی تعلیم دی گئی ہے) کہ معلوم نہیں مُردوں پر کیا کیا گزرے، ان کو کیسی کیسی حسرتیں ہوں گی کہ ہماری سلطنت پر اغیار کا قبضہ ہے، جو چیزیں ہماری ملکیت میں تھیں وہ دوسروں کی ملکیت میں ہیں

ہم خدا کا نام لے سکتے تھے، ہم ذکر کر سکتے تھے ہم قرآن پڑھ سکتے تھے، آج بالکل مجبور و معذور ہیں۔ ان کو کیسی تڑپ اور بے چینی ہوتی ہوگی، آج وہ ایک بار کلمہ پڑھنے سے بھی عاجز ہیں اور ترستے ہیں کہ ایک بار کلمہ کا یا ایک آیت کی تلاوت کا ثواب کوئی ان کو پہونچا دیتا۔

قصہ ہے کہ ایک بادشاہ خاصۂ شاہی تناول فرما رہے تھے، ایک پہرہ دار کھڑا تھا، اس میں ایک دم سے ایک اضطراری کیفیت پیدا ہوئی اور وہ اس طرح تڑپ گیا جیسے بجلی کوندے، بادشاہ نے اس کی تڑپ دیکھی اور کہا کیا بات ہے؟ اس نے بہت سی باتیں بنائیں اور کہا کہ مجھ پر کبھی کبھی ایک بیماری کا دورہ پڑتا ہے، بادشاہ نے کہا نہیں، سچ سچ کہو، ہم لوگ قیافہ شناس اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ یہ بیماری نہیں کچھ اور بات ہے۔ زیادہ اصرار کرنے سے اس نے بتایا کہ میں بھی کسی وقت میں بادشاہ تھا اور میں بھی کبھی اسی طریقے سے خاصہ تناول کرتا تھا اور چوبدار و غلام اسی طرح کھڑے رہتے تھے۔ وہ منظر یاد کر کے میرے اندر بجلی سی کوندگئی، بادشاہ نے اس کا امتحان لیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ شاہی کھانوں کا ذائقہ شناس ہے اور اس کی باریکیوں کو جانتا ہے۔ جب بادشاہ کو اس کی تصدیق ہوگئی تو اس نے اس کو اپنے ساتھ شاہی دسترخوان پر بٹھایا اور شریک طعام کیا، ایک دوسرا پہرہ دار یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ عرصہ کے بعد یہی سوانگ بھرا اور ایسی ہی اضطراری کیفیت اس نے اپنے اندر تکلفاً پیدا کی، بادشاہ نے اس کا بھی امتحان لیا۔ جب معلوم ہوا کہ مدعی جعل ساز ہے تو اس کو ذلیل کر کے نکال دیا۔ بس جس طرح سے پہرہ دار کے اندر جو کبھی بادشاہت کرتا تھا یہ شاہانہ منظر دیکھ کر حسرت و بیقراری پیدا ہوئی اور اس کو اپنا پرانا زمانہ

یاد آگیا اسی طرح ان اہل قبور کو اپنا وہ پُرانا زمانہ یاد آجاتا ہے۔ جب وہ کبھی اللہ کا نام لینے، قرآن شریف کی تلاوت کرنے اور ذکر و عبادت کے قابل تھے، بے چین ہو جاتے ہیں۔

جب دیوانِ شاہی کے ذکر کا یہ اثر ہوتا ہے تو بارگاہ خداوندی کے ذکر کا کیا اثر ہونا چاہیے۔

فرمایا ــــ میں نے بھوپال میں تین دور دیکھے ہیں، ایک دور تھا جب یہاں شاہجہاں بیگم صاحبہ کی حکومت تھی، اس وقت جب کوئی کہتا تھا کہ ہم شاہجہاں آبادؔ[1] جا رہے ہیں تو چہرہ خوشی سے چمک جاتا تھا، پھر سلطان جہاں بیگم صاحبہ کا دور آیا، اس وقت جب کوئی کہتا تھا کہ ہم احمد آبادؔ[2] جا رہے ہیں تو آنکھوں میں چمک محسوس ہوتی تھی، پھر یہ دور دیکھا کہ محمود علی خاں محفوظ علی خاں خانقاہ میں عید ملنے آتے اور کہتے کہ ہم شملہ کوٹھی[3] جا رہے ہیں تو چہرہ پر بشاشت ظاہر ہوتی، حکمراں کے نام اور اس سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا یہ اثر ہوتا ہے تو خدا کے نام اور اس سے نسبت رکھنے والی چیزوں کا مومن پر کیا اثر ہونا چاہیے۔

[1] بھوپال کا وہ محلہ جہاں شاہجہاں بیگم صاحبہ کے زمانہ میں حکومت کے دفاتر تھے اور جہاں دربار ہوتا تھا۔

[2] سلطان جہاں بیگم صاحبہ کے زمانہ کا دارالحکومت، یہ محلہ بیگم صاحبہ کے شوہر نواب احمد علی خاں معروف بہ سلطان دولہا کے نام پر موسوم تھا۔

[3] شملہ کوٹھی سلطان جہاں بیگم کے منجھلے صاحبزادے جنرل عبید اللہ خاں صاحب کی رہائش گاہ، جہاں ان کے دونوں بیٹے سعید میاں اور رشید میاں رہتے تھے یہ جگہ بھوپال میں شملہ پہاڑی پر واقع ہے۔

قرآن مشیخت اور بزرگی کی نفی کرتا ہے

فرمایا ــــ قرآن مجید مشیخت اور بزرگی کی نفی کرتا ہے وہ سب کو بندہ اور خدا کا محتاج ثابت کرتا ہے، وہ صاف اعلان کرتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ٥

اے لوگو! تم محتاج ہو اللہ کی طرف اور اللہ وہی ہے نیاز ستودہ صفات ہے۔

اسی لیے خانقاہوں میں قرآن مجید کے بجائے تصوّف کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ وہاں کسی کو قدوۃ السالکین کسی کو زبدۃ العارفین کا لقب دیا جاتا ہے اور کوئی مرشد کے قدم لیتا ہے، وہاں جب یہ شعر پڑھے جاتے ہیں تو ساری مجلس جھوم جاتی ہے ؎

اے کہ کردی ذات مرشد را قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول
در بشر روپوشش آمد آفتاب
فہم کن واللہ اعلم بالصواب

ریت کے ذرّے یا پتھر کے چٹان

فرمایا ــــ ایک دن حاجی فضل الرحمٰن صاحب جامع مسجد میں جمعۃ الوداع کی نماز پڑھ کر آئے اور کہنے لگے کہ آج جامع مسجد میں بہت آدمی تھا، میں نے کہا کہ ریت کے ذرّوں کی طرح تھے یا پتھر کی طرح؟ ریت کے ذرّے تو ہوا کے جھونکوں سے ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف اڑتے رہتے ہیں۔ میں نے ۱۳۲۲ھ میں پہلا حج کیا، میں جدہ اور مکہ کے راستہ میں دیکھتا تھا کہ کبھی ریت کا پہاڑ راستہ کے دائیں طرف کھڑا ہے، کبھی بائیں طرف، جدھر کی ہوا ہوتی ریت اسی طرف چل دیتی، لیکن جب یہ ذرّے

ایک دوسرے سے پیوست ہو جاتے ہیں تو پتھر کا ایک ٹکڑا ہو جاتا ہے، جو اگر کسی کے منہ پر مار دیا جائے تو کام تمام کردے، اسی کو کہا گیا ہے:

کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ	کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو غالب
غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ	آئیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے
وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝	اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

موت گھبرانے کی چیز نہیں

فرمایا ـــــــ مجھ پر کئی مرتبہ موت کی سی کیفیت طاری ہوئی کئی مرتبہ مرمر کر بچا، بعض مرتبہ گھر والے بالکل مایوس ہو گئے میں نے کہہ دیا تھا کہ ذہول کی حالت میں زور زور سے کلمہ پڑھا جائے تاکہ اس غفلت اور بے ہوشی میں بھی سنا جائے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی حالت تھی تیماردار مایوس ہو رہے تھے۔ حکیم ضیاء الحسن صاحب[1] آئے انھوں نے نبض دیکھی تو کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں نے کہا کہ موت بھی کوئی گھبرانے کی چیز ہے جو موت سے گھبرایا اس نے لکھا پڑھا سب غارت کیا اور ساری عمر کی محنت پر پانی پھیر دیا۔ گھبرانے کی چیز معصیتیں اور گناہ ہیں۔ گھبرانے کی چیز تو یہ شادیاں ہیں جن میں خدا اور رسول کو گھر سے رخصت کر دیا جاتا ہے اور قرآن و حدیث کو طاق پر رکھ دیا جاتا ہے۔ من مانی کی جاتی ہے۔

دو چیزیں پہلے عبادت تھیں اب صرف رواج اور عادت ہیں

فرمایا ـــــــ دو چیزیں پہلے عبادت تھیں ایک نکاح، ایک کھانا، اب دونوں میں سے دین و شریعت کے احکام اور ایمان و احتساب کی روح نکل گئی کھانے کی یہ اہمیت و عظمت اور اس کا عمل و عبادت ہونے کا تصور شیخ الحدیث

---

[1] بھوپال کے مشہور طبیب افسر الاطباء حکیم ضیاء الحسن صاحب مرحوم

مولانا محمد زکریا صاحب کے یہاں دیکھا۔ میں ایک دن دوپہر کے کھانے میں شریک تھا، ایک صاحب آئے ہوئے تھے جن سے ان کے سلسلہ اور مشائخ کے تعلقات تھے۔ انھوں نے کھانے میں کسی مقدمہ یا عدالتی قصہ کا ذکر چھیڑا، فرمایا، ابھی کھانا کھائیے پھر سنیں گے۔

خدا کی ناقدری

فرمایا ــــــ ایک بڑی بی والد صاحب کے پاس اکثر آتی تھیں اور اپنا دکھڑا اروتی تھیں، ہمیشہ رام کہانی سناتی تھیں، ایک ایسی ہی رام کہانی سنانے لگیں اور بہت ہی تکلیفیں اور پریشانیاں بیان کر کے کہنے لگیں، یہ نہیں ہے وہ نہیں ہے، کہنے لگیں میرا تو اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ نے خوب کہا، مجھے بادشاہ اپنی گود میں بٹھالے اور میں ہزاروں شکایتیں کر کے کہوں کہ میرا تو بادشاہ کے سوا کوئی نہیں، یہ بادشاہ کی تعریف ہوئی یا ہجو؟

نویں مجلس

۲۲ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۳ر جنوری ۱۹۶۸ء خانقاہ
شریف بھوپال

استعداد ہر شخص کے اندر موجود ہے صرف اس کو ترقی دینے کی ضرورت ہے

فرمایا ـــــ اس فضا میں فیوض ہر طرح کے موجود ہیں، فیوض ہی نہیں میں تو کہتا ہوں وجود بھی ہر طرح کے موجود ہیں، لیکن ان فیوض کے ادراک اور ان سے استفادہ کرنے کے لیے استعداد اور اس حاسہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے جس سے ان کا تعلق ہے۔ قوت سامعہ سب کو ملی ہے لیکن اس سامعہ کے اندر ایک اور سامعہ ہے جو اگر بیدار نہیں ہے تو بہت سی اصوات اور مسموعات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس قوت اور اس کے مدرکات کے درمیان ایک رابطہ کی ضرورت ہے۔ اگر وہ رابطہ موجود ہے تو وہ قوت ان کو اخذ کرے گی ورنہ اس کو ان کا ادراک بھی نہیں ہوگا۔

جس طرح آوازیں فضا میں محفوظ ہیں اسی طرح استعدادیں نفس انسانی میں

دیکھیے آوازیں ہمیشہ سے فضا میں موجود تھیں لیکن جب تک وہ رابطہ پیدا

نہیں ہوا، ان کا کسی کو بھی احساس نہ تھا اور نہ کوئی ان کو سنتا تھا، اب آپ یہاں بیٹھے بیٹھے کراچی کی، مکہ کی اور لندن کی آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ یہ حاسہ سب کو ملا ہے صرف بیدار کرنے نہ کرنے ترقی دینے نہ دینے کا فرق ہے اسی کو لوگ بزرگی اور ولایت سمجھنے لگتے ہیں، ایک شخص آپ کے سامنے انگریزی کا خط فر فر پڑھتا چلا جاتا ہے، آپ انگریزی پڑھے ہوئے نہیں ہیں، آپ اس کو کرامت یا بزرگی سمجھنے لگیں گے کہ آپ دو لفظ نہیں پڑھ سکتے، آپ کو معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور وہ سبق کی طرح اس کو پڑھتا چلا جاتا ہے لیکن اگر آپ بھی اس علم کو سیکھ لیں اور اس حاسہ کو بیدار کرلیں تو آپ بھی پڑھ سکتے ہیں، ولایت اور بزرگی کے جو مراتب و کمالات بیان کیے گئے ہیں اور بزرگوں کے جن کمالات کا ذکر ہم سنتے ہیں ان سب کی استعداد عام مسلمانوں میں موجود ہے صرف نبوت، شرف صحابیت اور اسی طرح سے تابعی ہونے کی سعادت اس زمانہ میں ممکن نہیں کہ ان کا ایک زمانہ پر اختتام ہوچکا ہے، باقی سب ممکن ہے البتہ استعدادیں مختلف ہیں، یہ ضروری نہیں کہ جو مرتبہ حضرت مجدد صاحبؒ کو حاصل ہوا وہ آپ کو حاصل ہوجائے۔ استعدادوں کا تفاوت برحق ہے۔

ولایت ذاتی ہے اور گناہ عارضی

لوگوں کی عادت ہے کہ ایک کو بزرگ مان لیتے ہیں اور اسی سے دعا کراتے ہیں باقی نہ اپنے کو دعا کے قابل سمجھتے ہیں نہ عام مسلمانوں میں کوئی بزرگی مانتے ہیں میں تو سمجھتا ہوں کہ گنہگار مسلمانوں میں بھی اثر و قبولیت ہے، ولایت ہر مسلمان کے لیے ذاتی ہے اور گناہ عارضی، اللہ نے تو بزرگ ہی پیدا کیا ہم شیطان ہوگئے دیکھیے جب ہم بچے تھے تو گناہوں سے معصوم، ولی قطب سب تھے، بڑھ کر شیطان

ہو گئے۔ مگر یہ عارضی چیز ہے۔ مسلمانوں نے ہر چیز میں تقسیم کر رکھی ہے امامت کے لیے بھی وہ کسی کو مخصوص کر دیتے ہیں حالانکہ امامت بھی کسی کے ساتھ مخصوص نہیں، ہر مسلمان امامت کر سکتا ہے، مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ ایک شخص کو امامت کے لیے نوکر رکھ لیا جائے۔ اور وہی نماز پڑھاتا رہے، یہ کیسا امام و مؤذن؟ ہر ایک امام و مؤذن ہے اسی طرح دعا ہر مسلمان کر سکتا ہے اور اس کی دعا سے بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں۔ پیر صاحب ہی دعا کرنے کے لیے نہیں ہیں تم بھی ہو۔

> دعا کی قبولیت کے لیے بزرگی شرط نہیں دل شکستگی شرط ہے

یہاں ایک معزز آدمی تھے۔ ریاست کے انضمام کے بعد بہت سے معزز مسلمانوں پر دار و گیر ہوئی، ان پر بھی چیف کمشنر صاحب نے ایک مقدمہ قائم کر دیا، بجائے نماز، روزہ اور ذکر و تلاوت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے تھے، ایک حافظ صاحب کو لے کر میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھ پر مقدمہ قائم ہو گیا ہے آپ جو کچھ بتائیں ان حافظ صاحب کو بتا دیجیے یہ پڑھ لیں گے میں نے کچھ پڑھنے کو بتا دیا، کئی روز پڑھتے ہوئے ہو گئے کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ ایک دن انھوں نے حافظ صاحب کو موٹر پر بٹھایا اور جنگل میں لے گئے اور کہنے لگے کہ تم اتنے دن سے اللہ کا کلام پڑھ رہے ہو ابھی تک کوئی نتیجہ نہیں نکلا، میں یہ نہیں مان سکتا کہ اللہ کے کلام میں اثر نہ ہو، اللہ کا کلام اور اور اس سے ابھی تک نتیجہ نہ نکلے یہ ممکن نہیں، اب میں تم سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر میں نہ چھوٹا تو میں تمھارے قتلے قتلے کر دوں گا۔ میں نے معلوم نہیں کتنے خون کیے ہیں، میں تمھاری بوٹی بوٹی کر کے کسی کنوئیں میں ڈال دوں گا، کسی کو پتہ نہ چلے گا، اب تم جانو تمھارا کام!

وہ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور قصہ سنایا میں نے کہا کہ اب تم اپنی فکر کرو، میں کچھ نہیں جانتا، بہرحال انھوں نے اس بے قراری میں جو کچھ دعا کی ہو وہ رئیس صاحب صاف بری ہو گئے۔ مجھے تو ان کے اس یقین اور ایمانی قوت کا لطف آیا کہ خدا کا کلام اور اس کے پڑھنے سے کچھ نہ ہو، نہیں ہو سکتا۔

جب فتوحات کے دروازے بند ہو جائیں اس وقت وفاداری بڑی قابل قدر ہے

فرمایا کہ تنگی کا وقت بڑی برکت کا ہوتا ہے انقباض کا وقت انشراح کے وقت سے بہتر ہے انشراح کی حالت میں عبادت بلا تکلف اور فطرۃً ہوتی ہے انقباض کے وقت جب فتوحات کے دروازے بند ہو جائیں بندگی اور وفاداری بڑی مردانگی ہے اور اس کی بڑی قدر کی جاتی ہے اگر کوئی کسی کا خیال کرے اور وہ اس کا دم بھرے، یہ تو ایک قدرتی بات ہے، اس وقت کی عبادت و خدمت خلوص سے نہیں ہوتی، جو شخص اس موقع پر اپنے محسن کی خدمت کرے تو اس کو ذات سے محبت نہیں انعامات و عطا سے محبت ہے اور جب بظاہر نگاہ پھر جائے تو اس وقت جو محبت کا دم بھرے تو یہ محبت ذاتی ہے، محبت ذاتی میں دوام ہے، پختگی ہے، ثبات و استقامت ہے، خلوص تو یہ ہے سب بند کر دو پھر بھی دروازہ نہ چھوڑیں گے۔ حافظ فرماتے ہیں ؎

ہنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی
کیں کیمیائے ہستی قارون کند گدا را

یہ دور پریشانی کا نہیں فرحت کا دور ہے

لوگ کہتے ہیں کہ اسلام پر بڑا نازک وقت آیا ہے مسلمانوں پر بڑی پریشانی کا دور ہے، میں کہتا ہوں بڑی فرحت کا دور ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہر وقت فرحت ہی کا زمانہ ہے۔

دیکھیے اسلام کی تاریخ میں جنگ احد سے زیادہ کوئی سخت وقت نہیں آیا، ستر جلیل القدر صحابی شہید ہوئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا گیا، دندان مبارک شہید ہوئے۔ چہرۂ مبارک پر ایسے گہرے زخم آئے کہ حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ بھری۔ ان سب کے بعد ابوسفیان اور حضرت خالد نے جو اس وقت کفار کے قائد تھے للکارا کہ ابھی کیا ہوا ہے ایک اور فوج آرہی ہے وہ تمھارا رہا سہا کام تمام کرے گی لیکن اس حالت میں صحابہ کرامؓ کے ایمان ویقین اور فرحت وانبساط میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اضافہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ"[1] یہ جرمنی ایمان ہے جاپانی نہیں۔ جب ٹکر لگی تو معلوم ہوا کہ کتنا پختہ ہے۔ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اس کو کسی نے پچھاڑ دیا اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور چھرا نکال کر اس کو دکھایا کہ اب تیری مدد کون کرے گا اور تجھے اس وقت کون بچا سکتا ہے، اس نے کہا اللہ، چنانچہ ایک تیر پیچھے سے آیا اور وہ شخص گرا، مسلمان نے اس کا چھرا لے کر اس کو ذبح کر دیا، اس طرح کے واقعات تاریخ اسلام میں بہت آئے ہیں یہاں تو یہ حال ہے کہ جدھر کو ہوا چلی ادھر کو مڑ گئے۔

شریعت کی کسوٹی سب سے زیادہ ضروری

فرمایا ـــــ وظائف و اذکار سے بعض مرتبہ فتوحات کا دروازہ کھلتا ہے، اس وقت یہ دیکھنے کی بات ہے

---

[1] وہ بندے جن سے لوگوں نے کہا کہ دشمنوں نے تمھارے مقابلہ کے لیے بڑی جمعیت اکٹھی کی ہے تمھیں ان سے ڈرنا چاہیے تو اس سے ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے کہا کہ ہمارا اللہ ہمارے واسطے کافی ہے اور وہ بہترین کارپرداز ہے۔

کہ یہ حلال ہے یا حرام، شریعت کا حکم ہے یا نہیں، اگر اس امتحان میں آدمی پورا اترا تو پھر اللہ کی مدد ہوتی ہے اور دروازہ کھل جاتا ہے۔ دہلی میں ایک زرکوب تھے، نیک اور صالح آدمی۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ جب سے میرا ہاتھ بیکار ہو گیا ہے اور ورق کوٹنے سے میں معذور ہو گیا ہوں، تنگ دستی و ناداری نے پریشان کر دیا ہے، میں نے کچھ پڑھنے کو بتا دیا چند دن کے بعد وہ ملے اور بہت خوشی سے کہنے لگے کہ آپ نے پڑھنے کو جو کچھ بتایا تھا اس سے بڑا فائدہ ہوا، میں سڑک پر جا رہا تھا کہ ایک پڑیا پڑی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے اٹھایا تو اس میں سو سو کے نوٹ تھے میں نے کہا کہ یہ اس پڑھنے کی برکت ہے اور رکھ لیا، میں نے جواب دیا کہ تم کو اس وقت یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ یہ ناجائز ہے اگر تم اس امتحان میں پورے اترتے تو پھر اللہ کی مدد ہوتی۔

زمان و مکان کے آداب سمجھ میں آجائیں تو ہر چیز خود بخود سمجھ میں آجائے گی

فرمایا —— ایک چیز کے سمجھنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ جہاں آپ بیٹھے ہیں اس کو سمجھ لیں کہ اس کا کیا حق اور کیا آداب ہیں۔ پھر کسی نصیحت اور وعظ کی ضرورت نہیں صرف زمان و مکان کو دیکھنے کی ضرورت ہے، پھر کسی وعظ و تلقین کی ضرورت نہیں، اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہو تو اس سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میاں یہاں بیڑی سگریٹ نہ پینا۔ یہاں پیشاب و پاخانہ نہ کرنا۔ اس کو صرف یہ بتانے اور معلوم کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ خانۂ خدا میں ہے، اگر اس کو کوئی نصیحت کرنے لگے کہ وہ گھر اور بازار والے کام یہاں نہ کرے تو یہ ایک مجنونانہ بات ہوگی اور وہ اس کے منھ کی طرف دیکھنے لگے گا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ اب ہم کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ

ہم اسلام کے مکان میں بیٹھے ہیں ہم اس کے حقوق و آداب کی پابندی خود کریں گے۔ بہت سے حضرات ہیں جو نماز، روزہ، ذکر و اذکار، درود وظیفہ بہت کرتے رہتے ہیں، لیکن ان کو حلال و حرام مشتبہ و غیر مشتبہ کا کوئی خیال نہیں۔ ہمارے دوستوں میں ایک صاحب بڑے ذاکر شاغل تھے۔ صاحبزادہ بنک میں ملازم تھے۔ ان کی تخفیف ہو گئی، وہ ایک دن صاحبزادے کو میرے پاس لے کر آئے اور کہا کہ دعا کیجیے کہ یہ بچہ بحال ہو جائے، میں نے کہا کہ اللہ کرے وہ راستہ ہی بھول جائے جو بنک کو جاتا ہے، میں نے اکثر دیکھا ہے کہ گناہ گار اور عام مسلمانوں پر بات کا بڑا اثر ہوتا ہے لیکن متقیوں پر کلام کا اثر نہیں ہوا کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ وہ سمجھتے ہیں وہ سب کچھ جانتے ہی ہیں اور سب کچھ کرتے ہی ہیں کہنے والے نے غلط نہیں کہا ؎

آں کس کہ نداند و نداند کہ نداند

در جہل مرکب ابد الدہر بماند

پیری نے اسلام کے اندر جو تلاطم پیدا کیا وہ کسی نے نہیں پیدا کیا راہ پر تو کم آئے ہوں گے بے راہ بہت ہو گئے جہاں بھی ہم پہنچے وہاں یہی دیکھا کہ پیر و مرشد جو گوٹ چلیں گے بس وہی شطرنج ہے حالانکہ شطرنج کے اصول و ضوابط مستقل ہیں کوئی ان میں ترمیم نہیں کرتا۔

شریعت طریقت پر ہر جگہ مقدم ہے

یہ تو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا کمال ہے کہ انھوں نے شریعت کو طریقت و حقیقت پر ہر جگہ مقدم رکھا قاعدہ ہے کہ آدمی جس فن کی وکالت کرتا ہے اور جس موضوع پر کتاب لکھتا ہے اسی کو سراہتا ہے اور اس کے مقابلہ میں ہر چیز کی نفی کرتا ہے اور یہی دکھانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہی سب کچھ ہے۔ باقی سب ہیچ

مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ طریقت و حقیقت پر مکاتیب تحریر فرماتے ہیں لیکن یہی کہتے ہیں کہ "پس شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ آمد و مطلبے نماند کہ بما ورائے شریعت دراں مطلب احتیاج افتد طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز گشتہ اند ہر دو خادم شریعت اند"[۱]

نقشبندیہ مکان بناتے ہیں سنوارتے ہیں، چشتی اس کو کھود کر میدان کر دیتے ہیں

البتہ جہاں حضرت طریقہ نقشبندیہ کو تمام طرق پر کھلی ترجیح دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو اور طریقوں کی نہایت ہے وہ اس طریقہ کی بدایت ہے اور اس میں اندراج النہایۃ فی البدایہ ہے اور یہ کہ اقرب و اعلیٰ طریق ہے، تو یہ ادب سے عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ آپ بھی دوسرے طریق میں بیعت ہوئے سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کیسے کیسے باکمال اور صاحب فیض گزرے ہیں، بیسیوں واقعات ہیں کہ جس پر نظر پڑ گئی وہ ولی بن گیا۔ خلق اللہ کو ان کی نظر کیمیا اثر سے کیسے کیسے مراتب عالیہ حاصل ہوئے۔ حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلوی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک جنگل میں خیمہ ڈالے ہوئے تھے۔ جنگل میں ایک بھنگ پینے والے فقیر نے اپنے چیلے سے کہا بھنگ لا۔ اس نے کہا کہ بھنگ تو اس وقت کٹیا میں موجود نہیں، کہا کہ یہی تو میرے پینے کا وقت ہے میں کیا پیوں، جا کہیں سے ڈھونڈھ کر لا، وہ ڈھونڈھنے نکلا، اس نے دیکھا کہ ایک جگہ چراغ جل رہا ہے حضرت سید

۱؎ شریعت تمام دنیوی اور اخروی سعادتوں کی کفیل ہے۔ سعادت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ اس میں شریعت کے سوا کسی اور چیز کی ضرورت پڑتی ہو، صوفیا کی طریقت و حقیقت دونوں خادم شریعت ہیں۔

نصیر الدین چراغ دہلوی رونق افروز تھے اس نے پکار کر کہا کہ کیا یہاں بھنگ ملے گی؟ جواب میں ارشاد ہوا کہ یہاں بھنگ نہیں ولایت ہے، اس نے کہا وہی دے دو، فرمایا جا وضو کرکے دو رکعت پڑھ، وہ نماز پڑھ کر آیا تو توجہ دی وہ مست ہوگیا۔ جب اپنے گرو کے پاس پہونچا تو اس نے دیکھتے ہی کہا "ارے میں نے کہا تھا لے کر آنا تو پی کر آیا۔ اچھا چل مجھ کو بھی پلوا۔ وہ گیا اور اس پر بھی وہی رنگ چڑھ گیا شاہ گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مسجد میں بیٹھے تھے، ایک بی بی نے بناؤ سنگار کر کے کھڑکی سے چہرہ نکالا، خدام نے عرض کیا۔ حضرت یہ بڑی بے ادب اور گستاخ ہے، ایک مرتبہ کہا، دو مرتبہ کہا توجہ نہ کی، تیسری مرتبہ کہنے پر نظر اٹھا کر دیکھا قدموں میں آکر گر گئی اور تائب ہوئی۔ ان حضرات کے ایسے بیسیوں واقعات ہیں کسی نے خوب کہا کہ نقشبندیہ ایک مکان بناتے ہیں، سجاتے ہیں سنوارتے ہیں، چشتی اس کو کھود کر میدان کر دیتے ہیں۔ حضرت شاہ احمد سعید صاحبؒ نے اربعہ انہار میں چاروں نسبتوں کا فرق خوب بیان[1] کیا ہے۔ در اصل طریقہ نقشبندیہ کوئی الگ طریقہ نہیں ہے، سب طریقوں کا مرکب ہے سب طریقوں کی تعظیم اور سب کی خوبیوں کا اعتراف کرنا چاہیے۔ رکابی کا حسن جبھی ہے جب وہ سب طرف سے سابوت ہو، مکمل ہو اگر کوئی کونا ٹوٹ گیا اگرچہ اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے مگر وہ حسن، موزونیت اور اس کی وہ قیمت نہیں رہتی پھر ہر ایک کے کہنے کی نقل بھی نہیں کی جا سکتی، ہر ایک اپنے لحاظ سے کہتا ہے ایک خاتون بیٹھی ہوئی ہیں۔ شوہر ان کو بیوی کی

---

[1] یہ ملفوظ کسی پچھلی مجلس میں گذر چکا ہے۔

طرح خطاب کرتا ہے، بیٹا والدہ کہتا ہے، بھانجا خالہ کہتا ہے اور سب صحیح کہتے ہیں ہم تو یہی کہیں گے یہ اربعہ انہار ہیں۔ ہر کمال اور ہر مقام ہر ایک کی تقلید کا نہیں ہوتا۔ حکیم ابو حبیب[1] صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ حضرت نے مراقبۂ ذات مع قطع صفات کی تلقین کی ہے، میں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب اس جھمیلے میں نہ آجانا جن مشائخ نے یہ کیا ہے جہاں ٹھہرے ہیں وہاں بلا آگئی ہے، صفات ہی حفاظت و بقا کا سبب ہے، حکیم صاحب کو بڑا تعجب ہوا، میں نے کہا کہ یہ حضرت مجدد صاحب کی مخالفت نہیں ہے بلکہ یہ ایسا ہی ہے کہ، ایک ماہر پیرنے والا چڑھے ہوئے دریا میں پیر رہا ہے، معمولی آدمی کا کام نہیں ہے کہ وہ بھی دریا میں کود پڑے، یہ علو مراتب کی بات ہے۔ تردید و مخالفت نہیں، دراصل مکتوبات کے مطالعہ کے لیے قرآن مجید سمجھنے کی ضرورت ہے، سب سے بڑا مکتوب قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے۔ ایسے مضامین اور مکتوبات کے بارے میں صحیح اصول یہی ہے کہ جو سمجھ میں آئے اس پر عمل کرو، ورنہ ادب سے کترا کر نکل جاؤ۔

صحابہ کرام کا فیصلہ کرنے والے ہم کون ہوتے ہیں

یہاں ایک صاحب تشیع سے متاثر تھے ایک دن کہنے لگے کہ کیا امام حسینؓ کی شہادت کی ذمہ داری حضرت معاویہؓ اور ان کے طرز عمل پر عائد نہیں ہوتی؟ میں نے کہا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مرتبہ ایک بڑے عالم اور ان کی بیوی

[1] مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی مولانا سید ابو ظفر ندوی مرحوم کے والد حضرت شاہ ابو احمد صاحب مجددی کے مخصوص مجازین، خلفاء میں سے تھے۔ عرصے تک خانقاہ میں مقیم رہے۔ مکتوبات شریف سے عشق اور اس پر بڑا عبور تھا۔

میں رات کو کچھ تکرار ہوگئی اور سخت درشت کلامی کی نوبت آگئی ایک صاحب جھانک کر یہ منظر دیکھ رہے تھے، صبح کہنے لگے کہ صاحب شریف گھر کی بیٹی، آپ عالم آپ اس کو اتنا سخت و سست کہہ رہے تھے اور زدوکوب کی نوبت آگئی، ان بزرگ نے فرمایا کہ آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی، کہا کہ میں جھانک کر دیکھ رہا تھا، کہا کہ میں اپنے عمل کی توجیہ بعد میں کروں گا۔ پہلے آپ اپنے عمل کا جواز ثابت کیجیے کہ آپ کو کسی کے خلوت خانے میں جھانکنے کی اجازت کس نے دی؟ اس کی تو ممانعت ہے میں نے کہا کہ یہی طرح ہم کو صحابہ کرام پر اعتراض کرنے اور ان کو برا بھلا کہنے کی ممانعت ہے۔ اللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ أَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ مِنْ بَعْدِيْ غَرَضًا اب آپ ہی بتائیے کہ آپ کو قانون و عدالت کی کرسی پر کس نے بٹھایا کہ آپ صحابہ کرام پر فیصلہ صادر کریں بہت سے لوگ قرآن و حدیث کے بجائے تاریخ پڑھ کے گمراہ ہوئے۔

اپنے اعمال و اخلاق کی فکر چاہیے دوسروں کی ٹوہ میں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں

کسی نے سلف میں کسی بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ میں کون حق پر تھا۔ کہا تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ہم کو اپنے اعمال و اخلاق کی فکر چاہیے۔ ان کی فکر میں رہنے سے کوئی فائدہ نہیں، نواب صاحب کے یہاں شادی ہے، میں احمد آباد[1] دوڑا جا رہا ہوں کہ کچھ فکر کروں کوئی کہے حضرت آپ کے یہاں نون تیل بھی ہے یا نہیں، آپ اپنے گھر کی فکر کیجیے، بیگم صاحبہ نے اپنی بیٹی کے لیے بہت

[1] احمد آباد بھوپال کا محلہ جہاں شاہی محلات تھے۔

کچھ سامان کر رکھا ہے وہاں سب انتظامات ہو رہے ہیں۔ کسی کی ایک حرکت دیکھ کر پوری زندگی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، مدتوں کے بعد ہی کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ ایک حدیث دیکھ کر کیسے اندازہ کرلیا جائے کبھی آپ غصّہ میں ہوتے تھے، کبھی ترحم اور شفقت کی حالت میں۔ صحابہؓ کی غلطیاں بھی ہمارے لیے رحمت ہیں۔

ہر چیز کی قیمت اس کی غایت

فرمایا ـــــ ہر چیز کی علت غائی دیکھنی چاہیے۔ جس کے لیے بنائی گئی ہے۔ ایک شخص مسہری بچھاتا ہے۔ اس پر نہایت مکلف بستر لگاتا ہے۔ بڑا نرم گدّا بڑی اجلی چادر بڑا نفیس منقش تکیہ لیکن آدمی جب رات کو اس پر سوتا ہے تو اتنے کھٹمل اور پیسو کھا جاتے ہیں کہ ایک پلک نہیں لگتی۔ اب مسہری اور گدّے کو لے کر کوئی کیا کرے۔ اس سے تو کہیں اچھا ہے کہ زمین پر معمولی بستر ڈال کر سو جائے۔ جہاں نہ کھٹمل ہوں نہ پیسو، مقصود تو آرام ہے چاہے زمین پر ہو چاہے مسہری پر آج کل کی زندگی، تعلیم سب ایسے ہی ہیں کہ ٹیپ ٹاپ تو بہت ہے مگر قبر میں اس سے آرام نہ ملے گا اس سے تو وہ تکلیف اور بے سروسامانی مبارک ہے کہ جس کے نتیجہ میں قبر میں آرام سے سونا نصیب ہو، وہاں گدّا تکیہ سب مل جائے گا۔ اور آدمی ایسا مسرور اور باآرام ہوگا کہ کہے گا یارب اقم الساعۃ حتی ارجع الی اھلی ومالی

دین موقع محل سے کام کرنے کا نام ہے

فرمایا ـــــ دنیا کا سب آرام اور ہر طرح کی راحتیں ہمارا حق ہیں، لیکن ان سے فائدہ اٹھانے کا ایک وقت ہے، ایک وقت دیکھنے کو بھی منع کرتے ہیں اور دوسرے وقت نہ دیکھنے

کو بُرا سمجھتے ہیں جس کی ابھی صرف نسبت ہوئی ہے اس کا جھانکنا بھی معیوب ہے اور گھر کے اندر چلا جانا بھی ممنوع ہے لیکن شادی کے بعد الگ رہنا قابل اعتراض ہے۔ یہی تمام لذات کا حال ہے کہ ان سے تمتع کا ایک وقت اور محل ہے، لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ بے موقع اور قبل از وقت فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بلوغ کے بعد جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں، وہ بلوغ سے پہلے ممکن نہیں جس کو ہم فسق و فجور کہتے ہیں وہ درحقیقت وقت سے پہلے کسی کام کو کرنا اور اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ پر قناعت کرنا، یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی تاڑی یا ٹھرّا پی رہا ہو اور کوئی کہے یہ شراب نہ پیو ہم ولایت سے منگائے دیتے ہیں، وہ کہے گا پھر منگا دو تو اس سے کہا جائے گا کہ ٹھہرو، آنے میں وقت لگے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان جذبات کو اپنے محل میں صرف کرنے کا حکم دیا ہے قرآن شریف میں آتا ہے ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعونؑ دیکھیے یہ نہیں فرمایا ولکم فیھا ما تشتھی ارواحکم معلوم ہوا کہ ان لذات کی اشتہا نفوس کا کام ہے نہ کہ ارواح کا، مومن جنت میں ترقی کرتے کرتے ایسے مقام میں پہونچ جائے گا کہ وہ اس محل میں رکھا جائے گا جہاں صرف دیدار الٰہی ہے نہ حور نہ قصور۔

ذکر و مراقبہ کی مثال

فرمایا ــــــ قرآن مجید میں حکم ہے وَاذکروا اللّٰہ ذکرًا کثیرًا ذکر کی کثرت کرنے سے ذکر ذہن میں جم جاتا ہے اور جو چیز ذہن میں جم جاتی ہے سامنے آتی ہے ایک ٹائیسٹ نوجوان کہنے لگے

لـه تمہارے واسطے جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے نفس چاہیں اور جو تم مانگو گے ۱۲

کہ سونے میں بھی اور نماز میں بھی وہی حرف سامنے آجاتے ہیں اور بغیر ذہن میں جمے ہوئے کوئی ٹائپ نہیں کرسکتا اسی کا نام مراقبہ ہے۔

دولت کی بیماری فرمایا کہ ـــــ جب میں کسی (دکھاتے پیتے) آدمی کی نبض دیکھتا ہوں اور وہ کمزور معلوم ہوتی ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یا تو اس کے پاس مال زیادہ ہے یا مال کی محبت، اکثر لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں جس کا قرآن میں ذکر کیا گیا۔ یَا لَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِیَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔ یعنی اہل دولت پر رشک اور مال کی کثرت کی تمنا، میں نے ایسے بہت سے لوگوں کا ہارٹ فیل ہوتے ہوئے دیکھا۔ جو اس مرض سے آزاد ہے وہ تندرست اور قوی و توانا ہے، میرے بعض ساتھی کہنے لگے کہ آپ کی تندرستی بہت اچھی ہے۔ میں نے کہا کہ آپ بھی یا قوتی کھایا کرو، تندرست رہوگے۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے مجھے دیکھ کر کہا کہ آپ جھکے نہیں؟[3] میں نے کہا میں جھکتا رہتا ہوں[3] اس لیے نہیں جھکا جو شخص بھی ننانوے کے پھیر میں پڑا اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ وہاں اس کو تفکرات، پریشانیوں نے گھیرا۔

نیت سب کچھ ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ اور ایک درویش کا انتقال ہوا کسی نے خواب میں دیکھا کہ بادشاہ تو جنت میں ٹہل رہا ہے اور درویش دوزخ میں پڑا ہوا ہے، کسی بزرگ سے تعبیر پوچھی

۱؎ یعنی بے فکری اور استغنا۔

۲؎ حضرت کی عمر مبارک اس تحریر کے وقت ۷۵ سال کی ہے اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے لیکن قد مبارک میں ذرا بھی خم نہیں۔

۳؎ یعنی خدا کے سامنے۔

تو کہا کہ وہ بادشاہ صاحب تخت و تاج تھا مگر درویشی کی تمنا کرتا تھا اور درویشوں کو بڑی حسرت کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ اور یہ درویش تھے تو فقیر بے نوا مگر بادشاہ کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس طرح اگر کوئی شخص مسجد میں ہے اور اس کا دل لگا ہوا ہے کہ جلدی نماز ہو اور میں اپنے کام کو جاؤں تو گویا وہ مسجد سے باہر نکل چکا اور کوئی بازار میں ہے اور اس کا دل مسجد و نماز میں لگا ہوا ہے تو گویا وہ نماز ہی میں ہے۔ یہی معنی ہیں انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ کے، زہد خانقاہ میں بیٹھنے کا نام نہیں ہے معلوم نہیں ہم کہاں ہیں اس کا حال تو قیامت میں معلوم ہوگا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وہاں اُدھر کا پلہ بھاری ہوا تو اُدھر، اگر اِدھر کا پلہ بھاری ہوا تو اِدھر۔

دسویں مجلس

۲۳ شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۶۸ء خانقاہ شریف
حاضرین مجلس بدستور وقت ۱۰½ بجے سے ۱۲ بجے تک

قرآن مجید کی عظمت
اہل نظر تخم میں پورے درخت کو دیکھ لیتے ہیں

فرمایا ــــــ میں آپ کے آنے سے پہلے ابھی تلاوت میں سورۂ زمر پڑھ رہا تھا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۝ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ۔ بس انھیں الفاظ پر ٹھٹھک کر کھڑے ہو جانے کو جی چاہتا ہے۔ ان مختصر الفاظ میں کیا کچھ فرما دیا گیا ہے۔ ایک ناواقف آدمی بیج دیکھتا ہے اس میں اس کو کچھ نظر نہیں آتا لیکن واقف آدمی اس کو دیکھ کر

لہ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ عزیز وحکیم کی طرف سے ہوا ہے (اے پیغمبر) ہم نے یہ کتاب تمھاری طرف سچائی کے ساتھ نازل کی ہے بس خدا کی عبادت کرو۔ اسی کے لیے عبادت خالص کرکے، خبردار خالص عبادت خدا ہی کا حق ہے۔

اس کے اندر پورا تناور درخت دیکھ لیتا ہے اس کی بیسیوں شاخیں اس کے ہزاروں لاکھوں پتّے اس کے سیکڑوں پھل، سب اس کو نظر آجاتے ہیں، یہ سب اسی چھوٹے سے خول میں ہیں مگر اس دین اور اس قرآن کی قدر تو انھیں لوگوں کو تھی جنھوں نے اس کو بیابانوں کی خاک چھان کر اور حق کی تلاش میں سرگرداں رہ کر پایا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو یہودیوں کی عبادت گاہوں، عیسائیوں کے کلیساؤں میں دین حق تلاش کرنے کے لیے گئے اور وہاں کے عابدوں اور راہبوں نے کہا کہ ہم تو ایک چلتے ہوئے راستہ اور رواجی دین پر ہیں، دین حق تو آنے والا ہے، پھر جب ان کو اپنا گوہر مقصود نہ ملا اور ان کا اخیر وقت آگیا تو انھوں نے بڑی حسرت سے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "خدایا تو گواہ رہ کہ ہم اس دین حق کو مانتے ہیں جو آنے والا ہے اور ہم دین ابراہیمی پر جان دے رہے ہیں۔

> جس چیز کو مشقت اور طلب سے حاصل کیا جاتا ہے اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے

اس کی ایک چھوٹی سی مثال یوں سمجھیے کہ مئی جون کا روزہ ہو، آپ کی زبان خشک ہو، اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوں، آفتاب غروب ہونے والا ہو۔ آپ کسی ضرورت سے کسی کام کے لیے موٹر پر بیٹھ کر جائیں اور وہ کسی میدان میں پہنچ کر جہاں دور دور پانی نہ ہو فیل ہو جائے اب افطار کا وقت آجائے اور پانی کا کہیں نام و نشان نہ ہو، اس وقت اگر آپ کو کوئی ایک گلاس پانی پیش کرے تو آپ کی نگاہ میں اس کی کیا قیمت ہوگی اور آپ اس کو کیسی بڑی نعمت اور آب حیات سمجھیں گے، دوسری مثال یوں سمجھیے کہ کسی شخص نے کسی عام آدمی سے کہا کہ جو کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہ بجنسہ استنبول کے کتب خانہ میں موجود ہے وہ شخص اسی

وقت اس کی زیارت کے لیے رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ ہزار دقتوں سے اس کو پاسپورٹ اور ویزا ملتا ہے پھر سمندر کے سفر کی کلفتیں اور مصارف غرض وہ سراپا اشتیاق بنا ہوا قسطنطنیہ کے ساحل پر اترتا ہے، جس وقت اس کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اس سرزمین پر ہے۔ جہاں وہ کلام موجود ہے جو خدا کے آخری رسول پر نازل ہوا تھا، وہ پھولے نہیں سماتا، وہ اپنی قسمت پر ناز کرتا ہے اور اس پر ایک عالم بے خودی طاری ہوجاتا ہے پھر وہ ہمہ تن شوق و انتظار بنا ہوا اس کتب خانے کے دروازے پر پہونچتا ہے جہاں گوہر نایاب موجود ہے۔ اب آپ ہی اندازہ کیجیے کہ وہ کن نگاہوں سے اس کو دیکھے گا، کن ہاتھوں سے اس کو مس کرے گا، اور اس کی یہ تمنا پوری ہوگی تو اس کا کیا حال ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے اس کے لیے اتنا طویل سفر اختیار کیا اور بڑی سے بڑی مشقتیں برداشت کیں، اب اس کی مراد پوری ہونے کا وقت آیا یہی کلام الٰہی ہے جس کو ہم پانچ روپے دس روپے خرچ کرکے بازار سے لے آتے ہیں۔ آج قرآن مجید کے ان نسخوں سے مسجدوں کے طاق بھرے ہوئے ہیں اور کسی کو ان کی قدر و قیمت معلوم نہیں۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ جب چھاپہ خانہ نکلا اور قرآن مجید کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے قرآن کو اٹھتے ہوئے دیکھا ہے۔ سارا معاملہ اہمیت اور قدر و قیمت کا ہے۔ میں ایک رئیس کو جانتا ہوں۔ ایک صاحب نے عرضی دی کہ میں حج کو جارہا ہوں، کوئی خاص توجہ نہیں ہوئی۔ پانچ دس روپے دے دیے۔ کسی نے ذکر کیا کہ ایک صاحب ولایت جانے والے ہیں، ان کو بلایا استقبال کیا اور بغیر ان کی طلب و ضرورت کے دو ہزار روپے پیش کردیے اصل یہ ہے کہ جس چیز کو

آدمی دماغ میں پرورش کرتا ہے وہی تنا ور درخت بن کر اپنے وقت پر پھل دینے لگتا ہے، درخت کی آدمی پرورش کرے اور جب وہ پھول پھل دینے لگے تو اس پر اعتراض کرے یا تعجب یہ کوئی عقل کی بات نہیں، یہی قرآن شریف ہے کہ جس کی ایک آیت سُن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اونٹ سے گر گئے۔ ایسے بیمار پڑے کہ کئی دن تک لوگ ان کی عیادت کو آتے رہے، یہی قرآن شریف جو ہم پڑھتے ہیں اور کچھ اثر نہیں ہوتا۔

قرآن وہ آئینہ ہے جس کو ہم ہمیشہ الٹا کر کے دیکھتے ہیں

ہماری اور قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس کوئی آئینہ ہو، مدّت سے اس کے پاس رکھا ہوا ہے لیکن وہ ہمیشہ اس کو الٹا کر کے دیکھتا ہے۔ اور اس کو کچھ نظر نہیں آتا۔ مشائخ مجاہدات کراتے ہیں۔ مراقبات بتاتے ہیں۔ مرغوبات چھڑاتے ہیں۔ انبیاء نے مراقبہ نہیں بلکہ مشاہدہ کرایا ہے وہ صرف کہتے ہیں کہ آئینہ کو سیدھا کر کے دیکھو سب کچھ نظر آجائے گا۔ "یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" [1] بس یہی آئینہ کو سیدھا کر کے دیکھنے کی تعلیم ہے۔

قرآن مجید ہر چیز سے مستغنی کر دیتا ہے

میرے ایک استاد تھے جن سے میں عربی زبان کی ابتدائی کتابیں پڑھتا تھا، ایک دن مجھے ایک کتاب کی فرہنگ اور شرح مل گئی، جس میں پوری کتاب کو حل کر دیا تھا، میں خوش خوش اس کو

---

[1] اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر نفس دیکھے اور سوچے کہ اس نے آنے والے دن کے لیے (روز قیامت کے لیے) کیا کیا ہے۔

اپنے استاد کے پاس لے گیا، انھوں نے اس کو اٹھا کر پھینک دیا۔ میں نے کہا کیا اس کتاب میں کچھ غلطی ہے؟ کہنے لگے غلطی! یہ اول سے آخر تک غلط ہے، کہنے لگے سب سے بڑی غلط بات یہ ہے کہ اس میں وہ لکھا ہے جو ہم نہیں جانتے، ایسی کتاب کے ہوتے ہوئے ہم کو کون پوچھے گا اور ہمارے پاس کون پڑھنے آئے گا بس یہی قرآن مجید کا معاملہ ہے کہ وہ سب سے مستغنی کر دیتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کے لیے اتنے علوم درکار ہیں، ہم کہتے ہیں کہ جہالت درکار ہے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس راہ میں جہالت ونکارت کام دیتی ہے، علم کا قاعدہ ہے کہ پڑھا تو قاعدے سے جاتا ہے، پھر اس قاعدہ کو بھول کر اپنی اس طبعی روشنی سے جو اس علم سے حاصل ہوئی کام لیا جاتا ہے طب میں بھی یہی ہوتا ہے، اگر وہ روشنی یا ملکہ پیدا نہ ہو تو آدمی کچھ کام نہیں کرسکتا۔ اسلام جذبات کو مارنے اور آزادی کو سلب کرنے کی دعوت نہیں دیتا صرف ان کا وقت اور محل بتاتا ہے، ہر چیز اپنے وقت پر سجتی اور زیبا دیتی ہے۔

ایک غیر مسلم ڈاکٹر کا سوال اور اس کا تشفی بخش جواب

ریاست کروائی میں ایک مرتبہ نواب صاحب نے ایک صاحب کا تعارف کروایا کہ یہ ڈاکٹر چندریا صاحب ہیں۔ یہ کچھ سوال کرنا چاہتے ہیں میں نے کہا کہ میں طالب علم ہوں کوئی عالم نہیں ہوں، اگر جواب نہ دے سکوں تو یہ نہ کہئے گا کہ میں نے ایک مسلمان عالم سے کچھ باتیں پوچھیں وہ جواب نہ دے سکے، انھوں نے کہا کہ عرض کرنا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کے وقت دنیا کے تعلقات کو الگ کرکے اللہ سے قرب حاصل کرتے ہیں۔ عیسائی گرجوں میں، ہندو مندروں میں

اور مسلمان مسجدوں میں ان سب تعلقات سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اس کا قرب تلاش کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں اعتکاف کا بھی طریقہ ہے جس میں تمام تعلقات دنیاوی سے کچھ دیر کے لیے علاحدگی ہو جاتی ہے، یہ کیسا طریقہ ہے کہ جنت میں شراب بھی ہے، حوریں بھی ہیں اور اللہ کا قرب بھی، یہ تو دنیا میں کبھی نہ ہوتا تھا اور شراب تو ایسی بُری چیز ہے اس کا تو اس موقع پر قرآن شریف میں ذکر ہی نہ ہوتا تو اچھا تھا۔

میں نے کہا ڈاکٹر صاحب میں آپ کے سوال سے بہت خوش ہوا میں غور اور تحقیق کرنے والوں سے بہت خوش ہوتا ہوں جو مجھے پسند نہیں مگر میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، آپ چونکہ ڈاکٹر بھی ہیں اس لیے اور بھی سہولت ہے، میں نے کہا کہ ہمارے حکما بڑے بڑے قدحے پلاتے ہیں لیکن ان میں وہ اثر نہیں ہوتا جو آپ کی چھوٹی سی گولی میں اثر ہوتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ آپ یہی بیان کریں گے کہ اس گولی میں دوا کا جوہر آگیا ہے، اور جتنا کسی چیز کا جوہر نکالا جاتا ہے، اور فاضل اجزا کم کر دیے جاتے ہیں، طاقت بڑھتی جاتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ انسان سب میں اشرف المخلوقات مانا جاتا ہے اور سب اشیا اسی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ انسان کامل کسے کہیں گے؟ اسی کو نا! جس میں کمالات انسانی مکمل طور پر موجود ہوں، لولا لنگڑا، اندھا، اپاہج نہ ہو، اب یہ عرض ہے کہ موت کے ذریعہ انسان کے ارضی اجزا، تو الگ ہو جاتے ہیں اور اس کا جوہر رہ جاتا ہے اس سے اس کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے اور اس کے سب کمالات اور طاقتیں ترقی کر جاتی ہیں۔ اب یہ تمام طاقتیں

اور کمالات جنت میں موجود ہوں اور محل صرف نہ ہو تو یہ رحمت ہے یا عذاب؟ کسی کو تخت حکومت وخزانہ اور گھر کے لوگ دیے گئے ہوں اور کہہ دیا جائے کہ خبردار نظر اٹھا کر نہ دیکھنا، تو یہ اس کے حق میں رحمت ہے یا اچھی خاصی سزا، یہی جنت کی ان نعمتوں کی حقیقت وحکمت ہے آپ جو بار بار شراب کو دوہرا رہے ہیں، تو آپ کی کون سی دوا شراب سے خالی ہے، محل بدل گیا تو وہ اب اچھی چیز بن گئی اور اس سے صحت ہونے لگی تو اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

مناظرہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بغیر دل آزاری ونفسانیت کے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی جائے

فرمایا ـــــ مجھے بحث ومناظرہ کا یہی طریقہ پسند ہے کہ بغیر دل آزاری اور ضد ونفسانیت کو ابھارنے والی باتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اپنی بات سمجھانے اور دل نشین کرنے کی کوشش کی جائے، مناظرہ کا وہ طرز پسند نہیں جس کو "دنداں شکن" کہا جاتا ہے۔

پاخانہ جانا ضروری کام ہے لیکن اس کو مقصد نہیں بنایا جاسکتا

فرمایا ـــــ مقصد تخلیق کو بھلا کر ایک ایسی تعلیم میں منہمک ہونا جو موت کے بعد کی زندگی میں کام آنے والی نہیں، لوگ بڑی عقلمندی اور ترقی سمجھتے ہیں، اس تعلیم میں کوئی حرج نہیں، ضرورت کے لحاظ سے اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے مگر اس کو کمال اور ترقی سمجھنا یہ بے جا ہے، پاخانہ جانا ضروری کام ہے، مگر وہاں بیٹھ کر کوئی یہ نہیں کہتا کہ نعمت خانہ میں بیٹھا ہوں۔

اعتراف قصور سب سے بڑی صداقت

کل ایک بچے نے دل خوش کر دیا، اس سے پوچھا میاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ "عمر ضائع کر رہا ہوں" یہ احساس اور اعتراف بڑی چیز ہے۔

پروپیگنڈہ کی ایک عجیب تمثیل اور حکایت

قاعدہ یہ ہے کہ جب چند آدمی کسی بات کو کہنے لگتے ہیں تو لوگ اس کو یقین کر لیتے ہیں، ایک کہے دو کہے، جب متعدد آدمی ایک بات کو کہتے ہیں تو اچھے اچھے آدمیوں کو یقین آجاتا ہے، حالانکہ کسی کے کہنے سننے سے حقیقت نہیں بدلتی، ایک بزرگ نے بکری کا بچہ خریدا، دو تین ٹھگوں نے دیکھ لیا اور کہا کہ یہ بچہ ٹھگنا چاہیے ان میں سے ایک نے اس راستہ پر جس سے یہ بزرگ گزرنے والے تھے ایک درخت کے نیچے مصلیٰ بچھا کر تسبیح پڑھنی شروع کر دی، ثقہ صورت، لانبا کرتہ، نیچی داڑھی، جب وہ بزرگ پاس سے گزرے تو یہ حضرت لپک کر پہونچے، بڑے ادب سے سلام کیا، دست بوسی کی اور کہنے لگے کہ حضور اس کے لب پلید ہیں، اس کے روئیں بھی ناپاک ہیں، آپ نے ضرور چوکیداری کے لیے اس کو خریدا ہوگا، اس کے لیے تو بے شک جائز ہے، انھوں نے جھڑک دیا کہ آپ دیکھتے نہیں کہ یہ بکری کا بچہ ہے، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فوراً ہاتھ جوڑ کر معذرت کی اور کہا کہ میری نگاہوں کا قصور ہے بھلا آپ جیسے بزرگ کتّا کہیں خریدیں گے؟ آگے بڑھے تو ایک اور صاحب اسی طرح مقدس صورت بنائے ہوئے ملے، آگے بڑھے اور قدموں میں گر گئے کہنے لگے کہ اچھے لوگوں کی زیارت بھی کفارۂ ذنوب ہے۔ حضور نے کھیت کی حفاظت کے لیے اس کو لیا ہوگا، انھوں نے پھر ڈانٹا اور کہا کہ "آپ کو سجھائی نہیں دیتا کہ یہ بکری کا بچہ ہے یا کتا ہے" کہنے لگے "حضرت نے صحیح فرمایا میں جھوٹا، میری نگاہیں جھوٹی"۔ آگے بڑھے تو تیسرے صاحب ملے اور کہا "حضرت یہ بڑی اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے، تازی کتا ہے"، اب، پر وہ بھی شبہ میں پڑ گئے اور کہنے لگے ایک غلطی کر سکتا ہے،

دو غلطی کر سکتے ہیں، اتنے آدمی تو غلطی نہیں کر سکتے، مجھ ہی کو دھوکا ہوا ہوگا، انھوں نے بکری کے بچہ کو چھوڑ دیا اور چلے گئے، ٹھگوں نے اُس کو ٹھگ لیا۔

محمدی تعلیم وہدایات کا امتیاز اور حیات جاوید کی بشارت

فرمایا ـــــ اگلے مذاہب میں دواؤں کے اجزاء بتا دیتے تھے، اور نسخہ لکھ کر دے دیتے تھے جاؤ تلاش کرو، اجزاء فراہم کرو، اور دوا بنا لو، آخر میں جو حکیم تشریف لائے (صلی اللہ علیہ وسلم) انھوں نے بنی بنائی دوا اور تیار معجون دے دیا جس میں اجزاء کو جمع کرنے، چھاننے، پیسنے، جوش دینے کی دردسری نہیں، اور فرمادیا کہ صبح آفتاب نکلنے سے پہلے کھا لینا، پھر سورج ڈھلے کھانا، پھر عصر کو استعمال کرنا، پھر غروب آفتاب پر، پھر شفق ڈوبنے کے بعد[1]، اگر قوت ہو تو پچھلے کو اٹھ کر بھی کھا لینا[2]۔ اس سے زیادہ آسان نسخہ کیا ہو سکتا ہے اور فرمادیا:

"لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ" (اس دوا کی تاثیر یہ ہے کہ (دائمی اور حقیقی) موت اور فنائے کلی کا خطرہ نہیں، حیات جاوید ضرور حاصل ہوگی۔

---

[1] فرض نمازوں کے اوقات خمسہ ۱۲ [2] تہجد کی نماز ۱۲

گیارھویں مجلس

۲۴ رشوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۵ رجنوری ۱۹۶۹ء خانقاہ شریف
بھوپال ـــــ حاضرین مجلس بدستور

گم کردہ را صوفیہ

مولانا جمیل احمد صاحب حیدرآبادی نے ایک ایسے بزرگ کے متعلق دریافت کیا جو توحید وجودی کے بڑے داعی اور مبلغ تھے؛ فرمایا کہ اس زمانہ میں (حیدرآباد میں) وحدۃ الوجود کا بڑا زور تھا، یہ حضرات صاف فرماتے تھے کہ وجود بس ایک ہی ہے، باقی سب ظہورات و تعینات ہیں۔ آپ کچہری میں منشی ہیں، گھر میں والد، اسی طرح محل کے اعتبار سے آپ کے نام بدلتے رہتے ہیں، باقی وجود ایک ہی ہے، دوسرا وجود ماننا شرک ہے۔ اس طرح کے عقیدے سے اللہ تعالےٰ کا خوف و ہیبت اور محرّمات اور معاصی سے نفرت و دہشت نکل جاتی ہے کہ جب وجود ایک ہی ہے اور سب کچھ وہی ہے تو کیسا گناہ، اور کس کا گناہ، البتہ دلآزاری ان حضرات کے مذہب میں کفر ہے، کسی کا دل نہ توڑو، اور جو چاہو کرو، بالارادہ شراب نہ پیو، مگر شراب کی محفل میں ہو اور کوئی پلائے تو پی لو،

وہیں حیدرآباد میں ایک بزرگ تھے، اگر کوئی ان سے مرید ہوتا تو اس کے چار ابرو کا صفایا کرتے تھے، اس کو مردہ بناتے، نہلاتے دھلاتے تین لوٹے حضرت بھی ڈال دیتے، جب تک یہ عمل رہتا "موتوا قبل ان تموتوا" کا ورد رہتا، پھر اس مرید کو سب کچھ اجازت تھی، وہ کہتا حضور گانجا اور بھنگ پیتا ہوں، فرماتے کتنا؟ وہ اپنا معمول بتاتا، فرماتے، اتنے کی اجازت ہے۔ پھر اگر اس کو کوئی ٹوکتا تو کہتا کہ پیرومرشد نے اس کی اجازت دی ہے اسی طرح بغیر جبر اور دلآزاری کے رشوت ملتی ہو اور کوئی اپنی خوشی سے دے تو لے لو انکار نہ کرو۔

ایک دن بھوپال میں ایک جنازہ کے انتظار میں بیٹھا تھا، ایک احرام پوش وارثی صاحب بھی تشریف لائے، گفتگو شروع ہوئی تو فرمانے لگے کہ جس کو دیکھو منبر پر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن میں یہ ہے۔ حدیث میں یہ ہے، کوئی درویشی کی بات نہیں کرتا، میاں درویشی کی باتیں کرو۔

ایک صاحب حیدرآباد میں حقہ پیتے رہتے اور دوسروں کو نماز کے لیے اٹھاتے ایک صاحب نے کہا کہ آپ خود تشریف نہیں لے جاتے، فرمایا کہ پیالہ پی لو، پھر اس کے بعد کہنا، ایک دوسرے صاحب نے اپنے مرید کو مرشد کی قبر پر سجدہ کا حکم دیا۔ انھوں نے انکار کیا کہ کفر و شرک ہے۔ کہنے لگے جب تک کفر و شرک کے دریا میں نہ ڈوبو گے اسلام تک نہیں پہنچو گے یہ طریقت و حقیقت ہے۔ میں نے تلاش کر کر کے حیدرآباد میں ان حضرات کی کتابیں خرید کرلیں، جواہر السلوک، عقائد صوفیہ، معلوم ہوا کہ قرآن شریف عقائد صوفیہ میں نہیں، معاذ اللہ، قرآن شریف میں تو ہے وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ[1]۔ یہ اسلام سے الگ عقائد کیا ہیں۔

---

[1] جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین اپنائے وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا کارنامہ

فرمایا ـــــ ان صوفیہ سے جس قدر ضرر پہونچا ہے دوسروں سے نہیں پہونچا۔

بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جہاں علم کا ذکر آیا کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو ملا ہیں، تصوف سے ان کو حصہ نہیں ملا، یہ تو حضرت مجددؒ کا کارنامہ ہے کہ طریقت کو بالکل شریعت کے تابع بنا دیا، فرماتے ہیں کہ دوپہر کا قیلولہ سنت کی نیت سے رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔ اصل یہ ہے کہ

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ[1]

ایک آیت کی تفسیر

فرمایا ـــــ کہ میں نے آگرہ کی جامع مسجد میں ایک مولوی صاحب کو اس آیت پر وعظ کہتے سنا۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ	اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ اگر
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ	تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی
وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَ	اور بیویاں اور کنبے قبیلے والے اور
فْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ	تمھارا مال و دولت جو تم نے کمایا
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ	ہے اور تمھارے کاروبار جن کی
اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	کساد بازاری کا تم کو خطرہ ہے
وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا	اگر یہ چیزیں تم کو زیادہ عزیز و محبوب
حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ	ہیں، اللہ اور اس کے رسول سے
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ	اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے

[1] اور جو اللہ کی یاد اور اس کی نصیحت سے غافل ہو کر زندگی گزارے اس پر شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے پھر وہی اس کا رفیق و ہمدم ہو جاتا ہے۔

تو ٹھہرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ دے (یعنی عذاب بھیجے) اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت کی نعمت نہیں دیتا۔

میں نے اس آیت پر بہت غور کیا، بھوپال پہونچ کر متعدد علماء سے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ان محبوبات طبعی کو آدمی ترک کر دے اور ان سے دستبردار ہو جائے کہنے لگے کہ شریعت بہت سی ایسی چیزوں کا حکم دیتی ہے، جن میں طبیعت کے خلاف عقل کے فیصلہ پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ لیکن مجھے اطمینان نہیں ہوا، میرے ذہن میں اس کی ایک توجیہہ اور تشریح آئی اس کو آپ ایک قصّہ سے سمجھیں گے۔

ایک بڑی بی کی حکایت

ایک بڑی بی ایک مکان میں رہتی تھیں، ایک صاحب ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اماں! میں یہ مکان خرید نا چاہتا ہوں کتنے میں فروخت کروگی؟ انھوں نے کہا بیٹا! نام نہ لو، میں اس کو کسی دام بھی فروخت نہ کروں گی، یہ میرے بزرگوں کا مکان ہے اس میں نہ معلوم کتنی پشتیں مریں، بگڑیں، میں بھی اسی میں مروں گی، انھوں نے بہت آمادہ کرنا چاہا مگر وہ سننے پر بھی تیار نہ ہوئیں، کچھ وقت دے کر وہ پھر آئے اور پھر وہی خریداری کی بات کی، انھوں نے پھر کانوں پر ہاتھ رکھا اور سخت ناراض ہوئیں کہ میں کہہ چکی ہوں کہ میں کسی قیمت پر بھی اس کو تیار نہیں، انھوں نے کہا کہ میں منھ مانگے دام دوں گا کچھ کہئے تو، مگر انھوں نے ایک نہ سنی، تیسری مرتبہ وہ خریدار پھر آئے۔ اس مرتبہ وہ بہت برافروختہ ہوئیں، بہت سخت سست کہا، لوگوں نے کہا بڑی بی خیریت ہے۔ یہ کون آدمی تھا؟ کہنے لگیں، پاگل ہے، دماغ ٹل گیا ہے، میرا مکان خریدنے کو کہتا ہے، میں نے کہا مجھے بیچنا نہیں، میرے پرکھوں کا مکان ہے، اگر کسی طرح

نہیں مانتا، تین مرتبہ آچکا ہے، لوگوں نے کہا "بڑی بی! پھر تھانہ میں رپٹ لکھوادو کہ تنگ کرتا ہے" کہنے لگیں نہیں! میں تھانہ وانہ نہیں جاتی، میں تو یہیں بیٹھی ہوں، ایک مرتبہ وہ صاحب پھر آئے، دیکھ کر ناراض ہونے لگیں، بات سننے کے لیے تیار نہ ہوئیں، ان صاحب نے موقع پاکر کہا کہ اماں! آپ نے فلاں باغ، بنگلہ اور کنواں دیکھا ہے؟ ذرا رنگ بدلا، کہنے لگیں کیوں؟ انھوں نے کہا کہ سرکار کو اس مکان کی ضرورت ہے یہاں سڑک نکلے گی یا کوئی سرکاری عمارت بنے گی، اس کے بدلے وہ باغ بنگلہ اور کنواں ملے گا، یہ کہہ کر وہ جانے لگے۔ کہنے لگیں "بیٹا بیٹھو، کبھی غریبوں کے یہاں کی چائے تو پیتے جاؤ۔" انھوں نے کہا میں بازو والے سے بات کرتا ہوں، انھیں کا مکان لے لیا جائے، کہنے لگیں "نہیں بیٹا! کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، تم اسی مکان کا سودا کرادو۔"

مرغوبات طبعی سے بہتر چیز سامنے آئے گی تو ان کا ترک آسان ہو جائے گا

بس یہی قصہ ہماری مرغوبات طبعی اور تعلقات دنیاوی کا ہے، جب ان سے قیمتی اور بہتر چیز ہمارے سامنے لائی جائے گی تو ہم سب سے دستبردار ہونے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اس سڑنے گلنے والے جسم، اس فانی اور مختصر زندگی کے مقابلہ میں حیات ابدی اور نعماء اخروی کا یہی معاملہ ہے، یہ جان اس جسم سے نکالی نہیں جاتی، اس سے بہتر جان ڈالی جاتی ہے، موت وفنا کا تخیل ہی غلط ہے، وہ تو حیات ہے۔ بعض لوگوں کو جب کسی کا آنا اور بیٹھنا ناگوار ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "ملک الموت کی طرح آکر بیٹھ جاتے ہیں"، نعوذ باللہ ملک الموت، تو فرشتہ رحمت ہے، ملک الموت تو بڑے اشتیاق کی چیز ہے، اس کو عذاب کا فرشتہ اور فنا کا پیغامبر بنادیا۔

یورپ کی قوموں نے ہمارا تخیل بدل دیا

یورپ کی قوموں نے ہمارا تخیل بدل دیا، ہمارے تخیلات پر قبضہ کرلیا، اس قبضہ کی وجہ سے ہر چیز اُن کی ہو گئی اُن کا فلسفہ ہے کہ کنجیاں ان کے ازاربند میں بندھی رہنے دو، تال پر قبضہ کر لو" اس کی مثال ایسی ہے کہ باپ تنخواہ لے کر گھر آتا ہے بیٹا ضد کرتا ہے کہ سب مجھے دے دو، وہ ساری تنخواہ اس کے سامنے ڈال دیتا ہے، پھر کہتا ہے۔ بیٹا فلاں چیز گھر کے لیے لے آؤ، فلاں چیز خرید لو سب اس کے ہاتھ سے روپیہ خرچ کرواتا ہے اور سارے کام نکال لیتا ہے اور بچہ خوش ہے کہ میں روپے کا مالک ہوں۔

انسان کی فطرت پانی کی طرح ہے

گرم پانی کی کوئی تعریف نہیں، وہ تو آگ اور گرمی کا کرشمہ ہے۔ جب گرمی کا اثر جاتا رہے گا پانی اپنی فطرت پر آجائے گا۔ قرآن نے فیصلہ کردیا ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[1] گویا گرمی ہماری طرف سے ہے اور ٹھنڈک جو تمھاری فطرت ہے تمھاری طرف سے۔

اسلامی خودکشی

یہاں ایک حکیم صاحب تھے، ان کا بچہ طبیہ کالج علی گڑھ میں پڑھتا تھا کہیں ساتھیوں کے ساتھ کسی دریا پر گیا سب بچے کود رہے تھے، اس نے بھی چھلانگ لگائی اور غائب ہو گیا، حکیم صاحب کو جب اطلاع کا تار ملا تو دماغی توازن بگڑ گیا۔ علی گڑھ گئے اور وہاں سے آئے تو جنون کی کیفیت تھی۔ صرف میرے ہاتھ سے دوا پیتے تھے، بار بار مجھے بلایا جاتا تھا

---

[1] تمھیں جو بھلائی اور نعمت پہونچتی ہے وہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے عنایت ہے اور جو برائی آتی ہے وہ تمھاری اپنی کمائی ہے ۱۲۔

(ان سے خودکشی کا بھی خطرہ تھا) ایک دن گیا تو ان کے سمدھی بیٹھے ہوئے تھے جن کی بچی کے ساتھ اس لڑکے کی نسبت تھی، انھوں نے کہا "معاف فرمائیے گا، میں نے آپ کو زحمت دی، خودکشی کیسی چیز ہے؟ میں نے کہا بہت عمدہ چیز ہے۔ انبیاء نے بھی خودکشی کی تعلیم دی ہے، وہ میرا منھ دیکھنے لگے۔ میں نے کہا پانچ وقت اپنے گلے پر چھری پھیرنے اور اپنی خودی کو فنا کرنے کا حکم ہے، مولاناؒ فرماتے ہیں

چوں کہ با تکبیر ہا مقرون شوید
ہمچو بسمل از جہاں بیروں شوید

کہنے والے نے یہ بھی کہا ہے ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اکثر ہرن تو وہ ہوتے ہیں کہ ایک گولی چلائی اور سب بھاگے، لیکن ایسے ہرن بھی ہیں جو شکاری کے انتظار میں رہتے ہیں ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بہ امید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

یہ صحیح خودکشی ہے جس کی عارفین تعلیم دیتے ہیں، البتہ جہلا نے جس کو خودکشی کہا ہے وہ "خداکشی" ہے خودکشی نہیں، اس لیے کہ یہ حاکم کے حکم کے خلاف ورزی ہے۔ اس پر حکیم صاحب نے خودکشی کا ارادہ تو ترک کر دیا اور نماز ایسی شروع کر دی کہ بیماری میں کبھی نہ چھوڑی۔

وعظ کی مثال فرمایا ـــــ بعض احباب مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے درس قرآن میں جاتے تھے، یہاں بھی آتے تھے۔ میں نے ایک

صاحب سے ایک دن پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہیں؟ کہا کہ "وعظ سے" میں نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ وعظ کی مثال کیا ہے؟ وعظ کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی نے ایک بچہ کو پانچ روپے دے دیے اس نے خرچ کر ڈالے پھر دے دیے، پھر خرچ کر دیے، اس کی عادت بگڑ گئی، لیکن ملکہ پیدا کر دینا، وہ علم سکھا دینا جس سے قرآن وحدیث آدمی خود پڑھنے لگے، ہر وقت ان سے فائدہ اٹھا سکے، ایسا ہے کہ جیسے کسی کو بوریہ بنانا، چٹائی بنانا سکھا دیا، ایسا ہنر آگیا کہ اس سے اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔

آیات و اسماء کا ادب

فرمایا کہ ـــــ میں اس کا بہت لحاظ رکھتا ہوں کہ کسی برتن یا صراحی وغیرہ پر نام نہ کھدایا جائے کہ یہ نام یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں میں سے ہوتے ہیں یا صحابہ کرام کے پھر ان برتنوں کو ادھر اُدھر ڈال دیا جاتا ہے اور بے ادبی ہوتی ہے۔ بعض لوگ لوٹے پر لکھوا لیتے ہیں، پھر وہ بیت الخلا میں جاتا ہے، ایک صاحب نے اگالدان پر اپنا نام نقش کروا رکھا تھا۔ دوسرے یہ کہ میں تعویذ یا قرآن مجید کی آیت یا اسماء حسنیٰ کو موم جامہ میں رکھ کر بازو پر باندھنے یا وقت پر اپنے پاس رکھنے کو بہت ناپسند کرتا ہوں، اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی اپنے پیر کی گردن میں رسی باندھ کر لیے پھرے۔ پھر کوئی پوچھے کہ ان کو کیوں باندھ رکھا ہے تو کہے کہ جس وقت ضرورت ہو ان سے دعا کروا لوں۔ اللہ کا نام اور آیات اس سے زیادہ ادب کی مستحق ہیں۔ لکھوا کر گھر میں رکھ لے ان کی برکت پہونچتی رہے گی، ایسے متعدد واقعات ہیں کہ ادب اور عقیدہ کے ساتھ ان چیزوں کو مناسب جگہ رکھنے سے گھر میں بڑی برکت اور روزی میں فراخی ہوئی۔

قانون کی پابندی ہر شخص کے لیے لازمی ہے

فرمایا کہ — قانون کی پابندی سب کو کرنی چاہیے۔ اس میں استثنا اور رعایت فساد کا موجب ہے۔

ایک مرتبہ میں کسی صاحب کو لینے یا کسی کو رخصت کرنے کے لیے اسٹیشن جانے لگا۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب خانقاہ سے تعلق رکھتے تھے کہنے لگے کہ پیر صاحب! آپ پلیٹ فارم ٹکٹ نہ لیجیے گا، میں نے کہا کیوں آپ کو چاہیے تھا کہ آپ مجھ سے دگنی تگنی قیمت دلاتے اس لیے کہ آپ ریلوے کے ملازم ہیں، اور خیر خواہی و فرض شناسی کا تقاضا ہے کہ آدمی جس کا ملازم ہو اس کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کرے، اسی طرح ایک مرتبہ میں نے دارالعلوم تاج المساجد کے کتب خانے سے ایک کتاب مطالعہ کے لیے لینی چاہی، مولوی عمران خاں صاحب نے اس کے قانون و شرائط بتائے، میں نے بڑی خوشی سے ان کو قبول کیا، کہ اگر ہمیں ان قوانین کی پابندی نہ کریں گے تو کون کرے گا۔

---

۱۲ بارھویں مجلس

۲۶؍شوال ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۷؍جنوری ۱۹۶۶ء خانقاہ شریف
۱۰½ بجے سے ۱۲ بجے تک

جدید حاضرین مجلس میں سے مولوی نظام الدین صاحب اصلاحی
(قیم جماعت اسلامی مدھیہ پردیش) محمود الحسینی صاحب ایڈیٹر الحمراء
محمد صغیر صاحب علیگ، قاضی عبدالحمید صاحب اندوری وغیرہ

مقرر کے قلب پر حاضرین کا عکس پڑتا ہے

راقم سطور نے عرض کیا کہ کئی سال سے طبیعت تقریروں سے اچاٹ ہے، تقریر کے نام سے بخار سا چڑھتا ہے۔ پہلے یہ کیفیت نہ تھی، فرمایا لوگوں میں طلب و استقبال ہوتا ہے، تو طبیعت میں انبساط و انشراح پیدا ہوتا ہے اور مضامین کی آمد ہوتی ہے ورنہ انقباض پیدا ہوتا ہے، دراصل حاضرین مخاطبین ہی کا عکس متکلم پر پڑتا ہے۔

کبھی مرید کو پیر کے آئینہ میں اپنی شکل نظر آنے لگتی ہے

فرمایا —— حیدرآباد میں ایک بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان کے مرید[1] تھے، میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، بہت شفقت وخصوصیت فرماتے تھے ان کے ایک مرید اور

---

[1] حضرت شاہ کلمی صاحب کرڑے مانک پور کے بزرگ مراد ہیں۔

خویش پولیس کے ایک بڑے افسر تھے ان کی بیوی کا انتقال ہوا، اس حادثہ سے وہ بہت متاثر تھے، تعزیت میں حضرت نے ان کو کوئی خط لکھا، ان کو بہت ناگوار ہوا، انھوں نے جواب میں ایک نامناسب خط لکھا جس میں ان بزرگ کے لیے بہت نا ملائم اور بے ادبی کے کلمات تھے، حضرت نے اس خط کی بہت سی نقلیں کروائیں، اور اپنے سب مریدین کے نام بھیج دیں، اور تحریر فرمایا کہ میں دراصل ایسا ہوں جیسا ان صاحب نے لکھا ہے، آپ لوگ مغالطہ میں تھے، اب میری حقیقت پہچان لیجیے، میرے پاس بھی اس کی ایک نقل آئی، میں نے اس کے جواب میں عریضہ لکھا کہ ان صاحب کو تو آپ میں چند ہی عیوب نظر آئے ہیں مجھے تو آپ سرتاپا عیب نظر آتے ہیں، جن لوگوں نے میرا یہ خط پڑھا، انھوں نے کہا یہ کیا بے تمیزی اور گستاخی ہے، حضرت پڑھیں گے تو سخت ناراض ہوں گے، میں نے ان سے کہا کہ حضرت مجھ سے ناراض ہوجائیں تو پرواہ نہیں، میں حضرت سے ناراض نہ ہوں، یہ سارا مضمون لکھ کر میں نے حضرت کی خدمت میں بھیجدیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں حیدرآباد گیا، مسجد میں میں نے نماز پڑھی، اس کے آس پاس حضرت کے کئی خدام اور مریدین رہتے تھے، ایک صاحب نے جن کا خاص تعلق تھا، مجھے دیکھا تو نماز پڑھ کر میرا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گئے، اور ایک طرف لے جاکر کہنے لگے کہ آپ نے حضرت کی خدمت میں کیا لکھا ہے ؟ میں نے کہا کہ میں کم عقل آدمی ہوں، کم عقلی کی بات لکھ دی ہوگی، کہنے لگے نہیں ہم لوگوں کے پاس اس خط کی نقل آئی ہے کہ اس خط کا ترجمہ کرو کہ میاں یعقوب نے کیا لکھا ہے ؟ کئی ماہ کے بعد حضرت کا تشریف لانا ہوا میں بھی حاضر ہوا۔ فرمایا کہ میاں یعقوب میں نے تمھارا خط وظیفہ کی کتاب میں رکھ لیا ہے۔

میں نے کہا کہ یہ مضمون میرا نہیں ہے، یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں کا واقعہ

فرمایا ــــــ کیا واقعہ ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک برہمن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، وہ بڑی ریاضتیں اور نفس کشی کر چکا تھا اور اس میں کشفی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک دن اس نے حضرت کو تنہا پا کر عرض کیا کہ ایک بات کہنا چاہتا ہوں، مگر کہنے کی ہمت نہیں ہوتی، حضرت نے کہا، بے تکلف کہو، اس نے کہا کہ آپ کا جسم تو نورانی نظر آتا ہے، لیکن قلب بالکل سیاہ ہے، حضرت نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم کو یہ مراتب کیسے حاصل ہوئے؟ اس نے کہا ہمیشہ نفس کے خلاف کرنے سے نفس نے جس چیز کا تقاضا کیا، میں نے اس کے خلاف ہی کیا، فرمایا مسلمان ہونے کو طبیعت چاہتی ہے؟ کہا نہیں، فرمایا پھر تو یہ طبیعت کے لیے بہت ہی ناگوار چیز ہے اور اپنے قاعدہ کے موافق نفس کی مخالفت کرو اور اسلام لے آؤ، اس نے کہا کہ جب میں اپنے گرد کی خدمت میں تھا تو وہ کبھی کبھی کہتا تھا کہ مجھے تیرے جسم سے اسلام کی بو آتی ہے، اس نے کلمہ پڑھا، حضرت نے فرمایا، اب تو ذرا دیکھو، اس نے کہا حضور اب تو آپ سراپا نورانی نظر آتے ہیں، فرمایا یہ تم اپنے کو دیکھتے تھے، اصل میں شیخ کامل آئینہ ہے اور ہر شخص اس میں اپنی صورت دیکھتا ہے، آئینہ جتنا صاف ہوگا، عکس اس میں صاف آئے گا، اور میں نے جو یہ عرض کیا ہے کہ حضرت مجھ سے خفا ہو جائیں تو مجھے پرواہ نہیں، میں حضرت سے خفا نہ ہوں یہ بھی شیخ سعدی کے کلام سے ماخوذ ہے۔

بندہ کا کام غلامی وتابعداری ہے خواہ کچھ ملے یا نہ ملے

شیخ سعدیؒ نے ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ

تمام رات مناجات و دعا میں مشغول رہے، صبح کو ایک غیبی آواز آئی کہ تم مردود بارگاہ ہو، تمھارا کوئی عمل قابل قبول نہیں، ان بزرگ کے چہرے میں کوئی تغیر نہیں ہوا، مریدوں نے کہا کہ کیا حضرت کے گوش مبارک میں یہ ندائے غیبی نہیں پہونچی؟ فرمایا کہ پہونچی، انھوں نے عرض کیا کہ پھر اس سے حضرت کی طبیعت مبارک پر کوئی اثر نہیں ہوا، انھوں نے کہا کہ ہمارا جو کام ہے وہ ہم کر رہے ہیں، وہ چاہے مقبول کریں چاہے مردود، اگر اس کا دروازہ ہمارے لیے بند ہے تو ہم جائیں کہاں، اس کے دروازہ کے سوا کوئی دروازہ کبھی تو نہیں اس پر ارشاد ہوا کہ یہ ابتلا تھا، تم مقبول ہو، شیخ فرماتے ہیں ؎

شبے تا سحر صالح زندہ داشت ۔۔۔ سحر دستہائے دعا بر فراشت
کے ہاتف انداخت در گوش پیر ۔۔۔ کہ بے حاصلی رد سر خویش گیر
بریں در، دعائے تو مقبول نیست ۔۔۔ بخواری برد یا بزاری بانیست
شبے دیگر از ذکر و طاعت نخفت ۔۔۔ مریدے زحالش خبر داشت گفت
چو دیدی کزاں روئے بستست ۔۔۔ بہ بے حاصلی سعی چندیں مبر
بدیباچہ بر اشک یاقوت خام ۔۔۔ بحسرت ببارید و گفت اے غلام
مپندار اگر دے عناں برشکست ۔۔۔ کہ من باز دارم ز فتراک دست
نومیدی آنگہ بگردیدے ۔۔۔ ازیں راہ کہ راہِ دگر دیدمے
چو خواہندہ محروم گشت از درے ۔۔۔ چہ غم گر شناسد در دیگرے
شنیدم کہ راہم دریں کوئے نیست ۔۔۔ دلے ہیچ راہے دگر روئے نیست
دریں بود سر بر زمیں فدے ۔۔۔ کہ گفتند در گوش جانش ندے
قبولیت گرچہ ہنر نیستش ۔۔۔ کہ جز ما پناہے دگر نیستش

تو حضرت ناراض ہوا کریں، یہ حضرت کا فعل ہے، ہم حضرت سے ناراض نہ ہوں،

ہمارا کام یہی ہے۔

قلوب کا قلوب پر اثر پڑتا ہے | فرمایا کہ قلوب کا قلوب پر بڑا اثر پڑتا ہے اور صاحب امراد ر صاحب اثر کا اور کبھی اثر پڑتا ہے اخلاق محسنی میں نوشیرواں کی حکایت لکھی ہے کہ وہ ایک دن شکار کو گئے، جنگل میں ساتھیوں سے علاحدہ ہو گئے، ایک جھونپڑے میں چلے گئے، پیاسے تھے، پانی مانگا ایک لڑکی گنے کا رس لے کر آئی اس میں کچھ کچرا پڑا ہوا تھا بادشاہ نے پیا اور طلب فرمایا اور کہا کچرا نہ ہو، اس نے کہا میں نے یہ کچرا خود ڈال دیا تھا کہ آپ سخت پیاسے معلوم ہوتے تھے، اگر ایک دم سے سارا پی جاتے تو نقصان ہوتا، اس مرتبہ لڑکی کو رس لانے میں بہت دیر لگی، اس عرصہ میں بادشاہ نے سوچا کہ اس کثرت سے یہاں گنّا پیدا ہوتا ہے، اور اتنا اس میں سے رس نکلتا ہے، اس پر محصول بہت کم ہے، اس میں اضافہ ہونا چاہیے۔ لڑکی رس لے کر آئی تو رس بہت تھوڑا تھا، بادشاہ نے سبب پوچھا کہ اتنی دیر کیوں لگی اور اتنا رس کم کیوں لائی؟ اس نے کہا کہ میں پہلے ایک ہی گنّے کا رس لائی تھی اور یہ کئی گنوں کا رس ہے، اور بڑی مشکل سے نکلا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی نیت میں فرق آگیا ہے، نوشیرواں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور تیسری بار فرمائش کی، اور اپنی نیت درست کر لی، اور یہ ارادہ کر لیا کہ محصول میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، لڑکی پیالہ بھر کر لائی اور کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کی نیت ٹھیک ہو گئی، اس مرتبہ خوب رس نکلا۔

حاضرین کے قلوب کا اثر حضورؐ کے قلب مبارک پر کبھی پڑتا تھا | فرمایا ـــــــ حاضرین کے قلوب کا اثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی پڑتا تھا، ارشاد فرمایا کہ میرے قلب پر کثافت سی آجاتی ہے انّہ لیغان علی قلبی۔ اس لیے میں ایک ایک مجلس

میں ستر ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

مغز میٹھا نہ ہو تو بادام کی کیا تعریف

فرمایا کہ ـــــ بزرگانہ شکل وصورت سے کچھ نہیں ہوتا کوئی لفافہ ہی دیکھ کر تعریف کردے کہ خط بہت اچھا ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا، جب تک خط کا مضمون نہ معلوم ہو، اس کی تعریف نہیں کی جاسکتی، اس حقیقت کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ وَحُصِّلَ مَا فِی الصُّدُوْرِ[1]۔ کوئی بادام کا چکنا چکنا چھلکا، اور بڑا سا دانہ دیکھ کر تعریف کرے تو اس کا کچھ اعتبار نہیں اصل تو گری ہے اور اس میں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس سے روغن بادام کتنا نکلتا ہے اس مغز اور روغن کے ظہور کی جگہ تو قبر ہے اس وقت معلوم ہوگا کہ بادام کڑوا ہے یا میٹھا، تر ہے یا بالکل خشک، مولانا نے صحیح فرمایا ہے ؎

آدمیت مشکل است اے آدمی ۔۔۔ چوں بری روز آوری ہائے غمی
آدمیت لحم وشحم وپوست نیست ۔۔۔ آدمیت جز رضائے دوست نیست
آدمیت گر بقوت می شدے ۔۔۔ گاؤ خر از آدمی بہتر بدے

اسی لیے حدیث میں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ آتا ہے۔

عالی چیز کے حصول کے لیے تیاری بھی ویسی ہی کرنی پڑتی ہے

فرمایا کہ ـــــ عالی چیز کو حاصل کرنے کے لیے اسی کی شان کے مطابق موانع کو دور کرنا ہوتا ہے۔ نماز کے لیے ضرورت بشری کو پورا کرنا، اور طہارت و وضو ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص کسی نماز کی دعوت دے اور وہ یہ سنتے ہی بیت الخلا کی

---

[1] کیا انسان کو معلوم نہیں وہ وقت، جب اٹھایا جائے گا قبروں سے اور نکال لیا جائے گا جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔

طرف روانہ ہو جائے تو یہ نماز کی تیاری ہے، نسخہ لکھتے وقت مریض پرہیز کو ضرور پوچھتا ہے، ابتدائی کتابیں پڑھ کر ہی بڑی بڑی کتابوں کو پڑھا جاسکتا ہے، لوگ وظائف تو بہت پوچھتے ہیں، لیکن ان کے اثر و قبولیت کے لیے خدا کے نام کی جو عظمت اور جس ایمان و یقین اور اعتماد کی ضرورت ہے اس کی فکر نہیں کرتے۔

قرآن حفظ کرانے کے بعد دوسری لائن پر لگا دینا بہت برا ہے

بہت سے لوگ اپنے بچوں کو حفظ کرا دیتے ہیں، اور اس کو فخریہ بیان کرتے ہیں، مگر اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ یہ بچہ اس دولت کی قدر و حفاظت بھی کر سکے گا یا نہیں حفظ کرانے کے بعد ایسی تعلیم دلاتے ہیں کہ وہ اس سب محنت پر پانی پھیر دیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی قورمہ اچھا تیار کرے اور اس کو چینی کے پیالہ میں بڑے تکلف سے نکالے پھر گوبر یا کسی نجس چیز کو پیس کر اس پر چھڑک دے، تو کیا یہ سب غارت نہیں چلا جائے گا؟ حفظ قرآن کے بعد جو زندگی اختیار کی جاتی ہے اس کو اس سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔

دل میں خدا کی عظمت ہو تو ایک آیت بھی کافی ہے

اگر دل میں خدا کے نام کی عظمت ہو تو ایک آیت زندگی میں انقلاب برپا کرنے کے لیے کافی ہے، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو پہلے ایک رہزن اور ڈاکو تھے ان کی زندگی میں انقلاب اس سے آگیا کہ وہ کہیں واردات کرنے گئے تھے کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا، ان کے کان میں یہ آیت پڑی اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ (کیا ابھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور آیات حقانی سے لرز جائیں) کہنے لگے وقت آگیا وقت آگیا

اور توبہ کی، ولایت کو پہونچ گئے۔

ارادوں کو قابو میں رکھ کر محل پر استعمال کرنا انسانیت ہے

فرمایا ـــــــ ارادوں کو قابو میں رکھ کر محل پر استعمال کرنا انسانیت ہے، ارادوں کا تابع تو جانور ہوتا ہے، جو اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے وہ جانور سے زیادہ ہے، لوگ کہتے ہیں کہ ہم اپنے ارادوں اور جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکے، میں کہتا ہوں کہ آپ شطرنج کھیلنے میں کیا کرتے ہیں، کیا آپ اپنے ارادوں اور خواہشات کو شطرنج کے اصول اور قاعدوں کے ماتحت نہیں رکھتے پھر شریعت کے احکام کے بارے میں آپ کیوں مجبور ہو جاتے ہیں۔

لوگوں نے اسلام کے تخت کو کاٹ چھانٹ کر تختہ بنا دیا

بہت سے لوگوں نے شریعت ہی کے احکام میں ترمیم و انتخاب کر لیا ہے، اور اس کو اپنے مطابق بنا لیا ہے۔ ایک بادشاہ نے کچھ لوگوں سے کہا کہ میرا یہ تخت اس کوٹھری کے اندر پہونچا دو، کوٹھری تنگ اور اس کا دروازہ چھوٹا تھا ایک درباری نے کہا کہ حضور تخت بڑا ہے اور کوٹھری چھوٹی، یہ تخت اس کوٹھری میں نہیں سما سکتا، بادشاہ بہت ناراض ہوا، اور کہا کہ یہ بے وقوف ہیں۔ پورب سے کچھ سمجھدار لوگ آگئے۔ انھوں نے کہا کہ ہم ابھی اس تخت کو اس کوٹھری میں بچھا دیتے ہیں، یہ ناسمجھ لوگ ہیں، یہ ایسا نہیں کر سکتے انھوں نے اوزار سے اس تخت کے کونے کاٹے تھوڑا سا اِدھر سے لیا تھوڑا سا اُدھر سے لیا اور تخت کو چھوٹا اور مختصر کر کے کوٹھری میں لے گئے، اور تخت کو تختہ کر کے رکھ دیا۔ اسلام بھی ایک تخت تھا، اس کی ایک کیل بھی نکالنے کی اجازت نہ تھی لیکن انھوں نے اس تخت کو بھی تختہ بنا دیا اور اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق کر لیا، حالانکہ ایک ایک پرزہ اپنی جگہ پر ہوتا ہے تو

مشین چلتی ہے۔

نوافل کا فائدہ

بعض لوگ نوافل اور سنن کو غیر ضروری سمجھتے ہیں، حالانکہ جب کوئی چپراسی خالی اوقات میں کسی سرکاری افسر کے ذاتی اور گھریلو کام کر دیتا ہے تو افسر کے دل میں بڑی وقعت ہوتی ہے اسی لیے فرمایا گیا۔ ولا یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل (الحدیث)[1] آپ کا ملازم آپ کے گھر گھی لے کر آئے اور کہے کہ میں گھر جا رہا تھا، ایک جگہ بڑا خالص اور سستا گھی بک رہا تھا، میں حضور کے لیے لیتا آیا، تو آپ کتنے خوش ہوں گے۔

سنت کی بے توقیری

بعض لوگوں کو اگر کسی شرعی امر کے لیے کہا جائے تو بہت د. بی زبان سے کہتے ہیں کہ سنت ہے یعنی کوئی ضروری اور اہم چیز نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ فعل سنت تو ہے مگر یہ لہجہ کفر ہے، زور سے عظمت کے ساتھ کیوں نہیں کہتے کہ سنت ہے جو ہمارا ایمان اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور عظمت ہے۔

گناہ اور سرکشی کا فرق

گناہ اور سرکشی میں کیا فرق ہے؟ ایک کیوں آسانی سے معاف کر دیا جاتا ہے اور دوسرا غضب اور عتاب کا موجب کیوں ہوتا ہے؟ اس لیے کہ پہلے میں قصداً مخالفت نہیں ہوتی، دوسرے میں مخالفت اور جرأت ہوتی ہے، آپ کوئی بہت پھٹا سا نوٹ جس کے کئی ٹکڑے ہو چکے ہوں صرف نمبر پڑھے جاتے ہوں بنک کی کھڑکی پر لے کر جائیے آپ کو اس کے بدلے میں نیا نوٹ دے دیا جائے گا۔ لیکن اگر آپ ایک نوٹ بنک سے لیں اور اس کو بنک کے افسر یا کلرک کے سامنے

---

[1] میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب تر ہوتا ہے۔ ۱۲

پھاڑ دیں تو چاہے اس کے دو ہی ٹکڑے ہوئے ہوں، آپ سزا اور عتاب کے مستحق ہوں گے اور سرکار کی توہین سمجھی جائے گی، اس لیے کہ پہلے میں ارادہ اور مخالفت کو دخل نہ تھا، اور یہ محض سرکشی اور جرأت ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں آتا ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَٰكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ۔[1]

بے ارادہ اور بالارادہ کی ایک مثال

سہارن پور کے اسٹیشن کے قریب ایک مسجد میں گاڑی کے انتظار میں بیٹھا ہوا تھا، ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے، ٹخنہ کے نیچے پاجامہ کی بڑی مذمت فرما رہے تھے اور وعیدیں سنا رہے تھے، کہنے لگے کم از کم نماز کے وقت تو اونچا کر لیا کریں، میں نے کہا، حضرت یہ تو گناہ کبیرہ ہے، اونچا کرنے والے کی نیت یہی ہوتی ہے کہ نماز کے بعد پھر اس کو نیچا کر لوں گا، تو جس گناہ کے کرنے کا عزم ہو وہ تو گناہ ہی میں داخل ہے، حدیث میں آتا ہے مَالَمْ يَرْجِعْ کیا خدا صرف نماز میں دیکھتا ہے، نماز کے باہر نہیں دیکھتا، یہ تو ایسی بات ہے کہ شراب کا شیشہ مسجد کے باہر رکھ دیا، جب نماز سے فراغت ہوئی تو جا کر پی لیا، جس گناہ کا عزم ہو اس کا نام طغیان ہے۔

ایک بزرگ کی تمثیلی حکایت

کسی بزرگ کا قصہ ہے کہ انھوں نے اپنے خادم سے کہا کہ چلم پینے کے لیے آگ لا، اس کو آگ نہیں ملی، تو کہا دوزخ میں لے آ، اس نے وہاں جا کر آگ مانگی تو مالک، داروغۂ جہنم نے کہا کہ یہاں

---

[1] تم سے جو خطا قصور، غلطی اور بھول چوک سے ہو جائے وہ گناہ نہیں لیکن دل کے عزم و ارادہ سے جو نافرمانی ہو وہ گناہ ہے (اور اس پر پکڑ ہوگی)۔

آگ واگ نہیں ہے، یہاں ہر شخص اپنی آگ اپنے ساتھ لاتا ہے، یہ ایک تمثیلی حکایت ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر شخص کی آگ اپنے ساتھ ہے وہ ہمارے اعمال واخلاق ہیں۔ قرآن شریف میں آتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ[۱] اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ؕ شریعت کے احکام بہت سے لوگوں کو معلوم ہیں۔ عمل کرنے کے لیے عزم وارادہ کی ضرورت ہے، شکر ومیوہ سب موجود ہے، چولھا سلگ رہا ہے، اور آپ میرے یہاں حلوہ مانگنے آئے ہیں۔

آپ بارود میں کبھی دیاسلائی رکھ دیں گے تو آگ نہ جلے گی جبتک دیاسلائی کو رگڑا نہ جائے

آپ بارود میں کبھی دیاسلائی رکھ دیں گے تو آگ نہیں جلے گی جب تک دیاسلائی کو رگڑا نہ جائے آگ نہیں پیدا ہوگی، ہم اپنی زبان کب تک چلائیں گے، آپ خود حلوہ کیوں نہیں پکا لیتے، جو چیز آپ میں کبھی ہے وہ وہ ہم میں کبھی، قرآن وحدیث آپ کے گھر میں کبھی ہے پھر کیوں رجوع نہیں کرتے۔

جب دواؤں اور غذاؤں میں سیکڑوں برس سے وہی تاثیر ہے تو نماز میں کیوں نہ ہوگی

دواؤں اور غذاؤں میں جو تاثیر وذائقہ سیکڑوں برس پہلے تھا وہی آج کبھی ہے، نمک مرچ میں جو تیزی برسوں پہلے تھی وہی آج کبھی ہے، آج کبھی ان کو منہ میں رکھنے سے منہ کڑوا ہوجاتا ہے اور آگ سی لگ جاتی ہے۔ پھر نماز میں وہ تاثیر جو تیرہ سو برس پہلے تھی وہ آج کیوں نہیں ہے، کہا گیا تھا، اِنَّ[۲] الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ

۱؎ جو لوگ ظالمانہ طور پر یتیموں کا مال ہڑپ کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف انگارے بھرتے ہیں اور یقیناً وہ دہکتی اور بھڑکتی ہوئی جہنم میں جائیں گے۔

۲؎ بلاشبہ نماز روک دیتی ہے بے شرمی کی باتوں سے اور گناہوں سے ۱۲

یہ خاصیت اس میں آج بھی ہونی چاہیے۔

غیر مسلم بھی نماز اور مسجد کا مرتبہ جانتے ہیں

غیر مسلم بھی نماز اور مسجد کا مرتبہ جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ پاک چیزیں ہیں، یہاں ہماری مسجد میں ایک مؤذن تھے، بیچارے اذان و نماز کے پابند تھے، مگر اخلاق میں کوئی تبدیلی اور ترقی نہیں ہوتی تھی، مسجد کے پاس ایک پھول دار درخت تھا اس میں پھول بہت اچھے لگتے تھے، میں نے کہا تھا کہ دیکھو کوئی یہ پھول نہ توڑے ایک دن ایک اہیر کسی ضرورت سے پھول توڑنے لگا، انھوں نے گالی دی تو کہنے لگا میاں ابھی مسجد سے نکلے ہو، گالی تو نہ بکو۔

بعض علماء کے ہاں بھی فرائض و احکام سے بے پرواہی ہے

فرمایا بعض اہل علم ایسے ہیں کہ ان کے گھروں میں فرائض و احکام کا ذکر ہی نہیں ہوتا اور ان کی اولاد تک موٹی موٹی باتوں سے بے خبر ہوتی ہے ایک مولوی صاحب کے داماد ہمارے یہاں زیور و نقد امانت رکھا کرتے تھے۔ بعض دفعہ بڑی رقم ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ اس مال کی زکوٰۃ بھی نکالتے ہیں۔ بہت سادگی سے کہا کہ اس کا تو کبھی گھر میں کوئی ذکر نہیں ہوا زکوٰۃ، اور اس کا عالم کے گھر میں ذکر ہی نہ ہو؟ اس پر مجھے یہ لطیفہ یاد آگیا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بمبئی کے ایک تاجر نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے بمبئی آنے کی دعوت دی، والد صاحب کی طبیعت میں جہاں بہت جلال تھا وہاں سادگی بھی بہت تھی، بلا اطلاع تشریف لے گئے ہم لوگ بھی ساتھ تھے، بمبئی میں ایک صاحب نے جو بھائی صاحب مرحوم کے سسرالی رشتہ دار ہوتے تھے اور عرصہ تک ہمارے گھر پر رہے تھے، انھوں نے دیکھ لیا، پیچھے پڑ گئے کہ ہمارے گھر تشریف لے چلیے ہم کو گھر بیٹھے

دولت مل گئی ہے، آپ کہاں یہاں آتے اور ہمارے گھر تشریف لاتے، والد صاحب نے بہت عذر کیا کہ ہم کو فلاں صاحب نے بلایا ہے وہیں جائیں گے مگر وہ نہ مانے اور اصرار کیا کہ کم از کم ایک روز تشریف رکھیں، ہم لوگ گھر پہونچے، سب چپ چاپ بیٹھ گئے، والد صاحب بھی مراقب، وہ بھی مراقب، کھانے پینے کا کوئی ذکر فکر نہیں، جب بہت دیر ہوگئی اور بھوک نے ستایا تو والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بٹوہ سے ایک نوٹ نکال کر شفیع اللہ خاں صاحب کو جو ہمراہ تھے دیا کہ بازار سے کھانا لے آؤ، وہ صاحب چونکے اور کہنے لگے کھانا؟ کھانے کا انتظام تو مجھے کرنا تھا میرا گھر تھا! شفیع اللہ صاحب کچھ کھٹکے، والد صاحب نے فرمایا وہ تو بیوقوف ہیں، تم بیوقوف نہ بنو، غرض کھانا آیا اور ان صاحب نے بھی بیٹھ کر کھایا۔ یہی قصہ زکوٰۃ کا ہوا کہ سب کچھ ہوتا رہا مگر اس کا ذکر ہی نہیں آیا زکوٰۃ کا ذکر تو جب پیدا ہوئے تھے جبھی آگیا تھا وہ تو کلمہ کے ساتھ ہی آگیا تھا، ایک بزرگ، جو رقم آتی تھی دیدیا کرتے تھے کبھی رکھتے نہ تھے، ایک مرتبہ رکھنا شروع کیا، خدام نے سمجھا مزاج بدل گیا ہے، جب مال زکوٰۃ کے قابل ہوا تو زکوٰۃ دے کر سب خیرات کردیا، فرمایا میں زکوٰۃ ادا کرنے کی فضیلت سے محروم تھا، اتنا مال ہی جمع نہیں ہوتا تھا کہ زکوٰۃ مجھ پر فرض ہو، الحمد للہ ایک مرتبہ یہ سعادت بھی حاصل ہوگئی پھر کبھی روپیہ جمع نہیں کیا، یہ ہے فرض کی ادائیگی کی فضیلت۔

تیرھویں مجلس

۲۷؍شوال ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰؍جنوری ۱۹۶۶ء خانقاہ شریف
وقت ½۱۰ بجے سے ½۱۲ بجے تک

چونکہ اتوار تھا، اس لیے مجمع بہت تھا، خانقاہ کے دالان وصحن سب بھرے ہوئے تھے، ایک جلسہ سا معلوم ہوتا تھا حضرت نے کچھ دیر کے بعد کھڑے ہوکر تقریر فرمانی شروع کی، آواز بہت بلند تھی، اور طبیعت میں جوش بہت تھا، تین مرتبہ ایسا ہوا کہ تقریر ختم کردی، اور بیٹھ گئے، پھر کچھ یاد آیا اور طبیعت میں تقاضا پیدا ہوا اور تقریر فرمانی شروع کردی، کسی قسم کا سہارا لینا یا کرسی پر بیٹھنا منظور نہیں فرمایا، تقریر بھی پوری مسلسل اور مربوط تھی، حاضرین ہمہ تن متوجہ اور بہت متاثر تھے، بعض حضرات پر رقت بھی طاری ہوجاتی تھی، شہر کے متعدد عمائد، افسران، اور بڑے ملازمین جدید تعلیم یافتہ اصحاب، کالجوں کے اساتذہ، طلباء اور شہر کے متعدد علماء بھی موجود تھے۔

اہل طلب کے آنے سے سینہ کھلتا ہے

فرمایا ــــــ اہل طلب کے آنے سے سینہ کھلتا ہے، ان کی وجہ سے مضامین کا ورود ہوتا ہے، آپ ٹوٹی کھولیں گے تو پانی نکلے گا، آپ سمجھتے ہیں کہ ٹونٹی کا احسان ہے، نہیں بلکہ ٹونٹی پر آپ کا احسان ہے، وہ تو گرم رہتی پانی نکلنے سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ پیر کون ہے معنیً مرید ہونے والا پیر ہے۔ کیونکہ اس نے ترغیب دلائی کہ اللہ کا راستہ بتایا جائے۔ علم امانت ہے۔ علم و حکمت کی باتیں اللہ کے بندوں کو پہونچانا عالم کے فرائض میں سے ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا واقعہ

مولانا حسین احمد مدنی بھوپال تشریف لائے ہوئے تھے۔ تین روز کا قیام تھا میاں (بڑے صاحبزادے مولوی محمد سعید صاحب) اور ان کے ماموں خانقاہ تشریف لانے کی دعوت دینے کے لیے گئے۔ مولانا نے معذرت فرما دی کہ سب اوقات گھر چکے ہیں اب کوئی وقت باقی نہیں ہے، دونوں ناکام واپس آئے میں نے کہا تم بچے ہو ابھی تمھیں کہنا نہیں آیا، میں گیا حضرت آرام فرما رہے تھے، مجھے دیکھ کر اٹھنے لگے۔ میں نے کہا نہیں آپ آرام فرمائیے مجھے صرف ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ ایک شخص نے مسجد بنائی وہ دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور اندر آنے والوں کو روکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ جب وہ مسجد بنا چکا اور وقف کر چکا تو اب اس کو کیا حق ہے؟ میں نے کہا آپ بھی مسجد ہیں، آپ نے اپنے آپ کو دین کے لیے وقف کر دیا ہے اب جو چاہے آپ سے فائدہ اٹھائے، فرمایا میں ضرور آؤں گا لیکن کھانے کے بجائے چائے پر اکتفا کریں، میں نے عرض کیا مجھے تو دوسرا ہی فائدہ اٹھانا ہے میں پانی پلا کر رخصت کر دوں گا۔ چنانچہ تشریف لائے میں نے نظر بچا کر ان کی

جوتیاں سیدھی کیں کہ عالموں کا احترام اللہ و رسول کی محبت کی دلیل ہے اور وہ تو حدیث نبوی کے شیخ تھے۔ دیر رات تک حدیث کا درس دیتے تھے۔ اہل دنیا کا حال ہے کہ ان کی محفل میں کوئی بڑا عہدہ دار آجاتا ہے تو مجلس میں کھلبلی مچ جاتی ہے اور کوئی دیندار آتا ہے تو کسی کی توجہ بھی نہیں ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نہیں۔

خلائی پروازیں انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ دنیا نے غور کرنے ہی سے ترقی کی ہے۔ پہلے ہمارے یہاں میٹھے تیل کا چراغ جلتا تھا، بارات میں مشعلیں لے کر لوگ چلتے تھے۔ دنیا نے اس پر اکتفا نہیں کی اور سوچتی اور تفکر کرتی رہی کہ اس سے آگے بھی روشنی ہونی چاہیے یہاں تک کہ آج اس بجلی کی روشنی تک پہونچ گئی۔ ایمان اور دین کے بارے میں یہی اصول ہونا چاہیے کہ جتنی روشنی ہمارے پاس ہے اس سے زیادہ کی طلب اور تلاش ہو کہ ترقی کی انتہا نہیں ہے اہل یورپ زمین سے جب ترقی کر چکے تو انھوں نے اب آسمانوں سیاروں اور چاند کی طرف توجہ کی ہے۔ میرے نزدیک یہ فطرت کے عین مطابق ہے اور اسی سے کمالات حاصل ہوتے ہیں دین کے بارے میں بھی یہی نظریہ ہونا چاہیے شاعر نے ٹھیک کہا ہے ؎

ترقی طلب کیجیے ہر گھڑی
خدا بے نہایت ہے رہ اس کی بڑی

دنیا نے اپنی ترقی پر اکتفا نہیں کیا دین والوں نے اپنی حالتوں پر اکتفا کر لیا

دنیا نے اپنی ترقی پر اکتفا نہیں کیا، دین والوں نے اپنی حالتوں پر اکتفا کیوں کر لیا۔ بات یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی عظمت اور وفاداری ان کے خیال میں ہے اس طرح دین کی عظمت ہمارے خیال میں نہیں ہے اگر میں بتادوں کہ فلاں

جگہ خزانہ ہے تو آپ اس کے لیے کیا کچھ نہ کریں گے۔

موجودہ ترقیات کی مثال

موجودہ ترقیات اور کمالات کی حقیقی ترقیات اور کمالات کے مقابلہ میں مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اس پر فخر کرے کہ میں نے گوبر کے کنڈے (اُپلے) بہت تھاپ لیے ہیں۔ بہت کام آئیں گے۔ یہ دراصل اس کے دماغ کی رکاکت اور پستی کی نشانی ہے۔ جن کے دل میں اللہ کی عظمت ہے وہ اس نظر سے ہم کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ع

بر عکس نہند نام زنگی کافور

دل کی آسودگی

جب ہم انتہائی تنزل میں آگئے تو اس کو انتہائی ترقی کا نام دے دیا۔ دل کا سکون اور روح کا اطمینان بالکل غائب زندگی ایسی ہو گئی ہے جیسے ریشمی چادر کو کانٹوں پر ڈال کر کھینچئے۔ جس طرح وہ چادر پھٹ جاتی ہے اسی طرح ہماری زندگی پارہ پارہ اور تار تار ہے میرے یہاں دو لڑکے مزدوری کرنے آئے، کپڑے بالکل پھٹے ہوئے تھے لیکن سارے دن ہنستے کھیلتے رہے۔ بات بات پر ان کی باچھیں کھل جاتی تھیں اور ٹھٹھے لگاتے تھے۔ کام میں جٹے رہے جب کھانے کا وقت آیا تو بھاجی اور سوکھی روٹی نکال کر کھانے بیٹھ گئے، ایسے مست اور مگن تھے جیسے بڑی نعمت کھا رہے ہوں۔ یہ اسباب سے بالکل خالی تھے۔ لیکن خوش تھے۔ ان کو یہ فکر نہیں تھی کہ امریکہ میں فلاں فلاں سامان ہیں، ولایت میں فلاں سامان، اسی کو کہا گیا ہے خیر الغنی غنی النفس (سب سے اچھی تونگری نفس کی تونگری ہے)

اہل دنیا کا خوف و ہراس

میں کلکتہ میں ایک ڈاکٹر کے بنگلہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جاپان کے کلکتہ پر حملہ کا خطرہ تھا۔ ٹیلیفون آیا اس کو

سن کر سب ہنسنے لگے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات تھی، کہنے لگے شہر کے بہت بڑے سیٹھ کا ٹیلیفون تھا کہ جب سے انھوں نے سنا ہے کہ جاپان کا ایک گولہ فلاں مقام پر گرا ہے ان کو دست لگ گئے ہیں۔ لوگ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ رہے تھے، ان لڑکوں کو کیوں اتنی ہنسی آتی تھی، اور وہ اتنے مست کیوں تھے جوانی کا گرم خون، صحت اور بے فکری۔ اور حقیقت میں جان جتنی بڑی دولت ہے، اتنی بڑی دولت کوئی نہیں۔ قرآن مجید حیات ابدی کا ضامن ہے۔ لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین (نہیں چھوئے گی جنت میں ان کو تھکن اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے) بنی نوع میں کون ہے جو اس دولت کو نہ لے۔ اگر اب دنیا کی دولت اس کے مقابلے میں چھوڑ ی تو کیا کمال کیا؟ اس حقیقی دولت کے مقابلہ میں دنیا کی وہ دولت کنڈے اور اُپلوں کی طرح ہے جب وہ حقیقی دولت چلی گئی تو سب کے سامنے جھکنے اور سجدہ کرنے لگے۔

افسر کے نام سے کلیجہ لرز جاتا ہے اور اللہ اکبر کی آواز سے کچھ اثر نہیں ہوتا

آج میں دیکھتا ہوں کہ افسر کے نام سے کلیجہ لرز جاتا ہے اور اللہ اکبر کی آواز کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حالانکہ یہ افسر و حاکم خیالی اور خود ساختہ ہیں مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا بِاللّٰہِ (نہیں اتاری ہے اللہ نے اس بات کی کوئی دلیل۔ حکمرانی تو بس اللہ ہی کا حق ہے)۔

وظیفہ کا راز

لوگ فرمائش کرتے ہیں کہ وظیفہ بتا دیجیے۔ آج پیشی ہے عظمت تو دل میں حاکم کی بٹھالی ہے اب وظیفہ کیا اثر کرے گا۔ ایک بی بی تشریف لائیں مصیبت بیان کی۔ میں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا وظیفہ بتایا کہا یہ تو میں پڑھتی ہی ہوں میں نے کہا آپ تشریف لے جائیے۔ اللہ کے رسولؐ نے

تو فرمایا تھا کہ یہ عرش کے خزانوں میں سے خزانہ ہے اور آپ کے نزدیک کوئی بات ہی نہیں، اس کے مقابلے میں ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اپنی ایک پریشانی ظاہر کی میں نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ختم بتایا۔ انھوں نے کہا یہ تو بڑے حضور (حضرت پیر ابو احمد[1] صاحب) نے بتایا تھا۔ اس کے پڑھنے سے ایک شخص جس کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی بری ہو گیا۔ انھوں نے عظمت کے ساتھ پڑھا اور غیبی طریقہ پر ان کی ایسی مدد ہوئی کہ حیرت ہو گئی ایسے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں۔

ہمارا اسلام شیخ سعدی کی انگوٹھی ہے!

فائدہ اٹھانے والا اور ٹھگنے والا جب تک بُری چیز کو اچھا کرکے نہ بتائے گا فائدہ نہ اٹھا سکے گا، سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ والد نے ایک انگوٹھی بنا کر دی تھی میں مکتب میں پڑھنے جاتا تھا ایک عیار مجھے راستے میں ملا۔ اس نے مجھے ایک کھجور دی میں نے کھایا تو میٹھی تھی کہا کہ اب انگوٹھی چوس کر دیکھو میں نے چوسا تو پھیکی اور بے مزہ تھی کہا کہ اب یہ پھیکی اور بے مزہ چیز مجھے دیدو اور میٹھی کھجور لے لو۔ اس طرح اس نے انگوٹھی ٹھگ لی۔ یہی ہماری مثال ہے۔ لوگوں نے ہم سے کہا یہ کیا ہے؟ ہم نے کہا اس کا نام اسلام ہے۔ یہ باپ دادا سے چلا آرہا ہے یہ ہم کو بڑی تکلیف دیتا ہے۔ ہم کو میٹھی نیند نہیں سونے دیتا، پسّوؤں اور جوؤں کی طرح ہم کو کاٹتا ہے اور ہم کو اس کی وجہ سے صبح اٹھنا پڑتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس میں کچھ نفع بھی ہے۔ ہم نے کہا محض خیالی نفع ہے! انھوں نے کہا ہم کو یہ دیدو اور یہ دولت اور کرسیاں ہم سے لے لو، ہم جس بستی میں تھے، اس بستی میں ہم کو

---

[1] صاحب ملفوظات حضرت مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کے والد ماجد اور شیخ

اسلام پست اور بے کار نظر آتا تھا اور یہ دنیا کی دولتیں بلند و کھائی دیتی تھیں۔ ایک شخص کھائی میں پڑا ہوا ہے اور بلندی پر بلّی ہے وہ کہتا ہے کہ بلّی انسان سے اونچی ہوتی ہے اب جب تک اس بلّی کو کھائی میں نہ لایا جائے یا اس شخص کو بلندی پر بٹھایا نہ جائے وہ اسی پر اصرار کرتا رہے گا کہ بلی انسان سے اونچی ہوتی ہے۔ یہی وہ حالت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (پھر لوٹا دیا ہم نے اس کو پست سے پست تر حالت میں) اب اگر پوچھا جائے کہ کھائی میں سے نکلنے کا کیا راستہ ہے، کہا جائے گا ہاں ایک جوہر ہے۔ "اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ"۔ (ہاں وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کو اپنایا تو ان کے لیے ابدی اجر ہے)

ہماری پستی کی انتہا آج ہماری قوم اس پستی میں پہونچ گئی ہے کہ اسلام کا کوئی جوہر اس میں نہیں پایا جاتا۔ نہ صداقت ہے نہ امانت، نہ اخلاق نہ عمل، ہر قسم کی بداخلاقیاں اور جرائم ان میں مل جائیں گے، چور، دغاباز، عیار، رہزن، سب ملیں گے، نام عبدالرحمان، محمد سلطان وغیرہ وغیرہ، جذبات پر قابو رکھنا اور غصہ کو دبانا تو آتا ہی نہیں، دو شخصوں میں ذرا گفتگو ہوئی اور ایک نے دوسرے کو چاقو مار دیا۔ غصہ کا محل کیا ہے؟ اور خوشی کا محل کیا ہے؟ یہ جانتے ہی نہیں ساتھی پر تو غصہ آیا اور نفس کی شرارتوں پر کبھی غصہ نہیں آتا، وجہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی حقیقت معلوم نہیں: يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ[1] قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ ۝ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ[2]"

[1] سورۃ الانفطار [2] سورۃ العبس

(اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی بابت دھوکے میں ڈالا ہے
اللہ کی مار ہو انسان پر وہ کیسا ناشکرا ہے (دیکھتا نہیں کہ) کس چیز سے اس کو پیدا کیا، نطفہ سے پیدا کیا اس کو، پھر اندازہ ٹھہرایا اس کا پھر آسان کیا راستہ پھر اسے موت دی، پھر قبر میں پہونچایا، پھر جب چاہے گا اسے قبر سے نکال کر کھڑا کر دے گا۔)

شیخ سعدیؒ کی ایک اور حکایت

شیخ سعدیؒ نے حکایت لکھی ہے کہ ایک آبرو باختہ شخص نے ایک بزرگ سے کچھ پیسے مانگے انھوں نے عذر کیا کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ؎

طمع برد شوخے بصاحب دلے — نبود آں زماں درمیاں حاصلے

یہ سنکر وہ شخص جامہ سے باہر ہو گیا اور ان بزرگ کی کھڑے ہو کر ہجو بیان کرنی شروع کر دی، کہنے لگا کہ ان جیسے لوگوں کے دھوکے میں نہ آنا یہ جس وقت مراقب اور سر بزانو ہوتے ہیں تو بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ اپنے شکار کی تاک میں رہتے ہیں یہ مسجد اس لیے آتے ہیں کہ یہاں بہت لوگ آتے ہیں، کوئی موٹا سا شکار ہاتھ آجائے گا، ان کو گھر میں شکار نہیں ملتا تو خانۂ خدا میں شکار کرنے آتے ہیں ؎

کہ چوں گربہ زانو بدل برنہند — دگر صیدے افتد چو سگ در جہند
سوئے مسجد آورد دکان شید — کہ در خانہ کمتر تواں یافت صید

کہنے لگا کہ قافلہ پر تو شیر مرد ڈاکہ ڈالتے ہیں جو کھلے میدان میں اپنی شجاعت کا جوہر دکھاتے ہیں لیکن یہ درویش نما رہزن تو لوگوں کی جیب کاٹتے ہیں یہ اپنی گدڑی میں سفید اور سیاہ پیوند لگائے ہوئے ہوتے ہیں لیکن وہ اس کے اندر سونا چھپائے ہوئے ہیں ؎

رہِ کارواں شیر مرداں زنند　　ولے جامۂ مردم ایناں کنند
سپید و سیاہ پارہ بر دوختہ　　بسالوس پنہاں زرا ندوختہ

کہنے لگا کہ یہ عبادت میں تو بہت ضعیف اور سُست نظر آتے ہیں لیکن رقص اور حالت وجد میں بڑے جوان اور چُست بن جاتے ہیں ؎

مبیں در عبادت کہ پیران وسُست
کہ در رقص و حالت جوانند وچست

یہ دیکھنے میں بڑے ضعیف ونحیف اور زار ونزار نظر آتے ہیں لیکن یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہیں جو اژدھوں اور سانپوں کو ہضم کر لیتا تھا اور ایسا ہی سوکھا اور سونٹا بنا رہتا ہے ؎

عصائے کلیم اند بسیار خوار
پس آنگہ نمایند خود را نزار

نہ یہ متقی پرہیزگار ہیں نہ عالم وحکیم بس صرف اتنی بات ہے کہ دین کے ذریعہ دنیا کھاتے ہیں ؎

نہ پرہیزگار و نہ دانشور اند
ہمیں بس کہ دنیا بدیں می خورند

اس نے کہا کہ تمام سنتوں میں سے انھوں نے بس دو ہی سنتوں کا انتخاب کیا ہے ایک سنت قیلولہ اور ایک طعامِ سحر ؎

ز سنت نہ بینی در ایشاں اثر
مگر خواب پیشیں و نانِ سحر

ان بزرگ نے جب اپنی یہ ہجو سنی تو فرمایا اس نے تو محض اپنے گمان و قیاس سے یہ باتیں کہی ہیں مجھے تو ان کا یقین حاصل ہے کیونکہ میں اپنے

عیوب کا مشاہدہ کرتا ہوں ؎

زروے گماں بر من انیہا کہ بست
من از خود یقیں می شناسم کہ ہست

اس بیچارے کا تجربہ تو صرف ایک سال کا ہے کہ اس کی ملاقات کو اس سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا اور مجھے تو اپنی عمر ستر سال کا حال معلوم ہے۔

دے اسال پیوست با ما وصال
کجا واندم عیب ہفتاد سال

اگر میدان حشر میں یہی میرے خلاف گواہ گزرے گا تو مجھے بڑا اطمینان ہے کہ میرے ساتھ اچھا ہی معاملہ ہوگا، پھر مجھے دوزخ کا ڈر نہیں۔

بمحشر گواہِ گناہم گر اوست
ز دوزخ نترسم کہ حالم نکوست

ایک بزرگ کی بے نفسی! سعدی علیہ الرحمہ ایک دوسری حکایت سناتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادیؒ عید کے روز حمام سے نہا کر اور صاف کپڑے پہن کر نکلے، ایک شخص نے کوٹھے پر سے ان پر کوڑا پھینک دیا۔ انھوں نے فرمایا، میں تو اس قابل تھا کہ مجھ پر پتھر پڑیں تیری رحمت ہے کہ پتھر کو میرے لیے کچرا بنا دیا۔

اصل بہادری تقسیم کے بعد یہاں ہڑبونگ کا زمانہ تھا، مولوی نعمان صاحب جارہے تھے۔ ایک شخص نے پیچھے سے ان کو مکّا مار دیا۔ انھوں نے پیچھے مڑکر دیکھا اور ایک لات ماری وہ شخص گر گیا یہ آگے بڑھ گئے۔ اس کا ذکر خانقاہ میں ہوا۔ مولوی عبدالرشید صاحب بیٹھے تھے۔ کہنے لگے نعمان میاں کسی سے مار کھانے والے نہیں! میں نے کہا یہ مت کہیے، ہم آپ کی بہادری جب

سمجھتے کہ آپ پر رنگ اور گوبر ڈالا جاتا تو خاموش چلے آتے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

چوں نہ داری ناخنِ درندہ تیز
با بداں آں بہ کم داری ستیز

بے وقت کی گرمی بنا بنایا کھیل بگاڑ دیتی ہے
نرمی جتنا عمدہ کام دیتی ہے سختی نہیں دیتی، بے وقت کی تیزی اور گرمی بنے بنائے کھیل بگاڑ دیتی ہے، جیسے اس قصبہ میں مسلمانوں کا جیتا ہوا مقدمہ ہار گیا جس میں کلثوم بیا کی مسجد پر حملہ ہوا اور حکام کو مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی تھی۔ لیکن جامع مسجد میں کچھ لوگ جوابی کارروائی کرنے کے ارادہ سے بیٹھے اور وہ گرفتار ہو گئے، اور کھیل بگڑ گیا[۱]۔ اگر ایسے موقع پر بجائے جوابی کارروائی کے جس کا سوائے ذلت و پریشانی کے کوئی نتیجہ نہیں دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتے اور کہتے اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ تو بہتر تھا۔

ہماری گراوٹ
دوسری قوم اتنی ذلیل نہیں ہوئی جتنا ہم ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم نے تم پر اتنے بڑے بڑے انعامات کیے، لیکن تم نے نافرمانی کی وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَۃَ اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَاجَاءَتْہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (اور جس نے بدل ڈالا اللہ کی نعمت کو تو اللہ بڑا ہی سخت سزا دینے والا ہے) ہم میں چور ڈاکو سب برائیوں والے موجود ہیں دوسری قوم والے کم ہوں گے، بیراگڑھ[۲] میں ایک سندھی عورت نے

---

[۱] یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ ایک پچھلے ملفوظ میں آچکا ہے۔
[۲] بھوپال کا ایک نواحی محلہ جس میں دوسری جنگ کے موقع پر غیر ملکی قیدی اور نظر بند رکھے گئے تھے۔

کچھ رقم جمع کی تھی۔ اس کو رات پڑ گئی۔ ایک صاحب دیندار صورت کے یہاں جن کی لمبی داڑھی تھی اس نے پناہ لی کہ یہ مسلمان ہیں اور دیندار ہیں۔ انھوں نے رات کو اس کو قتل کر کے اس کی رقم پر قبضہ کر لیا بالآخر گرفتار ہوئے اور اب بھی جیل میں پڑے ہوئے ہیں۔

صحابہ کرام کی اصل کرامت

مجھے رسالہ "بین الجبایۃ والھدایۃ"[1] میں یہ پڑھ کر بڑا مزہ آیا کہ لوگ اسلام کا بڑا معجزہ اور صحابہ کرامؓ کی بڑی کرامت یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا لشکر دریائے دجلہ کو گھوڑوں پر بیٹھ کر عبور کر گیا اور نہ کوئی ڈوبا اور نہ کسی کی کوئی چیز ضائع ہوئی۔ لیکن فی الحقیقت اسلام کا بڑا معجزہ اور صحابہ کرام کی اصل کرامت یہ تھی کہ دولت کے دریا اُمنڈ آئے اور قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں سے لگ گئے وہ اس دریا میں سے ہو کر صاف نکل گئے اور ان کا دامن بھی تر نہ ہوا۔

جنازہ میں شمولیت بھی رسم بن گئی!

میں نے ایک دوست سے کہا کہ لوگ جنازہ میں شامل ہوتے ہیں۔ مجھے ایک بھی جنازہ میں شامل ہوتا نظر نہیں آیا۔ جنازہ میں صحیح شمولیت یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ یہ جنازہ فلاں آدمی کا نہیں پڑا ہے دراصل میں مرا ہوں، یہ نماز جنازہ میری نماز جنازہ کا ریہرسل[2] ہے لیکن مجھے زندگی کی ایک مہلت مل گئی ہے۔ مجھ سے کسی نے کہا کہ فیض اللہ خاں نے جہانگیر آباد میں انتقال کیا، میں نے کہا غلط، صحیح یہ ہے کہ میں مرا ہوں۔ یہ میرے انتقال کی خبر ہے۔ مجھے سمجھنا چاہیے

---

[1] راقم السطور کا ایک عربی رسالہ جو عرصہ ہوا شائع ہوا تھا۔

[2] حضرت نے یہی لفظ استعمال کیا اور متعدد موقعوں پر یہ لفظ استعمال فرماتے رہے۔

کہ یہ میری ہی نماز پڑھائی جا رہی ہے۔ اور پھر قبر دیکھ کر یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سب ارادے اور آرزوئیں دفن ہو رہی ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف میں نے دیکھا ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے سب نے ہاتھ اٹھائے۔ ایک صاحب سگریٹ پی رہے تھے اس کو ذرا جھکا دیا کہ بجھے نہیں اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے پھر بدستور سگریٹ پینے میں مشغول ہو گئے۔ میں نے منشی حلیم الدین سے کہا کہ دیکھیے مردہ سگریٹ پی رہا ہے، قبر حجلۂ عروسی ہے کامیاب وہی ہے جو ایمان سلامت لے گیا ؂

بیرونِ گور لاف کرامت چہ می زنی
ایماں اگر بگور بری صد کرامت است

اگر بارات بڑی دھوم دھام کی ہے اور بڑا تزک و احتشام ہے لیکن نوشہ اہل نہیں تو کچھ فائدہ نہیں۔

خدمت میں جو لطف ہے وہ مخدومیت میں نہیں خدمت میں جو لطف ہے وہ مخدومیت میں نہیں میری کسی نے خدمت کی تو معلوم ہوا کہ کھانا تو کھا رہا ہوں مگر پھیکا، اور میں نے جب کسی کی خدمت کی تو معلوم ہوا کہ میں نے نہایت لذیذ اور چٹ پٹی چیز کھائی۔

نفس کے موٹاپے کا راز ایک بزرگ نے جب اپنے نفس پر غور کیا تو بہت موٹا پایا۔ انھوں نے نفس سے کہا کہ میں نے اتنے مجاہدے کیے مگر تم موٹے رہے؟ نفس نے کہا کہ میرے موٹاپے کی وجہ یہ ہے کہ جو آپ کے پاس آتا ہے وہ جھکتا ہوا آتا ہے۔ لوگ بادشاہوں کی بھی ایسی تعظیم نہیں کرتے جیسی آپ کی کوئی دست بوسی کرتا ہے، کوئی قدم بوسی اور جو آپ کھانا کھاتے تھے وہ آپ کے جسم کو پہونچتا تھا لیکن یہ تعظیم میری

غذا تھی اسی وجہ سے میں موٹا ہو گیا ہوں بالآخر انھوں نے اس کا علاج کیا اور ایسا سامان کیا کہ نفس پر ضرب لگی اور اس کا علاج ہو گیا۔ طویل قصہ ہے۔ کل ختم کے بعد میں نے کہا کہ فلاں کا نکاح ہو گا اور حضرت قدوۃ السالکین نکاح پڑھائیں گے۔ مطیع اللہ خاں صاحب نے کہا وہ کون ہیں؟ میں نے کہا یہی شاہ محمد یعقوب صاحب جو بیٹھے ہوئے ہیں۔ لوگ ایسے ایسے القاب لکھتے ہیں کہ نفس پھول جائے۔ مجھے تو اپنے ایک بچے کا یہ لکھنا بہت پسند آیا کہ میرے اچھے میاں، جس ہاتھ کو بوسے دیے جاتے ہیں اگر احساس ہو تو اس میں زخم ہیں اور پھوڑے جن پر مرہم اور زندہ طلسمات ملنے کی ضرورت ہے۔

---

۱۴ چودھویں مجلس

۲۹ جنوری ۱۹۶۱ء خانقاہ شریف بھوپال، حاضرین مجلس بدستور
وقت ساڑھے دس بجے سے ساڑھے بارہ بجے تک

کوئی شخص کمال سے خالی نہیں

فرمایا ـــــ کوئی شخص کمال سے خالی نہیں، کمال ہر ایک میں موجود ہے، بعض میں کالمعدوم ہوتا ہے مگر ہوتا ہے ہر شخص میں استعداد ودیعت ہے۔ جو اس وقت نظر نہیں آتی۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اس بیج میں دس ہزار پھل اور دس لاکھ پتیاں ہیں تو کون مانے گا۔ اہل باطن اس کمال اور مخفی استعداد پر نظر رکھ کر ہر شخص کی توقیر کرتے ہیں جیسے قصّہ ہے کہ دہلی کے بانکے جن کی داڑھی منڈی ہوئی تھی جسم پر انگرکھا، سر پر ترچھی ٹوپی ٹخنے کے نیچے پاجامہ۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے اور بہت عزت کے ساتھ بٹھایا، لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت بڑے بڑے روسا اور فضلا کے لیے کھڑے نہیں ہوتے، ان میں کیا خوبی دیکھی کہ سروقد تعظیم کی، تھوڑی دیر میں انھوں نے ایک پرچہ نکالا اور کہا کہ یہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا خط ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ مجھے اس کے انوار محسوس ہوئے۔ بس جس طرح ان کی جیب میں حضرت مرزا صاحب کا خط چھپا ہوا تھا جس کے انوار حضرت شاہ غلام علی صاحب کو محسوس ہوئے اسی طرح انسان کے اندر کا ایمان یا اس کی فطری استعداد یا اس کا مخفی کمال تعظیم و احترام پر مجبور کرتا ہے۔ میں حیدرآباد میں اخلاق جلالی پڑھنے کے لیے ایک صاحب کے پاس جاتا تھا جو بہت سی کمزوریوں میں گرفتار تھے، لوگ مجھے بہت سمجھاتے تھے اور کہتے تھے کہ آپ نے بہت غلط انتخاب کیا، میں کہتا تھا کہ ان میں بہت سی خرابیاں ہیں مگر اللہ نے ان کو ایک کمال عطا فرمایا ہے۔ یہ بھی معنی ہیں وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے۔

کلام کا صحیح مطلب متکلم کی حالت اور محل کلام دیکھ کر سمجھ میں آتا ہے

فرمایا ـــــــ کلام کا صحیح ترجمہ متکلم کی حالت اور موقعہ کلام دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، کسی صاحب کے یہاں ایک غیر ملکی خادم تھے۔ جو زبان اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے، وہ صاحب ایک مرتبہ بیت الخلا میں تھے، انھوں نے کہا پانی لاؤ، خادم نے کسی سے دریافت کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے لوٹے کی طرف اشارہ کیا کہ اس میں پانی لے جاؤ، وہ بے چارہ سمجھا کہ اس جملہ کا یہی ترجمہ ہے، ایک دن انھوں نے دستر خوان پر پانی مانگا۔ وہ خادم صاحب پاخانہ کے لوٹے میں پانی لے کر پہونچے لوگوں نے ان کو ٹوکا اور کہا گلاس میں پانی لے کر پیش کرو، وہ سمجھے کہ اب اس جملہ کا یہی ترجمہ ہو گیا، ایک مرتبہ صاحب خانہ نے پھر پاخانہ سے پانی مانگا وہ اب کے گلاس میں پانی لے کر پہونچ گئے، یہی حال اچھے اچھے سمجھدار لوگوں کا ہے اور یہی وحدۃ الوجود اور بڑے بڑے جھگڑوں کا حل ہے کہ کلام متکلم کی حالت سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا

دیکھنا یہ ہے کہ متکلم نے جب یہ کلام کیا تو وہ کس مقام پر تھا، اس پر کیا حالت طاری تھی، اس کی کیا کیفیت تھی، بے محل اگر فصیح و بلیغ الفاظ بولے جائیں تو ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کسی نے مہترانی سے کہا "اے کناسہ تیری جاروب کشی نے میرا دماغ معطر کر دیا ہے" وہ بے چاری کچھ نہ سمجھی، دوسرے نے کہا ہلکے ہاتھ سے جھاڑ، گرد آرہی ہے، کسی نے دیہاتیوں سے پوچھا کہ "آپ کے قریات میں امسال تقاطر امطار ہوا یا نہیں" وہ کچھ نہ سمجھے ایک صاحب نے کہا کہ پوچھتے ہیں کہ چھینٹا پڑا یا نہیں تو وہ سمجھ گئے۔

سلوک سے مراد حصول یقین ہے

ایک بزرگ نے اپنے ایک مرید سے اجازت کے بعد کہا کہ جانتے ہو کہ تصوّف کا خلاصہ کیا ہے۔ "پختن خیال"۔۔۔ میں نے کہا اس کا نام تو جنون ہے، مجنوں کے دل میں کبھی ایک بات جم جاتی ہے اور وہی کہتا رہتا ہے، یہاں چند آدمی ایک صاحب کو لے کر آئے انھوں نے کہا حضرت یہ میرے بھانجے اور بھتیجے مجھے دیوانہ سمجھتے ہیں، حالانکہ میں دیوانہ نہیں ہوں، میں تو کہتا ہوں کہ زمین پر جب میں دو انگلیاں رکھتا ہوں تو ہلنے لگتی ہے، دیکھیے میں نے یہ انگلیاں رکھی ہیں، یہ ہلی کہ نہیں، رام پور کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے کہا ہل رہی ہے، یہی مسمریزم میں ہوتا ہے کہ توجہ کو کسی ایک مرکز پر مرکوز کرکے طاقت پیدا کر لی جاتی ہے پھر اس سے تغیرات ہونے لگتے ہیں۔ بس میں نے کہا کہ سلوک سے مراد حصول یقین اور اپنی سمجھ کو ٹھیک کرنا مقصود ہے، حقائق موجود ہیں، اس پر یقین پیدا کرنا ہے قرآن شریف میں ہے:۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ الی آخر الآیہ (دنیا کی ہر چیز اللہ کی حمد و تسبیح کرتی ہے لیکن تم لوگ اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔)

اسلام کا عہد نامہ

فرمایا ـــــ ایک مرتبہ میں دہلی گیا ہوا تھا اور اسی زمانہ میں وہاں سخت سیلاب اور زلزلہ آیا ہوا تھا، کانٹھ[1] کے احباب اصرار کرکے دہلی سے اپنے یہاں لے گئے، وہاں جاکر دو افسوسناک باتوں کا علم ہوا، ایک یہ کہ کانٹھ اور رٹول والوں میں جو ایک دوسرے کے عزیز ہیں، سخت مخالفت اور ایک دوسرے کا مقاطعہ ہے، یہاں کا آدمی وہاں نہیں جاسکتا، وہاں کا آدمی یہاں نہیں آسکتا، آپس میں عہد کر رکھا ہے کہ ایک دوسرے کے جنازہ میں کبھی شریک نہیں ہوں گے، دوسری مصیبت یہ تھی کہ ایک شریف خاندان کی دو لڑکیاں جن کی عمر تجاوز کر رہی ہے بے شادی کے بیٹھی ہوئی ہیں، اگر ایک جگہ ان کا رشتہ کرنے کا خیال ہوتا ہے تو ایک بزرگ اور عزیز کہتے ہیں کہ ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوں گا، اگر دوسری جگہ رشتہ کرنے کا خیال ہوتا ہے تو دوسرے بزرگ کہتے ہیں کہ میں نہیں شریک ہوں گا۔ مختلف جگہوں سے پیام آتے تھے اور نامنظور ہوجاتے تھے بعض لوگوں نے مجھ سے یہ حالت بتائی اور وعظ و نصیحت کی فرمائش کی، ایک جگہ دونوں مقام کے لوگ جمع تھے، میں نے وعظ کہنا شروع کیا، پہلے عہد و معاہدہ کی اہمیت، اس کے پورا کرنے کا شرعی حکم اور تاکید بیان کی۔ اس پر ان لوگوں کے کان کھڑے ہوئے، جنھوں نے خود فرمائش کی تھی اور یہ سمجھتے تھے کہ میرے کہنے سننے سے مصالحت کا جذبہ پیدا ہوگا، ان کو تعجب ہوا کہ اس عہد و معاہدہ نے ہی تو اتنی دوری پیدا کردی ہے، یہ اور اس عہد و معاہدہ کی اہمیت بیان کر رہا ہے، جب میں نے اس مضمون کو خوب بیان کرلیا تو میں نے

---

[1] ضلع میرٹھ۔ تحصیل باغپت میں ایک قصبہ ہے۔

حاضرین سے پوچھا کہ اگر ایک شخص آج یہ عہد کرتا ہے کہ فلاں شہر میں نہ جائے گا، فلاں آدمی سے بات نہ کرے گا اور کل یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اس شہر میں جائے گا، فلاں آدمی سے بات کرے گا تو ان دونوں عہدوں میں سے کون سا عہد قابل لحاظ ہے اور کس کا ایفا زیادہ ضروری ہے؟ لوگوں نے کہا کہ پہلے عہد کا۔ میں نے کہا اب آپ حضرات غور کریں کہ آپ کا پہلا عہد کیا ہے، قرآن شریف میں آتا ہے۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ آدَمَ اَلَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا کہ تم شیطان کی پرستش اور بندگی نہ کرو، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے) یہ عہد اس دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں ہوا، اس کی پابندی اور ایفا ضروری ہے یا اس عہد کا جو آپ نے ابھی کچھ دن پہلے کیا ہے؟ اس پر وہ مقاطعہ ختم ہوا، اور برسوں کے بعد ایک قصبہ کے لوگ دوسرے قصبہ کے لوگوں سے ملے اس عرصہ میں بچے سیانے ہوگئے تھے، کسی نے اپنے بھانجے کو نہیں دیکھا تھا کسی نے اپنے بھتیجے کو سب ایک دوسرے سے گلے ملتے تھے اور بچوں کو دکھلاتے تھے کہ یہ آپ کا بھانجہ ہے، یہ آپ کا بھتیجہ ہے۔ غرض دونوں قصبوں میں ملاپ ہوگیا۔

ادھر ان بچیوں کی ماں نے بیعت کی خواہش کی، میں نے کہا تم جو نماز روزہ کرتی ہو کافی ہے، مرید ہونے کی ضرورت نہیں۔ انھوں نے کہا ہم سے کیا قصور ہوا ہے کہ ہم کو مریدی میں قبول نہیں کیا جاتا، میں نے کہا مرید ہونے کے بعد ہر بات ماننی پڑے گی، انھوں نے کہا ہم کو منظور ہے، میں نے ان کو مرید کیا اور کہا کہ اب میں ان لڑکیوں کی شادی کروں گا۔ جہاں جہاں سے پیام ہیں مجھے دے دو۔ میں نے ان کے نام حاصل کرلیے اور ان کے حالات و

تفصیلات بھی معلوم کر لیں، میں ایک باغ میں کچھ وقت تنہا گزارتا تھا، وہاں میں نے ان پر غور کیا اور دو لڑکوں کا جن کے پیام آئے تھے انتخاب کر لیا، معلوم ہوا کہ ان کا پیام رد کیا جا چکا ہے اور جب انھوں نے تقاضا اور یاد دہانی کے خطوط لکھے تو ان کو لکھ دیا گیا کہ اگر تم کو ڈاک خانہ کو فائدہ پہونچانا ہی ہے تو یوں ہی روپیہ دیدو۔ ہم تمھارے خط بے پڑھے جلا دیتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ان کو تار دے کر بلایا جائے غرض وہ لڑکے اور ان کے والد آئے، میں نے ایک دم سے نکاح کا اعلان کروا دیا، نہایت سادگی سے ایجاب وقبول ہو گیا، مہر کا سوال ہوا تو لڑکوں کے والد بولے مہر فاطمی میں نے کہا نہیں مہر مثل جو اس لڑکی کی ماں کا تھا وہی ہوگا، انھوں نے کہا کہ مہر فاطمی تو سنت ہے میں نے کہا حضرت فاطمہ کا مہر ادا کرنا تھا تو علی مرتضیٰ کی شکل بھی بنائی ہوتی۔ لڑکوں کو دیکھو غیر شرعی صورت، کیا علی مرتضیٰ کی یہی صورت وسنت تھی، غرض وہ نکاح ہو گئے میں نے کہا کہ شادی میں آپ کیا صرف کرتے؟ کہنے لگے بارات آتی ہزار ڈیڑھ ہزار صرف ہوتا ہی۔ میں نے کہا کہ اب وہ ہزار ہماری لڑکی کے لیے امانت ہیں۔ وہ اس کو دے دیجیے گا۔

انبیاء علیہم السلام اور مشائخ ومرشدین کے کام کی مثال

فرمایا ایک بات آج عرض کرنی ہے، کل بہت مجمع تھا۔ عرض کرنے کی بات یہ ہے کہ ہوا، تیل، بتی الگ الگ چیزیں ہیں، ان کے ملنے کا نام روشنی رکھا گیا ہے۔ روشنی آسمان سے نہیں آتی جب تیل، بتی ملتے ہیں اور ان کو حرارت پہونچتی ہے۔ پھر جلانے والی ہوا۔ (آکسیجن) ان کو پہونچتی ہے تو وہ بتی روشن ہوتی ہے۔ اگر کھانے والی ہوا (کاربن[1] ڈائی آکسائڈ) سے حفاظت کر لی جائے۔

---

[1] حضرت یہ دونوں اصطلاحی نام جناب بدیع الحسن ایم۔ ایس سی، استاد سیفیہ کالج سے پوچھ کر فرماتے تھے جو خانقاہ کے خاص حاضر باش لوگوں میں سے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کا احسان یہی ہے کہ وہ روشنی پیدا کر دیتے ہیں، ان کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک شخص آپ کو ایک اندھیرے مکان میں لے جاتا ہے وہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں کی چیزیں دکھلاتا ہے اور وہاں کا سامان بتاتا ہے۔ دس بیس چیزیں اس نے بتائیں، ابھی معلوم نہیں کہ مکان میں اور کیا کیا ہے اگر آپ کو دس چیزیں معلوم ہوئیں تو پچاس چیزیں نہیں معلوم ہیں۔ ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بٹن دبایا، سارا مکان روشن ہو گیا، اب آپ اپنی آنکھوں سے سب چیزیں دیکھ لیں گے۔ اس کی ضرورت نہ رہے گی کہ ہاتھ پکڑ کے بتایا جائے۔ یہی حال سلوک کا ہے کہ آپ کو شیخ نے انگلی پکڑ پکڑ کر چلایا اور ہاتھ پکڑ پکڑ کر دس پانچ چیزیں بتائیں، آپ پیر و مرشد کی تعریف کرتے ہیں کہ ہم نے ان کی مہربانی سے اتنی چیزیں دیکھ لیں، کل کو انھوں نے اور چیزیں بتا دیں، آپ نے کہا اور سلوک طے ہو گیا۔ قرآن مجید اور انبیاء نے کیا کیا؟ بتی جلا دی۔ اب سب روشن ہو گیا۔ ہر شخص کی ذات میں روشنی کا پورا سامان ہے۔ ہر ایک کی بتی ہر ایک کے پاس ہے، خون، اپنی مشقتیں اور عبادات اس کا تیل ہے۔ یہ خون وہ ہے جو جلنے سے بڑھتا ہے آگ بجھانے والی ہوا سے حفاظت یعنی کفر و معاصی اور حب دنیا سے پرہیز ضروری ہے۔ سب کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ انسان خلاصۂ موجودات ہے۔ جو کچھ دنیا میں باہر ہے وہ سب اس کے اندر ہے۔

فرمایا، میرے اندر محبت کا مادہ شروع سے ہے۔ اچھی آواز اور اچھے شعر سے مجھ پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ بعض مرتبہ ایک ایک شعر کئی کئی دن تک زبان پر جاری رہتا ہے۔ حکیم ابو حبیب صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تم پر چشتیت کا رنگ غالب ہے، میں حیدر آباد میں ایک قہوہ خانہ کے پاس سے

گزر رہا تھا کہ ایک لڑکا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

مری لحد پہ کوئی پردہ پوش آتا ہے
چراغِ گورِ غریباں صبا بجھا دینا

پہلا مصرع تو میری سمجھ میں آیا۔ دوسرے مصرعہ کا مطلب پوری طرح سمجھ میں نہیں آیا، میرے بعض بے تکلف دوست سید عمر صاحب کے مزار پر پکڑ لے گئے وہاں عرس تھا، قوال یہی شعر پڑھ رہا تھا، میرے ذہن میں بجلی کی طرح اس شعر کا مطلب آگیا۔ بزرگانِ دین اس جسم کو لحد کہتے ہیں۔ وہ جسم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جس طرح آپ قبر پر جاکر مٹی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، روح کی طرف متوجہ ہوکر آپ فاتحہ پڑھتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ چراغ دنیا جب تک نہ بجھے وہ انوار نہیں پہونچ سکتے۔

شادیوں میں سب بلائے جاتے ہیں، صرف خدا اور رسول کو رخصت کردیا جاتا ہے

فرمایا کہ شادیوں[۱] میں سب بلائے جاتے ہیں صرف خدا اور رسول کو رخصت کردیا جاتا ہے۔ صرف شادی کے اوقات میں وہ باہر رہتے ہیں، پھر ان سے راہ و رسم پیدا کرلی جاتی ہے۔

نماز روزے کے ساتھ بے پردگی اور خدا کی نافرمانی

بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ نماز بھی جاری ہے خدا سے واسطہ بھی ہے۔ مگر گھر میں بے پردگی بڑھ رہی ہے اور ان کو کچھ پروا نہیں ہے، اب یہ بات اتنی بڑھ گئی گویا

---

[۱] یہ زمانہ (شوال کا مہینہ) بھوپال میں کثرت سے شادیوں کا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ بہت سے جہلا، ذیقعدہ میں (جس کو خالی کا مہینہ کہتے ہیں) اس قسم کی تقریبات نہیں کرتے، اس زمانہ میں بھی شادیوں کا زور تھا اور مجلسوں میں برابر وہ لوگ آیا کرتے تھے جن کا ان تقریبات سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہوتا تھا اس لیے بار بار یہ مضمون دہرایا جاتا تھا۔

مسلمانوں میں پردہ کوئی چیز ہی نہیں ہے عورتیں بے محابا منھ کھولے پھرتی ہیں حدیث میں ایسی بے حیائی کیلئے کتنے سخت الفاظ آئے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالنے والوں کیلئے کیسے سخت الفاظ ہیں "وَاَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰھُمُ النَّارُ" (جن لوگوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے) بعض مرتبہ دواخانے[1] جانا ہوا، میں نے دیکھا کہ بعض ترقی پسند حضرات اپنی بیوی یا بیٹی کا ڈاکٹر سے تعارف کراتے ہیں اور وہ ان سے ہاتھ ملاتی ہیں۔ قرآن مجید نے تمام مسلمانوں کو امت واحدہ قرار دیا ہے "وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً" کثرت میں وحدت ہے اور وحدت میں کثرت، اس لیے یہ سب ہمارے ہی اعمال اور ہماری کمزوریاں ہیں اور ہم کو اُن پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔ شیخ سعدی نے غلط نہیں کہا ہے

بنی آدم اعضاء یک دیگر اند | چوں در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار | دگر عضو ہا را نماند قرار

آپ نے ایک مرتبہ میری تحریک پر مسجد میں تقریر کی تھی، اس میں کہا تھا کہ بھوپال میں بے پردگی برابر بڑھتی نظر آتی ہے اور جس قوم میں بے پردگی عام ہوئی اور بے حیائی بڑھی، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تیزی کے ساتھ زوال آیا اور بالآخر وہ تباہ ہو گئی، قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے عمل اور بے عنوانیوں سے غضب الٰہی اتنا حرکت میں نہیں آتا جتنا مسلمانوں کی نافرمانیوں اور بے عنوانیوں سے،

---

[1] اہل حیدرآباد شفا خانہ کو دواخانہ کہتے ہیں حضرت کی زبان پر ابھی تک حیدرآباد کی زبان غالب ہے۔

اس لیے کہ کفار کے متعلق تو کہہ دیا گیا ہے "فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ" لیکن مسلمانوں کو ایسی مہلت نہیں ملتی۔ نافرمانیاں دور کر کے عبادت کرنی چاہیے جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھنا اور گناہوں کو بڑھاتا ہے۔

ہر مشکل آسان ہے اور ہر آسان مشکل

فرمایا کہ مشکل سے مشکل چیز بھی نفع کی توقع اور فائدہ کی امید میں آسان ہو جاتی ہے، یہ سب امورِ نسبی ہیں، مشکل بھی آسان ہے اور آسان بھی مشکل، ایک شخص کہتا ہے کہ یہ پتھر جو پڑے ہیں میرے گھر پہونچا دیجیے، پتھر بھاری اور فاصلہ بہت اور گرمی اور دھوپ کا وقت۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ تو قیامت تک مجھ سے نہیں ہو گا۔ میں کہتا ہوں کہ اچھی بات ہے، مگر اس پتھر کو پہونچا دینے کا انعام یا مزدوری ایک لاکھ روپیہ ہے، اب آپ کہنے لگیں گے کہ میں ہی پہونچاؤں گا، ہزار کہا جائے کہ نہیں کوئی دوسرا پہونچادے گا، آپ مانیں گے نہیں، اور کسی کے حق میں اس سے دستبردار نہیں ہوں گے، یہی پردہ اور بے پردگی کا معاملہ ہے کہ اگر اُخروی اجر و ثواب اور اللہ و رسول کی خوشنودی کی قدر و قیمت نہیں معلوم تو پردہ بہت مشکل اور بے پردگی بہت آسان، اگر معلوم ہے تو بے پردگی بہت مشکل اور پردہ بہت آسان۔ آج جن لوگوں کو پردہ بہت مشکل معلوم ہو رہا ہے آج سے پچاس برس پہلے ان کے بزرگوں کو بے پردگی پہاڑ معلوم ہوتی تھی اور اس کے تصور سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔

---

۵ ان کو چھوڑ دو یہ لگے رہیں باطل میں اور کھیل تماشوں میں، اور باطل آرزوئیں ان کو غافل رکھیں وہ عن قریب جان لیں گے (یعنی ان کا حساب آخرت میں پورا کیا جائے گا)۔

سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے رزیڈنٹ سے دستانہ پہن کر مصافحہ کیا تھا اس پر ان کے شوہر سلطان دولہا کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔

اللہ کے پاس جانے کا خیال برسوں میں بیٹھتا ہے اور ذرا میں نکل جاتا ہے۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے ساتھ برسوں رہے اور بیسیوں معجزے دیکھے، پھر ایک بُت پرست قوم کو دیکھ کر پکار اُٹھے "یَامُوسیٰ اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ" (موسیٰ ہمارے واسطے بھی ایک معبود بنادے جیسے ان کے معبود ہیں)

ہم کو کیسا آسان دین اور کیسی سہل شریعت دی گئی ہے

ہم کو قدر نہیں کہ اللہ نے ہم کو کیسا آسان دین اور کیسی سہل اور قابل عمل شریعت عطا فرمائی ہے۔ نہ ہم کو حکم دیا کہ نجاست لگنے پر جسم کو چھیل ڈالو نہ یہ کہ کپڑے کو پھاڑ دو۔ صرف دھو لینا اور پاک کر لینا کافی ہے۔

پندرھویں مجلس

۲۹ر شوال ۱۳۸۷ھ مطابق ۳۰ر جنوری ۱۹۶۸ء

مہمان خانہ مسجد شکور خاں

آج ۲۹ر شوال بروز شنبہ صبح حیدرآباد کے لیے راقم سطور کی روانگی تھی گاڑی صبح ۹ بجے سے پہلے روانہ ہوجاتی تھی۔ اس لیے مجلس میں حاضری اور استفادہ کا کوئی امکان نہ تھا۔ حضرت نے باوجود درخواست کے رخصت کے لیے اسٹیشن تشریف لانے کا عزم فرمایا تھا۔ لیکن صبح اطلاع ملی کہ گاڑی ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ حضرت آٹھ بجے صبح ہماری قیام گاہ مسجد شکور خاں ہی میں تشریف لے آئے اور وہیں مجلس شروع ہوگئی۔ کچھ دیر تشریف رکھنے کے بعد اسٹیشن تشریف لے گئے وہاں گاڑی کی آمد تک برابر ارشادات وملفوظات کا سلسلہ جاری رہا، جگہ کی تبدیلی کے علاوہ کسی چیز میں کوئی تبدیلی نہ تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس طرح آج بھی مجلس نصیب ہوگئی۔ خاص خاص ارشادات درج ذیل ہیں۔

پہلے صفائی پھر علاج

فرمایا منھ اور معدہ کا صاف ہونا پہلی شرط ہے اس کے بغیر کسی چیز کا ذائقہ اور اس کا حقیقی فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ انبیاء علیہم السلام پہلے منھ اور معدہ کی اصلاح فرماتے ہیں۔ پھر نصیحت اور ہر ایک ہدایت نافع و موثر ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے جس میں فرمایا گیا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دنیا کی قومیں مسلمانوں پر اس طرح نرغہ کریں گی جس طرح کھانے والے کھانے کی لگن پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلاتے ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا یہ ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے ہوگا، فرمایا نہیں تم اس زمانہ میں بہت ہوگے لیکن تمھارے دلوں میں "دہن" پیدا کردیا جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ "دہن" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا مال سے محبت اور موت سے وحشت، بس یہ دونوں چیزیں مال کی محبت اور موت سے وحشت جب تک دور نہ ہوں دین کی کسی نصیحت و تلقین سے پورا نفع نہیں ہوتا اور دینی حقائق کا پورا ذائقہ نصیب نہیں ہوتا انھیں دونوں کا دور کرنا منھ اور معدہ کی اصلاح ہے، میرا ایک بچہ بیمار ہوا، اس کے منھ کا ذائقہ خراب تھا ہر چیز اس کو کڑوی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی والدہ اُس کے لیے بڑے اہتمام سے بٹیر کا سالن تیار کرتیں کہ وہ کچھ کھائے مگر اس کو وہ بھی کڑوا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ منھ کڑوا ہے اس کو ہر چیز کڑوی اور بدمزہ معلوم ہوگی جب تک اس کے منھ کا ذائقہ تبدیل نہ ہو اس کو کوئی چیز اچھی معلوم نہیں ہوسکتی۔ یہی معنوی دہن اور معدہ کا حال ہے کہ جب تک ان کی اصلاح نہ ہو کسی چیز کا اصل مزہ معلوم نہیں ہوسکتا۔

تصوف سے بعض طبقوں کی وحشت اس کا سبب اور طریق علاج

راقم سطور نے اپنی ایک عربی تصنیف "رَبَّانِيَّةٌ لَا رَهْبَانِيَّة" پیش کی اور عرض کیا کہ نجد کے

علما اور بہت سے تعلیم یافتہ عرب حضرات کو تصوف سے بڑی وحشت ہے۔ مدینہ طیبہ میں ایک فاضل نجدی دوست نے مجھ سے کہا کہ اگر تصوف پر آپ کوئی کتاب لکھیں تو ہمارے علما، اور یہاں کے تعلیم یافتہ حضرات پڑھ لیں گے اس موضوع پر کسی اور کی کتاب کا پڑھنا لوگوں کے لیے دشوار ہے۔ یہ کتاب اسی ضرورت کے احساس کے ماتحت لکھی گئی کہ اور کچھ نہ ہو سکا تو کم سے کم ان لوگوں کی اصلاح و تربیت کے اس طریقہ سے وحشت کم ہو اور اس کی ضرورت کا کسی درجہ میں احساس پیدا ہو۔ فرمایا کہ بہت اچھا کیا اللہ کے مخلص اور مقبول بندوں سے وحشت کے کم ہونے کی ضرورت تھی لیکن وہ بیچارے بھی معذور ہیں کہ عرفی تصوف میں بہت سی ایسی چیزیں داخل ہو گئی ہیں جن سے اہل علم کا متوحش ہونا ضروری اور قدرتی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی کہے کہ گلاب جامن تو بہت اچھی ہے اور کھانے کو بھی جی چاہتا ہے مگر اس پر کھیاں بہت بیٹھی ہوئی ہیں۔ طبیعت کو کراہت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کو کسی اصطلاحی نام اور لفظ سے چڑ ہوتی ہے ۔ مثلاً بعض لوگ کسی مٹھائی کے نام سے چڑنے لگتے ہیں۔ ایسے موقع پر اس نام کے لینے کی ضرورت نہیں اس کا مصداق اور اصل شئے ان کے سامنے رکھ دی جائے، وہ قبول کر لیں گے۔

حضرت نے اس کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھا، فرمایا کہ اب علوم وحقائق کی اشاعت کتنی آسان ہو گئی ہے، ہمارے زمانہ میں کیسی اچھی کتابیں چھپنے لگی ہیں جن کو دیکھنے کو پہلے آنکھیں ترستی تھیں پھر یہ شعر پڑھا ؎

سچ جو پوچھو ہم ہیں اگلوں سے زیادہ خوش نصیب
فصل گل میں جس طرح رہتی ہے شادا ں عندلیب

مشائخ سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں اس لیے ان کی ہر بات کی تقلید و پیروی ضروری نہیں

فرمایا ــــ ایک شیخ طریقت کا واقعہ لکھا ہے کہ جب نماز کھڑی ہونے لگتی تو ایک ایک مقتدی پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے جاتے کہ تمھارے دل میں خطرات و وساوس ہیں تم الگ ہو جاؤ اس طرح اہل خطرات کو چھانٹ دیتے اور صرف وہ لوگ رہ جاتے جن میں حضور قلب ہوتا اور خطرات نہ ہوتے۔ بیشک یہ ان کی قوت کشفیہ تھی لیکن یہ طریقہ اسوۂ نبویہ کے خلاف ہے۔ اس وقت تو نماز میں منافقین بھی آتے تھے، آپ ان کو کبھی علاحدہ نہیں کرتے تھے، تصوف کی روح تو یہ ہے کہ جو آج بُرے ہیں وہ کل اچھے ہو سکتے ہیں اور جو آج اچھے ہیں کل برے ہو سکتے ہیں جن کو آج بہت خطرات آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کو حضوری حاصل ہو جائے اور خطرات سے محفوظ ہو جائیں، بہت سے لوگوں نے شیخ کو بالکل بے خطا، معصوم سمجھ لیا ہے، ان کے نزدیک اس کی ہر بات کی قرآن و حدیث کی طرح پیروی کرنی ضروری ہے اور کبھی اس سے کسی بات میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا، حالانکہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ نماز میں امام کو سہو ہو تو مقتدی کا لقمہ دینا اور اس کو تنبیہ کرنا کہ آپ قعدہ اولیٰ میں نہیں بیٹھے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر وقت پیروی و تقلید ضروری نہیں مقتدی گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ آپ سے سہو ہو گیا، اس وقت آپ پیر ہم مرید نہیں بلکہ اس وقت ہم پیر اور آپ مرید ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا (عبد اللہ ابن ام مکتوم) آتے ہیں اور آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ سرداران قریش سے گفتگو میں مصروف ہیں۔ آپ ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرماتے اور آپ کو ان کی مداخلت پسند نہیں آتی۔ اس پر سورۂ "عَبَسَ وَتَوَلّٰی" نازل

ہوتی ہے اور آپ کو متنبہ فرمایا جاتا ہے، اس سے زیادہ کوئی شیخ اور پیر کیا ہو سکتا ہے۔ آپؐ ایک باغ میں تشریف رکھتے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین مبارک دے کر بھیجا اور فرمایا کہ جو بھی کلمۂ شہادت پڑھتا ہو، اس کو جنّت کی بشارت دے دو، حضرت عمرؓ راستے میں ملتے ہیں۔ وہ حضرت ابو ہریرہؓ کی پیٹھ پر ایک ہاتھ مارتے ہیں وہ شکایت کے لیے حاضر خدمت ہوتے ہیں، حضرت عمرؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے پہونچتے ہیں اور حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ایسا نہ کریے ورنہ لوگ بھروسہ کر لیں گے، آپ کو ان کی اس مداخلت اور جرأت پر کوئی غصّہ نہیں آتا، آپ ان کے مشورہ کو قبول فرما لیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو ایک بدوی بھری مجلس میں خطبہ کے دوران ٹوک دیتا ہے اور آپ ناراض نہیں ہوتے۔

حیدر آباد اور پھر حجاز کا سفر

میں نے دریافت کیا کہ حیدر آباد کا سفر کس مقصد سے ہوا تھا؟ فرمایا کہ میرے منجھلے بھائی محمد اسمٰعیل صاحب حجاز چلے گئے تھے مجھے ان سے محبت نہیں عشق تھا ان کی مفارقت مجھے گوارا نہیں تھی۔ میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ نے مجھے بلانے کا وعدہ کیا تھا، آپ نے جن پیغمبر کا نام پایا، ان کی تعریف قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے "اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ" تو انھوں نے لکھا کہ کسی طرح جدہ پہونچ جاؤ، آگے کا میں انتظام کر لوں گا۔ مجھے معلوم ہوا کہ حیدر آباد سے ہر سال لوگوں کو حج کے لیے بھیجا جاتا ہے اور ان کو زاد راہ دیا جاتا ہے۔ میں اس شوق میں حیدر آباد پہونچا۔ یہ ۱۳۲۲ھ تھا۔ میرا شروع سے اصول رہا ہے کہ جہاں جاتا تھا اور جہاں بھی ہوتا تھا کسی معمر اور بزرگ کی سرپرستی میں اپنے کو دیدیتا تھا اور کہہ دیتا تھا کہ میں کم سمجھ آدمی ہوں میرے حرکات و سکنات نشست و برخاست پر نظر رکھیے اور میری اصلاح فرماتے رہیے۔ وہاں ہمارے خاندان کے ایک بزرگ تھے

میں نے اپنے کو ان کی سرپرستی اور نگرانی میں دے دیا۔ میں کھوپال سے گیا تھا، یہاں کے طریقے کے مطابق "السلام علیکم" کہتا تھا وہ فرمانے لگے کہ تم وہابی ہو یہاں آداب عرض کہنے کا طریقہ ہے، انھوں نے فرمایا کہ تم یہاں آئے ہو تو خالی ہاتھ نہ جاؤ، کوشش کی جائے گی کہ تمھارا وظیفہ ہو جائے۔ میں نے اس کو قبول کیا مگر سال بھر پڑا رہا کچھ نہ ہوا۔ اسی اثنا میں بھائی صاحب کا مدینہ طیبہ میں انتقال ہو گیا۔ مجھے خوابوں سے بہت کم مناسبت ہے۔ شاذونادر ہی کوئی خواب دیکھتا ہوں لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کو دیکھا کہ مجھ سے فرماتے ہیں ع

بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

یہ خواب دیکھ کر مجھ پر وہاں پہونچنے کا ایسا شدید تقاضا ہوا کہ بےچین ہو گیا جو صاحب اس امدادی شعبہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے پاس گیا۔ میں نے کہا کہ آپ جو کچھ میرے لیے کر سکتے ہوں کیجیے کہنے لگے میرے اختیار میں تو صرف سو روپے کی رقم ہے۔ میں نے کہا آپ دس آنے پیسے ہی مجھے دیدیں تو میں اس کو بھی غنیمت سمجھوں گا انھوں نے سو روپے میرے حوالے کیے جس کے ۸۳ کلدار بنے۔ غرض میں بمبئی پہونچا اور وہاں سے جدہ اور وہاں سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا وہاں میرے خاندان کے بعض بزرگ اور بعض شناسا تھے ان میں سے ایک صاحب نے اصرار کے ساتھ اپنے یہاں ٹھہرالیا۔ میں نے مدینہ طیبہ کے قیام میں عزم کر لیا کہ چاہے مجھے بکریاں چرانی پڑیں میں یہاں سے نہ جاؤں گا لیکن جن عزیز کے یہاں میں ٹھہرا تھا ان کے یہاں ایک ایسے صاحب ٹھہرے تھے جو کسی فرضی ادارہ یا مقصد کے لیے چندہ جمع کرتے تھے اور پولیس کو ان کی تلاش تھی، بالآخر گرفتار ہوئے

اور صاحب خانہ بھی نظر بند کر دیے گئے۔ اندیشہ ہوا کہ میں بھی گواہی میں پکڑا جاؤں اور پریشانی بھی لاحق ہو گی۔ میرے عزیز نے چار بدوؤں کو بلایا اور میں ان کے ساتھ عام راستہ کو چھوڑ کر احد شریف کے پیچھے سے پاپیادہ مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں میں نے عجیب عجیب چیزیں دیکھیں۔ پھر مکہ معظمہ پہونچا، حج سے فراغت کی وہاں سے حیدرآباد ہی واپس آگیا۔ حیدر آباد میں سترہ برس رہا بہت سے بزرگوں اور مشائخ کی خدمت میں وقت گزارا۔ اس زمانہ میں وہاں وحدۃ الوجود کا بڑا زور تھا بہت سے مشائخ جنکی خدمت میں رہا اس کے بڑے داعی اور مبلغ تھے میں سمجھتا تھا کہ یہی راستہ ہے، ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ کبھی اپنے بزرگوں[۱] کا کلام بھی دیکھیے۔

اسی زمانہ میں مکتوبات پر نظر پڑی۔ سمجھنے کی استعداد تھی نہیں مگر آنکھیں کھل گئیں۔

مسکین شاہ صاحب اور ان کا زہد و توکل

مسکین شاہ صاحبؒ کا تذکرہ فرمانے لگے جو حضرت شاہ سعد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ اور وہ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے فرمایا کہ زاہد اور تارک الدنیا حقیقی معنی میں مسکین شاہ صاحب تھے۔ نظام دکن میر محبوب علی خاں بڑے رعب اور وقار کے آدمی تھے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جرمنی کا شاہزادہ ان کے پہلو میں بیٹھا تھا جو گرڈہ[۲] میں سوار تھے اور شہزادہ اتنا مرعوب تھا کہ سمٹا چلا جاتا تھا، اس خاندان میں عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے کچھ اعمال و اشغال

---

[۱] یعنی حضرت مجدد علیہ الرحمہ اور ان کے اخلاف کا۔
[۲] شاہی بگھی جس میں چار گھوڑے جڑتے تھے۔

چلے آرہے ہیں۔ جن کی وجہ سے میر محبوب علی خاں مرحوم میں ایسی کیفیات تھیں، میں نے ان میں بعض کرامتوں کا ظہور بھی دیکھا ہے۔ غرض میر محبوب علی خاں بہ ایں حشمت و وقار سکین شاہ صاحب کے یہاں حاضر ہوتے وہ حجرہ میں مشغول ہوتے، نظام صحن میں ٹہلتے رہتے جب وہ فارغ ہوتے اور عرض کیا جاتا کہ اعلیٰ حضرت تشریف لائے ہیں تو اندر آنے کی اجازت ہوتی۔ تھوڑی دیر کے بعد کہہ دیتے کہ اب جائیے آپ کا حرج ہوگا۔ ایک دن وہ جاگیر کا پروانہ لے کر آئے دیکھ کر فرمایا کچھ اضافہ کیجیے، پھر فرمانے لگے کہ سورج جہاں سے نکلتا ہے وہاں سے لے کر اس جگہ تک جہاں ڈوبتا ہے میری جاگیر ہے، وہاں سے مجھے رزق ملتا ہے۔ اب اس سے زیادہ آپ دے سکیں تو دے دیجیے۔ اسی طرح طالب الدولہ نے ایک باغ نذر کرنا چاہا، انکار فرما دیا اور کہا کہ اس مسجد کے پیچھے جو تھوڑی سی زمین ہے، وہ کافی ہے وہیں مسجد الماس کے پہلو میں مزار مبارک ہے۔ میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں نے ان کی زیارت نہیں کی، انھوں نے ۱۳۱۴ھ ہجری میں ارتحال فرمایا۔ میں ۱۳۲۲ھ ہجری میں حیدرآباد گیا ہوں، اس وقت ان کے جانشین تسکین شاہ صاحب تھے۔

ایک ہی چیز ایک محل میں معصیت ہوتی ہے اور دوسرے میں عبادت

فرمایا میں کسی طبقہ سے بھی خواہ اس کے کیسے ہی عقائد و خیالات اور اخلاق و عادات ہوں، اس طرح خطاب نہیں کرتا کہ وہ متوحش ہو، پہلے اس سے اس طرح بات کرتا ہوں کہ وہ مانوس اور سننے کے لیے آمادہ ہو جائے، میں اس سے کہتا ہوں کہ آپ کے اعمال و اخلاق اور آپ کے عادات غلط نہیں جو کچھ اختلاف ہے وہ محل اور غیر محل کا ہے یہ سب چیزیں صحیح ہیں مگر ان کا ایک محل اور وقت ہے اگر اپنے محل اور وقت پر ہو تو بالکل ٹھیک ہے اور اگر محل اور وقت سے

پہلے ہو تو غلط ہے جیسے میں نے اس سے پہلے نسبت کے بعد جھانکنے اور دیکھنے کی مثال دی تھی کہ اس وقت جھانکنا اور دیکھنا غلط ہے اور شادی ہو جانے کے بعد نہ دیکھنا اور نہ جانا غلط ہے۔ نفس کے تقاضے اور لذائذ اپنی جگہ پر صحیح ہیں اور فطری و شرعی بھی ہیں۔ لیکن محل اور وقت کی شرط ہے۔ جن کو لوگ دنیا دار اور نفس پرست کہتے ہیں ان کو تقرب الی اللہ کا جو موقع ہے وہ بزرگوں اور ہر وقت ذکر و تسبیح کرنے والوں کو نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ اپنی خواہشات اور مالوفات کی قربانی کرکے وہ درجہ حاصل کر سکتے ہیں جو ایک خاص ماحول میں رہنے والے اور خاص وضع و طریق کے پابند نہیں کر سکتے، جتنے فربہ اور تر و تازہ جانور قربانی کے لیے ان کے پاس ہیں، دینداروں اور مشائخ کے پاس نہیں ہیں۔ حدیث میں آتا ہے "سمّوا غایاکم فانہا علی الصراط مطایاکم" (اپنی قربانی کے جانوروں کو خوب کھلا پلا کر موٹا کرو۔ اس لیے کہ یہی پل صراط پر تمھاری سواریاں ہوں گی) یہی حال ان حضرات کے مالوفات و مرغوبات کا ہے کہ جس قدر زیادہ تعداد میں اور زیادہ دلکش اور دلآویز اور طاقتور ہوں گی اسی قدر یہاں ان کو راہ خدا میں ذبح و پامال کرنے سے آخرت میں درجے ملیں گے اور دنیا و آخرت میں مراتب ہوں گے، اسی لیے یہ اچھی بری سب خواہشات عطیہ خداوندی ہی میں اپنے محل استعمال سے ان کے اچھے برے ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے۔ "فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا" اب اگر کوئی ان کو صحیح محل پر استعمال کرے تو اس کی ترقی اور کامیابی کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا" اور اگر کوئی ان کو بے محل استعمال کرے اور اپنے نفس کو پستی میں اتار کر اپنی طاقت کو خاک میں ملا دے تو اس کی ناکامی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں

"وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا" اس کے لیے سب حجابات اور موانع مرتفع ہو جائیں اور پھر وہ اللہ کے یقین اور اس کے خوف سے اپنی خواہش اور نفس کے تقاضہ پر عمل نہ کرے، اس کے درجات کو کوئی نہیں پہونچ سکتا۔ یہ حضرت یوسفؑ کا مقام تھا۔

لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ
بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ
بُرْهَانَ رَبِّهٖ ـــ الآیۃ

۱۶
سولھویں مجلس

یکم جمادی الآخر ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۶ر اگست ۱۹۶۶ء خانقاہ شریف

لکھنؤ سے محبی ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی اور عزیزی علی آدم ندوی کی معیت میں حاضر ہوا[۱] حضرت کو کچھ عرصہ پہلے کولھے کی ہڈی پر ضرب آگئی تھی ۱۴ روز صاحب فراش رہے۔ نقل و حرکت سے بالکل معذوری رہی۔ اس کے بعد آدمیوں کے سہارے سے باہر تشریف لانے لگے۔ اب الحمد للہ خانقاہ میں تشریف لاتے ہیں اور مجلس بدستور ہوتی ہے، راقم السطور نے مزاج پرسی کی، حضرت نے چوٹ لگنے اور ہڈی پر ضرب آنے کا واقعہ بیان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ایک روز عشاء کی نماز کی تیاری فرما رہے تھے، کھڑے کھڑے ایک عزیز بچے کے پاؤں

---

[۱] بھوپال کا یہ سفر حضرت کی عیادت کے لیے اختیار کیا گیا تھا اور خیال تھا کہ تین چار روز قیام رہے گا لیکن حاضری کے تیسرے روز رائے بریلی سے ۳۰ر اگست کی صبح کو والدہ صاحبہ کی شدید علالت کا تار ملا، ہر مجلس کے ملفوظات اگلے روز مرتب کیے جاتے تھے اس کی نوبت نہ آئی، تار پاکر بڑی پریشانی کی حالت میں اسی روز لکھنؤ روانگی ہو گئی، رائے بریلی پہونچنے کے تیسرے روز، ر جمادی الآخرہ ۱۳۸۶ھ ریکم ستمبر ۱۹۶۶ء کو والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔

میں کیل چبھ جانے اور اس کے نکالنے کا واقعہ بیان فرمارہے تھے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، دفعتہً جھٹکے سے زمین پر گر گئے، اور کولھے کی ہڈی پر ضرب آگئی۔ پہلے تو چوٹ کا زیادہ احساس نہیں ہوا۔ کھڑے ہو کر نماز پڑھی لیکن سجدہ میں جانے اور قعدہ میں بیٹھنے کے وقت معلوم ہوا کہ اٹھنا مشکل ہے بقیہ نماز بیٹھ کر پڑھیں، پھر کئی روز لیٹے لیٹے نمازیں ادا کرنی پڑیں الحمد للہ دیسی طریقہ علاج کرنے سے درد میں تدریجی تخفیف ہوتی چلی گئی اور اب سہارے سے نقل وحرکت فرمانے لگے ہیں، کھڑے ہونے میں کچھ تکلیف ہوتی ہے بیٹھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔ سلسلۂ گفتگو بدستور جاری تھا، راقم کی حاضری ہوئی تو حسب معمول نہایت شفقت اور مسرت کا اظہار فرمایا، ارشاد ہوا کہ بہت مرتبہ ارادہ ہوا کہ لکھنؤ حاضر ہو جاؤں لیکن بعض عوارض کی وجہ سے توقف کیا۔

طریقۂ نقشبندیہ کی ترجیح کے بارہ میں حضرت مجدد کے ارشاد کا مطلب

کلکتہ سے آئے ہوئے ایک خط کا تذکرہ فرمایا جس میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں کئی جگہ طریقہ نقشبندیہ کو تمام طرق کے مقابلہ میں کھلی ترجیح دی ہے۔ مکتوب نمبر ۲۹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "وہ طریقہ جو اقرب، اسبق، اوفق، اسلم، احکم، اصدق اور اولیٰ، اعلیٰ، اجل، ارفع و اکمل ہے، وہ طریقہ نقشبندیہ ہے۔" خط میں اس کا مطلب پوچھا گیا تھا۔ حضرت نے اس خط کا جواب تفصیل سے تحریر فرمایا[1]۔ خلاصہ یہ تھا کہ بزرگان دین اور شعراء عارفین کے اقوال و اشعار میں بہت سے الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں کہ

---

[1] یہ جوابی خط "نشان منزل" بھوپال کے خاص نمبر اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔

جن کو سمجھنے کے لیے ان کی اصطلاحات، کلام کے سیاق و سباق اور ان کے طرز ادا کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ان کے خالص لفظوں کو لے کر معانی و اصطلاح پر غور نہ کیا جائے تو مقصود متکلم سے دور ہٹ جائیں گے بزرگان دین کا ہر کلام موقع، وقت، کیفیت اور حال کے لحاظ سے اپنی جگہ ٹھیک ہوتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ایک ہی کلام کے مختلف ترجمے، وقت حال جگہ اور کیفیات کے لحاظ سے ہوتے ہیں، کسی نے کہا کہ پانی لاؤ، تو پانی لے جانے والے کو دیکھنا چاہیے کہ کہاں سے پانی مانگ رہے ہیں، اگر کھانا کھانے میں پانی مانگا ہے تو اس کا ترجمہ گلاس میں پانی لے جانا ہے اور اگر غسل خانے سے پانی مانگا ہے تو اس کا ترجمہ بالٹی میں پانی لے جانا ہو گا۔ اگر بیت الخلاء میں سے پانی مانگا ہے تو اس کا ترجمہ لوٹے میں پانی لے جانا ہو گا۔ دیکھیے ایک ہی لفظ کے وقت کیفیت اور موقع کے بدل جانے سے کتنے ترجمے ہو گئے۔ اسی طرح غور کرنا پڑے گا کہ یہ الفاظ ان حضرات سے کس مرتبہ میں صادر ہوئے ہیں اور کہاں کھڑے ہو کر یہ کلام فرمایا۔ بزرگان دین کے کلام کی ان کی احوال و کیفیات ہی سے شرح ہو سکتی ہے۔ اب اگر حضرت کے الفاظ کو جو طریقہ نقشبندیہ کے بارے میں ارشاد ہوئے ہیں۔ حضرت کے حالات و خیالات اور ان کی زندگی مبارک سے الگ کر کے سمجھنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کا اپنے فہم و علم کے مطابق ظاہری مطلب لیا جائے گا جو مجرد الفاظ سے نکلتا ہے تو اس سے تمام دوسرے طرق کا ناقص و ادنیٰ ہونا ثابت ہو گا اور ان کی تحقیر لازم آئے گی، بعض حضرات فرما دیتے ہیں کہ طریقہ نقشبندیہ کو اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں اتباع سنت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوسرے طرق میں اتباع سنت نہیں اور یہ مسلم ہے کہ جس طریقہ کی بنیاد اتباع سنت پر

نہیں ہوگی وہ موصل الی اللہ نہیں ہوگا۔ اس لیے یہ کہنا بھی صحیح نہیں، سب طرق کی بنیاد اتباع سنت پر ہے۔

اب اس کو حضرت مجدد صاحب کی زندگی، ان کی سیرت اور ان کی جامعیت کے آئینہ میں دیکھیے تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد صاحب سلسلہ قادریہ کے بانی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی کا بڑے بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے علو شان کا بہت کھلے طریقہ پر اظہار فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کو حضرت موصوف سے فیض حاصل ہوا اور اس پر ان کو فخر ہے۔ یہی معاملہ حضرت خواجہ خواجگان مرہم دل ہائے دردمندان، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے مجدد صاحب کو ان سے بہت فیوض حاصل ہوئے۔ یہی معاملہ حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ حضرت مجدد کے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد ان کے سلسلہ میں داخل ہیں اور اُن کے ذریعہ سے مجدد صاحب ان کے سلسلہ سے مستفیض ہوئے ہیں، یہی بات حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، اور ان کے سلسلہ کے مشائخ کی ہے۔ اس سب کو سامنے رکھ کر اب مجدد صاحب کے کلام کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ یہ طریقہ تمام بزرگان دین اور اصحاب سلاسل کے فیوض سے مستفیض ہو کر ایک جامع اور عالی طریقہ ہو گیا ہے اور اس طرح دوسرے طریقوں پر ایک نوع کی فوقیت رکھتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی معجون کی تعریف کی جائے کہ وہ بہت قوی سریع التاثیر اور مختلف مزاجوں کے مطابق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایسے اجزاء کا مجموعہ ہے جو سب اپنی جگہ پر نہایت مفید اور ضروری ہیں اور ان کے بغیر یہ معجون تیار نہیں ہو سکتا، لیکن ان کے اتحاد و امتزاج سے اس معجون کا ایک نیا مزاج پیدا ہو گیا ہے اور یہ مزاج

ان تمام اجزاء کا رہین منت ہے۔

فرمایا کہ ہمارے مناسب حال یہی ہے کہ تمام اکابر اولیاء اللہ سے محبت اور سب سے خلوص و اعتقاد رکھیں اور ترجیح و تفصیل کو اللہ پر چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "فَلَا تُزَكُّوٓا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ"[۱] اور فرمایا أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ[۲] یہ علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کس کو کیا درجہ عطا فرمایا ہے اور قیامت کو کس کو کیا درجہ عطا فرمائیں گے؟ ہماری کوشش اسی پر مرکوز ہونی چاہیے کہ ہم مسلم کامل بن جائیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ[۳]

مجھے تو حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اربعہ انہار کی مثال بہت پسند ہے[۴]

فرمایا کہ بعض مرتبہ اپنے طریقہ کو ترجیح دینے میں مخفی طور پر اپنے انانیت اور حب جاہ کا جذبہ کام کرتا ہے کہ اپنے طریقہ کی تعریف سے اپنی تعریف نکلتی ہے کہ جب وہ طریقہ افضل و ارجح ہوا تو ہم دوسروں کے مقابلہ میں افضل و ارجح ثابت ہوئے میرا تو جواب وہی ہے جو پہلے عرض کیا تھا کہ ہمارا طریقہ زیادہ کھانا، زیادہ بولنا، زیادہ سونا ہے۔ ہم جس طریقہ کی طرف

---

[۱] پس مت پاکی جتاؤ اپنی، وہ خوب جانتا ہے اہل تقویٰ کو۔

[۲] کیا انسان نہیں جانتا وہ وقت جب اٹھایا جائے گا قبروں سے اور نکال باہر کیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے۔

[۳] اے ایمان والو ڈرو اللہ سے جو حق ہے اس سے ڈرنے کا اور نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ فرمانبردار ہو۔

[۴] ایک گذشتہ مجلس میں یہ بات تفصیل کے ساتھ آچکی ہے۔

بھی اپنی نسبت کریں گے، اس کو بدنام کریں گے۔

ہمارا شجرہ یہ ہے کہ اپنی اصلاح کرو

فرمایا کہ لوگ شجرہ مانگتے ہیں۔ ہمارا شجرہ تو یہ ہے کہ عقائد کو ٹھیک کیجیے۔ پھر اعمال و اخلاق کی اصلاح کیجیے۔ لوگ کثرت سے شجرہ طلب کرتے ہیں۔ میں نے شجرہ کے سلسلے میں لکھوانا شروع کیا ہے۔ تقریباً پچھتر صفحات ہو گئے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام تمام کمالات کے بیج عطا کرتے ہیں

فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام تمام کمالات روحانی و علمی اور تمام مراتب ولایت کو تقسیم کر دیتے ہیں۔ وہ ان تمام کمالات کے بیج عطا کرتے ہیں۔ اب ان تخموں کو صحیح طریقہ پر بار آور کرنا ان کو نشو و نما دینا اور ان کو درختوں کی شکل میں لانا یہ امت کے افراد کا کام ہے مکتوبات میں جب آدمی مقامات و کمالات اور دوائر و ظلال اور ولایت و قیومیت وغیرہ کا تذکرہ پڑھتا ہے تو سوچنے لگتا ہے کہ یہ کس عالم کی باتیں ہیں اور یہ کمالات و مقامات کن کو حاصل ہوتے ہیں، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص کے پاس امریکہ سے تین لاکھ کا ایک چیک آتا ہے وہ ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ وہ اس کو ہاتھ میں لیتا ہے، اور اس کے اندر شاندار کوٹھیاں، سیکڑوں ایکڑ زمین، انواع و اقسام کے کھانے اور طرح طرح کے عیش کے سامان نظر آتے ہیں، وہ کاغذ کے اس چھوٹے سے ٹکڑے میں اپنے کو ہوائی جہازوں پر اڑتا ہوا اور بڑے آرام کے ساتھ ریلوں پر سفر کرتا ہوا دیکھتا ہے، یہ سب مناظر اس کو اس چند انچ کے کاغذ میں نظر آتے ہیں اور وہ اپنے دل سے باتیں کرتا ہے کہ ان کوٹھیوں میں رہوں گا، اتنے طویل رقبہ میں کاشت کروں گا، باغ لگاؤں گا، ہوائی جہاز پر سفر کروں گا، دیکھنے والوں کو جن کو معلوم نہیں کہ اس چیک میں کیا طاقت ہے یہ سب شیخ چلّی کی باتیں معلوم

ہوتی ہیں لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اس چھوٹے سے کاغذ میں ان تمام چیزوں کے تخم موجود ہیں۔ اب یہ اس شخص کا کام ہے کہ ان بیجوں کو زمین میں ڈالے، پانی دھوپ اور کھاد مہیا کرے اور ان کو بار آور بنائے۔

فرمایا مگر چک جب تک کسی صحیح بینک میں بھیج کر تڑوایا اور بھنوایا نہ جائے اور پھر اس رقم کو خرچ کیا اور مٹایا نہ جائے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کو ویسا کا ویسا ہی اپنے پاس ڈال رکھا جائے تو وہ کاغذ کا ایک بیکار پرزہ ہے، اب حضرت مجدد اور ہمارا فرق یہ ہے کہ انھوں نے اس چک کو تڑوایا اور بھنایا اور اس سے فائدہ اٹھایا، ہر چک بھی ہر بینک میں نہیں ٹوٹ سکتا۔ میرے پاس لندن سے ایک لفافہ آیا اس میں ایک کاغذ تھا انگریزی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں نے معشوق میاں کو پڑھنے کو دیا۔ انھوں نے کہا کہ لندن سے کسی صاحب نے آپ کو سو روپے کی مالیت کا ایک چک بھیجا ہے۔ مگر وہ یہاں کے بینک میں نہیں بھن سکتا۔ اس کو باہر بھیجنا ہوگا۔ چنانچہ وہ باہر بھیجا گیا۔ لمبی کارروائی ہوئی۔ کچھ حساب کٹا اور بالآخر مجھے اس کی رقم وصول ہوگئی، حضرت مجدد بھی فرماتے ہیں کہ بغیر شیخ کے رہبری نہیں ہوسکتی سوائے اس بینک کے نہیں ٹوٹ سکتا۔

حضرت نے مکتوبات میں اسی چک کو سامنے رکھا ہے اور جو چیزیں امکان میں ہیں (ولایت صغریٰ ولایت کبریٰ وغیرہ) سب بیان کی ہیں، کاش کہ ہم قرآن پاک کا چک سامنے رکھیں اور اس میں دیکھیں کہ کیا کیا ترقیات وکمالات انسان کے امکان میں ہیں۔ حضرت امام ربانی نے اس چک کو تڑوایا اور اس کی رقم کو ٹھکانے لگایا، ہم اس کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ حضرت لکھتے ہیں کہ یہ فنا ہے اور یہ بقا ہے۔ درحقیقت یہی فنا اور بقا ہے۔ جب تک

ایک کو فنا نہ کیا جائے گا دوسرے کو بقا نہیں حاصل ہوگی جب تک رقم کو مٹایا اور نفس کو خاک میں ملایا نہیں جائے گا۔ اس کے ثمرات حاصل نہیں ہوں گے۔ سابقین کو جو درجات حاصل ہوئے وہ ان ہی اعضاء و قویٰ سے حاصل ہوئے جو ہمارے اندر موجود ہیں، فرق یہ ہے کہ انھوں نے ان سے کام لیا اور ہم کام نہیں لے رہے ہیں ایک شخص کے پاس کاشت کے لیے بہت بڑی زمین ہے، پانی کی نہریں جاری ہیں لیکن وہ ان سے کام نہیں لیتا تو کس کا قصور ہے۔

مادیت کی تیز و تند آندھیوں کے مقابلہ میں ہماری اپنی کوششوں کی مثال

فرمایا کہ مادیت کی بڑی تیز و تند آندھیاں چل رہی ہیں اس میں ہماری یہ تقریریں اور کوششیں کیا اثر انداز ہوسکتی ہیں لیکن ہماری مثال ایسی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ایک مینڈکی پانی لے کر آگ بجھانے کو چلی اس سے آگ تو نہیں بجھی مگر اس کا خلوص ثابت ہوگیا، جب دو ضرورتیں ایک وقت میں پیش آئیں تو ان میں سے ایک کو ترجیح دینی پڑتی ہے۔ ایک شخص کے گھر مہمان آئے، گھر میں ان کی ضیافت کے لیے کچھ سامان نہ تھا نہ گوشت نہ مسالہ نہ دال، بیوی نے کہا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ مہمانوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑے گا اور بدنامی ہوگی، اسی وقت عدالت میں پیشی بھی تھی اگر عدالت میں حاضر نہ ہوئے تو مقدمہ خلاف فیصل ہوجائے گا اور سزا اور ہزاروں کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اب ان دونوں ضرورتوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ بازار جاکر سامان لائے اور مہمانوں کی تواضع کرے، یا تھوڑی سی خفت کی پرواہ نہ کرے اور عدالت میں حاضری دے۔ یہی دنیا و آخرت کا معاملہ ہے، یہاں مہمان سے شرمندہ ہوجانا آسان ہے لیکن اس عدالت کی پیشی ضروری ہے جس کی اپیل نہیں ہے۔

برتن ٹوٹا ہو تو دودھ اس میں ٹھہر نہیں سکتا

فرمایا ــــــ ایک صاحب نے لکھا کہ بیعت کرنے آتا ہوں مجھے آپ سے عقیدت ہے وہ آئے تو صورت شکل سب مخالف شرع، میں نے ان کو سمجھایا کہ برتن ٹوٹا ہو تو دودھ اس میں ٹھہر نہیں سکتا، کہنے لگے کہ برتن بھی آپ ہی دیں، میں نے کہا کہ حضرت نوحؑ نے ساڑھے نوسو برس تبلیغ کی لیکن انھوں نے دودھ پیش کیا برتن نہیں دیا۔

انشراح اور انقباض کے موقع اور محل

فرمایا ــــــ لکھنؤ کے ایک صاحب کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ میری اسّی سال کی عمر ہے اور میں فلاں فلاں بزرگوں سے بیعت ہوا۔ انھوں نے اپنے اذکار و اوراد اور معمولات تفصیل سے لکھے تھے اشراق چاشت اور تہجد وغیرہ نوافل کا ذکر تھا اور سب کے ذکر کرنے کے بعد لکھا تھا کہ یہ سب پڑھتا اور کرتا رہتا ہوں لیکن کورا کا کورا ہوں ــــــ اور خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہوں میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ تواضع اور کسر نفسی بہت اچھی چیز ہے مگر اس کا ایک محل اور مقدار ہے اگر وہ اپنے محل اور مقدار سے تجاوز کرے گی تو مضر اور وبال بن جائے گی عبادت کے وقت شکر کا جذبہ ہونا چاہیے اور قرآن شریف کا ایک لفظ بھی زبان سے ادا ہونے پر ہزار بار خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کی توفیق ہوئی ایک سجدہ کرکے ہزار بار شکر کا سجدہ کرے کہ سجدہ کی توفیق ہوئی، عبادت اور ذکر کے وقت انشراح ہونا چاہیے، اور شکر کا جذبہ غالب، اس وقت انقباض بے محل اور مضر ہے۔ انشراح اور انقباض قلب کی دو حالتیں ہیں، ذکر کے وقت انشراح ہونا چاہیے اور معصیت کے وقت انقباض، اگر ذکر کے وقت انقباض رہا تو فائدہ نہیں ہوگا اس وقت انشراح اور شکر مطلوب ہے اور اسی سے ترقی ہے۔ ارشاد ہے "ولان شکرتم لازیدنکم"[1]

---

[1] اور اگر تم شکر کروگے تو میں زیادہ دوں گا تم کو۔

۱۷
سترھویں مجلس

۲؍جمادی الآخر ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۰؍اگست ۱۹۶۲ء بوقت ۹ بجے صبح

حاضرین مجلس بدستور

اس مجلس کے اشارے بھوپال ہی میں قلمبند کرلیے گئے تھے لیکن اچانک والدہ صاحبہ مرحومہ کی شدید علالت کا تار ملا اور فوراً وطن کو روانگی ہوگئی اور ان کا حادثۂ ارتحال پیش آیا۔ اس کے بعد ان اشارات کی مدد سے اس مجلس کو مرتب کرنے کی نوبت عرصہ تک نہیں آئی، تقریباً دو سال کے بعد ان کو مرتب کرنے اور پیش کرنے کا موقع ملا۔

(ابو الحسن علی)

میرے مرض نقرس کا ذکر ہوا۔ فرمایا کہ میرا اصول علاج الگ ہے۔ مُسہلات کے ذریعہ پہلے معدہ صاف کرتا ہوں بعد میں تصفیہ خون کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ میرا عمل اس مصرعہ پر ہے ع

ترے کوچہ میں اے جاناں ضرر پہلے نفع پیچھے

حکیم ضیاء الحسن کا قول تھا کہ اعضاء پر ایک دم اثر ڈالنا نقصان دہ

ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحبان کی بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے استعمال کے بعد یونانی دوائیں بعض اوقات اثر نہیں کرتیں۔

اسی طرح بواسیر کے علاج میں بعض معالجین خون کو بند کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات اس کا ردعمل شدید ہوتا ہے۔ کسی آتے ہوئے مادے کو بند کرنا مضر ہے ـــــ بعض مضامین میں لیموں کے کثیر فوائد بیان کیے گئے ہیں، لیکن اس کے کثرت استعمال سے بعض اوقات "گٹھیا" کا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر چیز میں نفع کا ایک پہلو ہوتا ہے اور ایک ضرر کا۔

فرمایا جس طرح عناصر الگ الگ ہیں۔ اسی طرح اللہ نے فیضان اخذ کرنے کے طریقے الگ الگ بنائے ہیں۔ قاضی ایوب صاحب کے بھائی مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب[1]، حضرت مولانا یعقوب صاحب کے خلیفہ تھے۔ ـــــ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ میاں عبدالقیوم تم کو باطن سے مناسبت نہیں ہے۔ تم حدیث پڑھایا کرو۔ علم باطن اور نسبت الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس میں درجات میں کمی نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر اشتیاق صاحب[2] کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان حضرت کی دواؤں میں بجلی ہوتی ہے جہاں دوا کی اور مریض کو بجلی مل جاتی ہے۔ فوراً اثر کرتی ہے۔ باطن والے حضرات بھی اس بجلی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ کبھی کوئی کسی

۱؎ مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب حضرت مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی (خلیفہ اجل حضرت سید احمد شہیدؒ) کے فرزند تھے۔ اور شاہ اسحاق صاحب کے داماد، آپ قاضی ایوب صاحب کے خالہ زاد بھائی تھے ۱۲۹۹ھ میں اپنے وطن بڈھانہ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۷)

۲؎ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ہومیو پیتھ ڈاکٹر ہیں۔

بزرگ کے پاس بیٹھتا ہے یا کبھی کسی بابرکت مقام میں اس کا تھوڑا سا وقت گزر جاتا ہے اُس وقت اس کو کوئی بات محسوس نہیں ہوتی لیکن عرصہ کے بعد اچانک فیضان ظاہر ہوتا ہے۔ کسی نے جوانی میں بہت دہی کھایا۔ بڑھاپے میں اس کو فالج لقوہ ہوگیا۔ یہی برکت کا حال ہے۔ اللہ کی نعمت کا انتظار کررہے ہو جب وقت آئے گا ظہور ہوگا۔ اللہ حجاب دور کردے گا۔ آفتاب موجود ہے ابر آگیا ہے۔

فرمایا حضرات چشتیہ سے ایک بات ہاتھ لگی یہی ہومیوپیتھک کی دوا ہے بالکل اندھیرا پڑا ہے، ابر کسی صورت سے نہیں ہٹتا، چشتیہ حضرات کو ابر ہٹانے کی ترکیب آتی ہے یعنی ہوا۔ مراد عشق۔

فرمایا حکیم ابو حبیب صاحب فرماتے تھے کہ تمھارا چشتیہ طریقہ کی طرف زیادہ میلان ہے ــــــ شعر وغیرہ سے لگاؤ ہے، حضرت شاہ رؤف احمد صاحب کے بہت اشعار ہیں۔ شعر کہنے والا کچھ کہے فائدہ اٹھانے والا اپنی نوعیت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تیتر بول رہا تھا، پہلوان نے کہا کہ کہتا ہے "کھا گھی کر کسرت" سبزی فروش نے کہا کہ "نون تیل ادرک" ذاکر نے کہا کہ "سبحان تیری قدرت"

فرمایا کہ طلب اور مناسبت ہوتی ہے تو غفلت کوسوں دور ہو جاتی ہے۔ بلی کا بچہ سو رہا ہے کسی نے چھیچھڑا سامنے کیا اٹھ کر کھا لیتا ہے۔ ہماری باتیں جاگتے ہوؤں کو سلا دیتی ہیں۔ لوگ نا قدر ہیں۔ اس سے معمولی باتوں میں لوگ لوٹ جاتے تھے، ۱۳۲۲ھ میں، میں حج کو گیا، قافلہ لٹنے لگا۔ اعلان ہوگیا، اب کہاں کی نیند کہاں کی غفلت، قافلے والے رات بھر جاگے اور پہرہ دیا۔ غفلت کی نیند آرہی ہے لیکن خطرہ کے احساس نے سب کی نیند حرام

کردی۔ جس چیز کی بجلی طبیعت کے اندر ہوتی ہے وہ لٹا دیتی ہے۔

فرمایا کہ حیدرآباد میں شاہ کلیمی صاحب ایک مرتبہ نیم کے درخت کے سائے میں بیٹھے تھے، کرسیاں پڑی تھیں، اُمرا بیٹھے تھے۔ میں پہونچا تو فرمایا کہ تواضع کو چھوڑ دو اور کچھ کہو، اس وقت سورۂ "النحل" میری تلاوت میں تھی۔ اس آیت تک پہونچا تھا۔ "مَنْ[1] عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً"

حیات طیبہ کیا ہے۔ میں نے اس کی تشریح کی ان کے مسلک کی بات تھی اس لیے بہت خوش ہوئے۔ حکما، تو کہتے ہیں "لا یجتمع الضدان (دو متضاد چیزیں جمع نہیں ہوتیں) لیکن یہاں پر دو متقابل عنصر آگ اور پانی کو ملانے کی ضرورت پڑی۔ عرف میں جس کو برتن کہتے ہیں وہ یہاں انسان کا جسم ہے۔ پاس انفاس کی لکڑیاں لگتی ہیں، برتن جوش کھا کر کھولنے لگا، یہاں تک بعض اوقات زبانِ حال سے پکارنے لگتا ہے "انا النار" یہی وہ مقام ہے جس پر کسی عارف کی زبان سے نکلا "ولیس فی جبتی الا اللہ" اور کسی نے کہا "سبحانی ما أعظم شانی" رہبر اگر کامل ہے تو کسی نقصان کا اندیشہ نہیں، آگ تو بڑی صفت کی ہے، آگ اگر کم ہوئی تو انسان اپنی پرانی صفت پر آجائے گا۔ وہی غفلت وہی خواہشات نفسانی کا شکار۔

"وَمَنْ[2] يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ"

---

[1] جو کوئی نیک عمل کرے مرد یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اس کو زندگی عطا کریں گے اچھی پاکیزہ زندگی ۱۲

[2] اور جو کوئی خداوند رحمٰن کے ذکر سے غافل ہو کر جیسے ہم اس کے لیے شیطان کو مسلط کر دیتے ہیں تو وہ اس کا قرین (ہر وقت کا ساتھی) ہو جاتا ہے۔ ۱۲

فرمایا جو جتنی بلندی اور ترقی پر ہوتا ہے اس کا زوال اور پستی اتنی سخت ہوتی ہے ـــــ ہوائی جہاز کا گرا ہوا پاش پاش ہو جاتا ہے، گاڑی کا گرا کم چوٹ کھاتا ہے۔ بزرگوں اور بڑوں کی اولاد کو بری طرح گرتا ہوا دیکھا ہے۔

ذکر اللہ سے غفلت محض ایک سلبی چیز نہیں "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ"۔ بلکہ اس کے بعد ایک قدم آگے بڑھتا ہے غفلت زدہ بیکار نہیں بیٹھتے بلکہ دوسروں کو بھی راہِ خدا سے روکتے ہیں۔

"وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ"[1]

نوجوان لڑکے ایسے لباس میں آتے ہیں کہ نیم برہنہ معلوم ہوتے ہیں والدین اور بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں ان کو حجاب نہیں ہوتا۔ "ویحسبون انهم مهتدون"

فرمایا صبح کاذب ہوتی ہے اور پھر صبح صادق، پھر آفتاب نکلتا ہے۔ یہی قیامت کا حال ہے۔

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى۔ اس وقت فطری محبت بھی ختم ہو جائے گی۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا۔[2] یہ خود قرآن سے اس کا ثبوت ہے۔

فرمایا میں جانتا ہوں کہ میری یہ باتیں اس آندھی اور طوفان میں کیا اثر کر سکتی ہیں۔ مگر مینڈک اپنے منھ میں پانی لے کر آیا اس سے آگ تو نہ بجھی

---

[1] اور وہ ان کو ہٹاتے اور باز رکھتے ہیں راہ حق سے اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یاب ہیں۔۱۲

[2] جس دن تم اس قیامت کو دیکھو گے تو حال یہ ہو گا کہ دودھ پلانے والی (ماں) اس پیارے بچے کو بھول جائے گی جس کو دودھ پلاتی ہے اور سب حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے۔

لیکن اس کا خلوص تو معلوم ہو گیا ــــ زندگی ان کی نہ بدلے گی لیکن رٹنے والا تو قوم پر روئے گا ــــ

لوگ چاند پر پہونچ گئے مگر اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ اُن کو دین کی بھی عقل ہے اور ہدایت پر ہیں ــــ شہد کی مکھی کیا باریک چھتّہ بناتی ہے "بیا" نے کتنا خوبصورت گھونسلہ بنایا، مگر اس سے وہ دونوں ذوی العقول میں شمار نہیں ہوں گے۔

فرمایا کہ بعض بزرگوں کو دیکھا کہ توجہ مراقبہ تغیر حال وغیرہ سب ہے، مگر تہجد میں بھی جو کچھ پڑھا وہ خلاف شریعت تھا۔ الٹی بسم اللہ اور الٹی قل ہو اللہ دیکھی، فرمایا کہ نشے میں سب تخیلات قابو میں ہو جاتے ہیں۔ کسی نے ایسی ہی حالت میں کہا ہے۔ ع

یار تھا، گلزار تھا، مے تھی، فضا تھی، میں نہ تھا

لائق پابوسِ جاناں کیا حنا تھی، میں نہ تھا

بعض بے قید صوفیوں نے انھیں تخیلات کو قابو میں لانے کے لیے بھنگ وغیرہ کا استعمال کیا کہ ایک عالم خیال میں رہیں۔

قرآن کہتا ہے "اَلَمْ تَرَاَنَّھُمْ فِیْ کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ وَاَنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ"[1]

حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں۔ مقامات کچھ بھی ہوں ظاہر کو شریعت سے آراستہ رکھو، سنتوں کو ادا کرو، حضرت کے بعض مسائل سے بھی بعض لوگ خفا ہیں، کسی کی رو رعایت نہیں کرتے مولوی احمد رضا خاں صاحب

[1] کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ۱۲

کہا کرتے تھے وہابیت کا بایا امام ربانی صاحب نے ڈالا ہے۔

فرمایا کہ شاعر نے کہا ہے کہ

اگر دنیا نہ باشد دردمندیم
دگر باشد بمہرش پائے بندیم

عربوں کے پاس جب تک دنیا نہیں آئی اچھے تھے، آئی تو بمہرش پائے بندیم کا معاملہ ہوا۔

شاعر نے سچ کہا ہے۔ ع

بلائے زیبنجاں آشوب ترنیست
کہ رنج خاطرش از ہست درنیست

فرمایا کہ عبادت کے تین درجے ہیں۔ پہلے عادت، پھر عبادت پھر لذت۔ یہی بزرگان دین کے سلوک کا طریقہ ہے۔

اٹھارویں مجلس

یکم ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۰ر جنوری ۱۹۶۹ء کو اورنگ آباد سے بھوپال حاضری ہوئی، یہ بھوپال کے سالانہ تبلیغی اجتماع کا دوسرا دن تھا، لوگ بہ کثرت زیارت کے لیے حاضر ہوتے اور کچھ دیر بیٹھ کر چلے جاتے، خانقاہ کا اندرونی و بیرونی دالان اس طرح کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہ حضرت تک پہونچنا بھی مشکل تھا۔ مولانا انعام الحسن صاحب (امیر جماعت تبلیغ) کی ملاقات کے لیے تاج المساجد جانے، اور سفر کے تکان کی وجہ سے مجلس میں حاضری و استفادہ اور کچھ قلم بند کرنے کی نوبت نہ آئی، اس مرتبہ راقم الحروف حضرت ہی کا مہمان تھا، اور حضرت نے ازراہ عنایت و شفقت دولت خانہ کے اس حصہ میں جس میں مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قیام رہا کرتا تھا ٹھہرایا۔

۲ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۱ر جنوری ۱۹۶۹ء کو بھی زائرین اور واردین و صادرین کی کثرت رہی۔ معمول قدیم کے مطابق اطمینان کی مجلس اور منضبط و مسلسل گفتگو نہ ہو سکی۔ کتب تصوف و صوفیہ و عارفین کے کلام کے سمجھنے میں جو غلط فہمیاں، التباس اور تضاد واقع ہوا ہے، اور جس طرح

لوگوں نے ان کے کلام کو مختلف محملوں پر حمل کیا ہے، اور متضاد نتائج نکالے ہیں، اس کی توجیہ فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ

کسی کا کلام سمجھنے کے اصول و شرائط

کسی طبقے یا گروہ کا کلام سمجھنے کے لیے اس کے اصطلاحات و محاورات کا سمجھنا بہت ضروری ہے، کلام کے سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ متکلم کی مراد کیا تھی، محض الفاظ کے معنی جاننا کافی نہیں، اس کا لہجہ اور انداز، اور موقعہ و محل سمجھنا بھی ضروری ہے۔ ایک شخص نے ایک خادم سے کہا "روکو، مت جانے دو" اس نے اس جملہ کے معنی یہ سمجھے کہ "روکو مت، جانے دو" اس نے کوئی روک ٹوک نہیں کی، اور سب لوگ چلے گئے، ان بزرگ نے اس شخص سے محاسبہ کیا کہ میں نے تو پاسبان اور چوکیدار بنا کے کھڑا کیا تھا، تم نے سب کو جانے دیا، اس نے اسی جملہ کی سند پکڑی کہ آپ نے تو خود فرمایا تھا کہ "روکو مت، جانے دو" اہل کلام، اور ادیب معمولی تصرف سے عبارت کو کچھ سے کچھ کر دیتے ہیں، ایک صاحب کا نام محمد کالے تھا۔ کسی ادیب و شاعر نے اس کا کتنا عمدہ سجع بنایا۔

ہر دم نام محمد کالے

ان اصطلاحات و مقاصد کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے خواجہ حافظ کے کلام سے کیا کیا سمجھا اور کس کس چیز کی سندیں لیں۔

اصلاح و تربیت کے طریقوں میں فرق و اختلاف کا سبب

فرمایا کہ ــــ طرق و سلاسل، طبائع و زمانے کے اختلاف کے مطابق وضع ہوتے رہے، جس زمانہ میں جس طرح کی طبیعتیں اور حالات تھے، اس زمانہ میں اسی کے مطابق بزرگوں نے اصلاح و تربیت کے طریقے وضع کیے اور اسی کے مطابق ان میں

تغیر و تبدل ہوتا رہا، اس کی مثال لباس کی سی ہے۔ سردی کا ایک لباس ہوتا ہے، گرمی کا ایک لباس، ہر موسم کے لیے ایک ہی لباس کو پکڑا نہیں جاسکتا، میں سردی میں جبہ اور دگلا پہنتا ہوں، لیکن مستقل "صاحب جبہ" نہیں ہوسکتا، لوگوں نے طرق کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور ان کے بارے میں عصبیت و حمیت پیدا ہوگئی، ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے بلکہ دوسرے کی تحقیر کرنے لگے۔

> اوراد واذکار کا جس قدر اہتمام کیا جائے اسی قدر قبولیت و تاثیر پیدا ہوگی

شام کو خانقاہ میں ملاقات و زیارت کرنے والوں کی وجہ سے حضرت بھی بیٹھ گئے اور مجلس شروع ہوگئی بمبئی کے ایک دیندار تاجر اور تبلیغی جماعت کے ایک ممتاز کارکن حاجی علاء الدین صاحب پالن پوری نے عرض کیا کہ میرے ایک دوست نے چلتے وقت حضرت سے اپنی ایک پریشانی دور ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی تھی، اور کچھ پڑھنے کو پوچھا تھا، ان کا ایک ۱۳۔ ۱۴ برس کا لڑکا ۷۔ ۸ ماہ سے گم ہوگیا ہے، وہ سخت پریشان ہیں حضرت نے سورۂ والطارق پڑھنے اور خاص طور پر "انه علىٰ رجعه لقادر" کا زیادہ سے زیادہ ورد رکھنے کی ہدایت فرمائی، اور فرمایا کہ ایسے کام ایجنٹوں اور خطوط کے ذریعہ ٹھیک نہیں ہوتے، تاثیر کم ہوجاتی ہے، ان اوراد و اذکار کے لیے جتنا اہتمام کیا جائے گا اور طالب سے جس قدر ان کی عظمت و طلب صادق کا اظہار ہوگا، اسی قدر ان میں قبولیت و تاثیر پیدا ہوگی، مولانا عبدالشکور صاحب ایک مرتبہ حج سے واپسی پر بہت دن ٹھہرے، لکھنؤ جا کر لکھا کہ میں مُد[1] کی سند لینے کے لیے آنے والا ہوں، میں نے لکھا کہ آپ تو اتنے دن یہاں مقیم رہے

---

[1] مُد ایک پیمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں استعمال ہوتا تھا۔ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحبؒ کو سلسل سند کے ساتھ اس کی تفصیل معلوم تھی

فرما دیا ہوتا تو اس کی بھی تعمیل کر دیتا، جواب میں تحریر فرمایا کہ اس مقصد کے لیے مستقل سفر ہی مناسب ہے، میں اس کو ضمنی طور پر نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ مستقل سفر فرمایا اور سند حاصل کی۔

اپنے اعمال و وظائف کے بجائے اللہ کے کرم پر اعتماد ہونا چاہیے

فرمایا کہ —— بعض لوگ کثرت سے وظائف پڑھتے ہیں، ان کا سارا وقت وظائف سے گھرا رہتا ہے، جس بزرگ نے جو بتا دیا، اور کسی کتاب میں جو کچھ دیکھ لیا اس کو بھی پڑھنا شروع کر دیا پھر شکایت کرتے ہیں کہ وظائف میں تاثیر نہیں، میں اتنے دن سے وظائف پڑھ رہا ہوں، میرا کام نہیں ہوا، وظائف پر اعتماد ایسے ہی ہے جیسے کسی کو اپنی مزدوری اور محنت پر ناز ہو، اور اس پر بھروسہ کرلے؛ پھر کریم کے کرم، بے استحقاق عطا، اور اس کے جود وسخا پر اعتماد کہاں رہا، اپنے فقر و بے بضاعتی پر نظر ہونی چاہیے کہ میں تو خالی ہاتھ ہوں، البتہ وہ کریم بندہ نواز اور گدا پرور ہے۔ (اَللّٰھُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتَکَ أَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ[1])

یہاں ایک منشی مبارک علی صاحب تھے، ہم سے تعلق رکھتے تھے، بہت اوراد و وظائف پڑھتے تھے، ایک دن میں دوپہر کو سو رہا تھا، پریشان ہو کر خانقاہ میں آئے کہا کہ جگا دیجیے میں بہت پریشان ہوں، میں اٹھ کر آیا تو معذرت کرنے لگے کہ تکلیف دی میں نے کہا کہ اگر یہ ذرا سی تکلیف بھی ہوئی تو آپ کے احسانات تو بہت ہیں ان کے مقابلہ میں یہ کوئی تکلیف نہیں کہنے لگے کہ اب برداشت نہیں ہوتا، جو لوگ میرے ممنون احسان پروردہ تھے، اب مجھ سے کترانے اور آنکھیں چرانے لگے۔ میں نے کہا سب وظائف چھوڑ دیجیے

[1] اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے اور مجھے اپنے اعمال سے زیادہ تیری رحمت سے امید ہے۔

اور اللہ کے کرم پر اعتماد کیجیے، انھوں نے ایسا ہی کیا، میں دہلی گیا ہوا تھا ان کا خط آیا کہ اللہ نے بڑا فضل فرمایا، میری پریشانی دور ہو گئی۔

نئی نئی دعاؤں اور سریانی و عبرانی وظیفوں کا شوق

فرمایا کہ لوگوں کو نئی نئی دعاؤں اور سریانی و عبرانی زبان کے وظائف کا شوق ہوتا ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے دعائے مُشَبَّع کی فرمائش کی، میں نے کہا کہ مجھے تو قرآن کی سورتیں اور دعائیں آتی ہیں، دعائے مشبع سے ناواقف نہ تھا، یہ سریانی زبان کی ایک دعا ہے، میں جب نوجوانی میں حیدرآباد میں تھا تو مجھے اس کے سیکھنے کا شوق ہوا، حیدرآباد میں ایک بزرگ ہلال علی شاہ صاحب تھے وہ پرانے پل سے آگے کاغذی گوڑہ میں رہتے تھے میں اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں پہونچا، معلوم ہوا کہ حضرت شہر گئے ہوئے ہیں، بہت دور سے آیا تھا، ان کے انتظار میں بیٹھ گیا، وہاں عرس کی تیاریاں ہو رہی تھیں، دکانیں لگ رہی تھیں، کچھ دیر کے بعد حضرت تشریف لائے۔ خدام پر بہت ناراض ہوئے کہ تم بہت ناسمجھ اور بے سلیقہ ہو، تھیں کوئی ڈھنگ نہیں، یہ کیا لگا رہے ہو، یہ کس طرح بنا رہے ہو؟ بہت دیر تک ان پر غصہ و عتاب فرماتے رہے، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے کہ کیوں کھڑے ہو؟ ہم لوگ گھبرائے کہ اب ہماری شامت آئی، عرض کیا کہ دعائے مشبع سیکھنے اور اس کی اجازت حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، بہت ناراض ہوئے، اور کہا کہ جس نے تم کو یہ راستہ بتایا اس کو لٹا کر پانچ جوتے مارو، یہ کوئی مذاق ہے، جب کسی کو خلافت دی جاتی ہے، تو اس وقت اس دعا کی اجازت دی جاتی ہے، ہم اپنا سا منھ لے کر چلے آئے اور ہم نے کہا کہ سورۂ اخلاص، سورۂ کوثر جیسی عظیم سورتیں تو بلا خلافت کے مل جاتی ہیں۔ اور یہ دعائے سریانی بغیر خلافت کے نہیں ملتی۔

قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ میں سب کچھ ہے

فرمایا کہ کتب تصوف و مکتوبات شریف وغیرہ میں جو بڑے بڑے مراقبات آئے ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب قرآن شریف کی آیات میں موجود ہیں، اسی طرح ادعیہ ماثورہ اور اذکار مسنونہ میں تفکر کرنے اور ان کو شعور و استحضار کے ساتھ پڑھنے سے وہ سب مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو ان مراقبات سے مقصود ہیں، ایک سوتے وقت کی اس دعا ہی کے الفاظ و معانی پر غور کیجیے، جس کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو تلقین کی[۱] کیسی جامع مراقبات دعا ہے اور اس سے تسلیم و رضا، توکل و اعتماد، اور کیسی فنائیت حاصل ہوتی ہے۔" اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْلَمْتُ وَجْھِیَ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَّ رَھْبَۃً اِلَیْکَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَأَ مِنْکَ اِلَّا اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ"[۲]

فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ آدمی جتنا بلندی کی طرف جاتا ہے سفلی اجزاء غیر ضروری اور بوجھل اشیا کو نیچے چھوڑ جاتا ہے، میں نے ماسٹر بدیع الحسن صاحب اور ریاضی و طبیعات کے استادوں سے چاند کی طرف جانے والے راکٹ کا حال پوچھا اور اس کی تفصیلات معلوم کیں، معلوم ہوا کہ راکٹ اپنے بہت سے

۱؎ صحیح بخاری کتاب الوضو کے آخر میں روایت موجود ہے۔

۲؎ اے اللہ میں نے اپنے کو تیرا فرمانبردار بنا دیا، اور اپنا معاملہ بس تیرے سپرد کر دیا اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنالیا، تیری نظر کرم کے شوق اور امید میں تیرے غضب اور عذاب سے ڈرتے ہوئے، تیرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں اور کوئی نجات کی صورت نہیں۔ میں ایمان لایا تیری نازل فرمائی ہوئی کتاب پر اور تیرے بھیجے ہوئے رسول پاک پر۔

حصّوں کو نیچے گراتا ہوا گیا، اور جب وہ چاند کے مدار میں داخل ہوا تو اس کا صرف ضروری اور مناسب حصّہ رہ گیا، اسی طرح صوفیۂ کرام نے اپنے مراقبات اور روحانی عروج میں عالم علوی کی سیریں کی ہیں، وہ کبھی اس پرواز میں اپنے کثیف و ثقیل اجزاء کو پیچھے چھوڑ دیتے تھے اور صرف اپنی لطافت روح اور قوت عروج سے اس عالم میں پہونچتے تھے اور ملکوت السمٰوات کی سیر کرتے تھے، اس سیر میں بعض اوقات وہ چاند کو اپنے سے اتنا نیچا دیکھتے تھے جتنا اس زمین پر رہنے والے اس کو اپنے سے اونچا دیکھ رہے ہیں، شیخ اکبر حضرت مجدد وغیرہ نے اپنے ان عروجات وسیر آفاقی کے منازل کو لکھا ہے۔

۱۹
انیسویں مجلس

۳ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۱۹۶۹ء
وقت صبح ۹½ بجے ـــ چہار شنبہ

آج حضرت کی طبیعت کچھ مضمحل تھی کمر میں کئی روز سے درد تھا، آج اس میں غالباً کچھ زیادتی ہو گئی، اشراق پڑھ کر خلاف معمول لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی، مولانا انعام الحسن صاحب چند رفقاء و خدام کے ساتھ ملنے آئے یہ معلوم کر کے حضرت آرام فرما رہے ہیں. راقم سطور کے پاس اندر مہمان خانہ میں آ گئے کچھ دیر کے بعد جلسہ میں شرکت کرنے والوں اور خانقاہ میں آنے والوں کا ہجوم ہو گیا، اندر کا دالان بالکل بھر گیا، باہر بھی فرش کا انتظام کرنا پڑا. حضرت بیدار ہوئے اور مولانا کے میرے پاس تشریف رکھنے کا علم ہوا، تو بجائے باہر خانقاہ میں جانے کے اندر ہی تشریف لے آئے اور دالان کے کنارے جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں، اس کے پاس ہی بیٹھ گئے، حاضرین نے صدر مجلس میں تشریف رکھنے کے لیے عرض کیا، تو فرمایا کہ مجھے یہیں راحت ہے، بے تکلفی بڑی راحت کی چیز ہے، میں بے تکلفی کو بہت پسند کرتا ہوں، آدمی کو

چاہیے کہ جیسی ضرورت ہو، اور ساتھی کو جس خدمت و راحت کی ضرورت ہو پہونچائے، میرے ساتھ حیدر آباد سے ایک لڑکا چلا آیا تھا، وہ میرے ہی پاس رہتا تھا، ایک دن اس کو تکلیف تھی، میں اس کی کمر دبانے لگا، منشی حلیم الدین صاحب بڑے زور سے چونکے اور کہا کہ میں یہ خدمت انجام دوں گا، گویا ان کو حضرت قدوۃ السالکین کا یہ کام کرنا پسند نہ آیا، میں نے کہا کہ یہ مجھے آرام پہونچاتا ہے۔ اگر میں اس کو آرام پہونچادوں تو کیا حرج ہے؟ اسلام خصوصیات کو مٹاتا ہے۔

یورپ میں تبلیغی کام اور اس کے اثرات مولانا انعام الحسن صاحب اور ان کے بعض رفقائے کار نے یورپ میں تبلیغی اثرات، جماعتوں کی نقل و حرکت اور مساجد کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہونے کا ذکر کیا، یہ بھی تذکرہ فرمایا کہ جماعت کے لوگوں نے پیرس میں چھوٹی سی مسجد تعمیر کی، اس مرتبہ رمضان المبارک میں وہاں تراویح ہوئی، ساٹھ ستر آدمی تراویح میں شریک ہوتے تھے۔ اخیر عشرہ میں ایک صاحب نے اعتکاف بھی کیا، خط میں تھا کہ پیرس کی تاریخ میں شاید یہ پہلا اعتکاف ہے، حضرت نے ان واقعات پر بڑی مسرت کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ خدا کی شان ہے کہ کفر و ظلمت کے مرکزوں میں یہ تبدیلیاں ہو رہی ہیں، اور اسلام و ایمان کے مرکزوں میں، اور بزرگوں کے خاندانوں میں جہاں پشتوں سے دینداری اور بزرگی چلی آرہی تھی، مغرب کی نقالی دین سے بے رغبتی بلکہ دین کی تحقیر اور شعائر اسلام سے وحشت اور ان کے ساتھ تمسخر کے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں، ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

حضرت مولانا محمد الیاسؒ سے پہلی ملاقات اور ان کی نماز کا تذکرہ

فرمایا کہ ہم تو اسی وقت سے معتقد ہیں جب نظام الدین کی یہ مسجد بہت مختصر، اور کچّی پکّی تھی، اور کچھ معذور و اپاہج سے میواتی وہاں پڑے رہتے تھے، ہمیں تو یہ باغ اسی وقت لہلہاتا نظر آتا تھا، میں ایک مرتبہ نظام الدین زیارت کے لیے گیا، زیارت سے فارغ ہو کر جانے لگا، تو کسی نے کہا کہ ایک چھوٹی سی مسجد اور ہے، وہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ، اور ایک بزرگ رہتے ہیں، وہاں بھی چلیے، میں حاضر ہوا اور ان بزرگ (مولانا الیاسؒ) کو دریافت کیا، کہا گیا کہ وہ اس وقت مسجد کے باہر گئے ہوئے ہیں، ظہر کی نماز کے وقت ملیں گے، میں ٹھہر گیا۔ ظہر کی نماز کا وقت آیا، وہ تشریف لائے میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، یا تو اپنے والد صاحب کے پیچھے (ایسے اطمینان کی) نماز پڑھی تھی، یا ان کے پیچھے۔ پھر میں نے مولانا یوسف صاحب کا دَور بھی دیکھا، ایک دن میں نے ان سے کہا کہ میں نے آپ کو اس وقت دیکھا تھا کہ جب آپ صفوۃ المصادر پڑھتے تھے، بڑی سادگی سے بولے کہ اب بھی تو وہی پڑھ رہا ہوں۔

جس دن قرآن نہ پڑھا جائے مزاج ٹھیک نہیں رہتا

محمد رفیق صاحب کانپوری نے جو حضرت سے ملے ہوئے بیٹھے تھے، پوچھا کہ حضرت مزاج کیسے ہیں؟ فرمایا کہ الحمد للہ بہت اچھے ہیں، اور اچھے ہی رہتے ہیں، ہاں جس دن قرآن مجید نہ پڑھوں اس دن مزاج ٹھیک نہیں رہتا۔ "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ[1] نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝" مزاج ہی پر سب انحصار ہے۔

---

[1] اور جو غافل رہے خدا (وند رحمٰن) کی یاد سے اس پر ہم مقرر کر دیتے ہیں ایک شیطان پھر وہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ۱۲

موت کے خیال اور آخرت کے یقین کی کارفرمائی

ایک بزرگ نے (مکاشفہ میں) دیکھا کہ ایک مچھر ان کے بائیں مونڈھے پر بیٹھا ہوا ہے، اس کا ڈنک ان کے قلب پر ہے، اور وہ موت کا خیال ان کے دل سے ہٹاتا رہتا ہے، موت کے خیال اور آخرت کے یقین سے عمل صالح کی فکر، اور زاد راہ کا اہتمام لازماً پیدا ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں آتا ہے کہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا[لـه] لوہے کا گولا یا گیند ڈھلوان کی طرف خود بخود جائے گا، اس کو دھکا دینے یا لڑھکانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ کی انگوٹھی پر نقش تھا، کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا۔ ڈاکیہ کے تھیلے میں پندرہ ہزار کی رقم ہے۔ اس کا ایک بے تکلف دوست پندرہ روپئے مانگتا ہے، وہ نہیں دے سکتا، حالانکہ اس کے پاس ۱۵، نہیں، پندرہ ہزار روپئے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اس کو معلوم ہے کہ اس کو ڈاک خانہ میں پائی پائی کا حساب دینا ہے، وہ غنی بھی ہے مفلس بھی، مختار بھی ہے مجبور بھی، یہی انسان کا حال ہے جس کو آخرت کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔ وہ بھی ڈاکیہ کی طرح غنی بھی ہے، قلاش بھی، آزاد بھی ہے، غلام بھی، مختار بھی ہے، مجبور بھی، اپنے اختیار سے کام لے سکتا ہے اور اپنی ملک میں آزادانہ تصرف بھی کرسکتا ہے مگر آخرت کے حساب وکتاب کا خوف لگا رہتا ہے۔

فرمایا کہ موت کے وقت بعض لوگوں کو بڑا اضطراب ہوتا ہے، یہ گھبراہٹ کیسی؟ اسی وقت کے لیے تو ساری کوشش اور تیاری ہوتی ہے، ایک شخص روئی دھنکواتا ہے۔ صاف کرتا ہے، پھر رضائی بنتا ہے۔ اب جب سونے اور سردی کا وقت آیا، تو رزائی سے گھبراہٹ کیوں؟ آرام اٹھانے کا تو اب

لـه جسے امید ہو اپنے رب سے ملنے کی وہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت اور بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

وقت آیا ہے، اب رزائی کی قدر آئے گی، میرا وقت جتنا قریب آتا جا رہا ہے فرحت بڑھتی جارہی ہے، ایک نوجوان میرے پاس آتا جاتا تھا، احتضار کے وقت میں اسے دیکھنے گیا، بولا اماں مجھے پکڑیے، میں چلا، یہ اماں کو آواز دینے کا وقت تھوڑے ہی ہے، ایک سن رسیدہ بزرگ بہت بیمار تھے، میں دیکھنے گیا، کہنے لگے کہ ایسی دنیا دیکھ رہا ہوں، جس میں نہ دن ہے نہ رات۔ میں سمجھ گیا کہ دوسرا عالم شروع ہو گیا ہے، ایسے وقت میں کلمہ پڑھنے کو کہا جائے تو اعزا برا مانتے ہیں کہ بدشگونی کر رہا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کے دل پر گھبراہٹ معلوم ہوتی ہے؟ کہنے لگے ہاں! میں نے کہا کلمہ اس کا علاج ہے، گھبراہٹ دور ہو جائے گی، آپ کلمہ پڑھیے۔

قرآن میں ایسے کوڑے ہیں کہ پہاڑ بھی پاش پاش ہو جائیں

شیخ محمد غوث گوالیاری کا عجیب واقعہ

فرمایا کہ قرآن مجید میں ایسی چوٹیں ہیں، اور ایسے کوڑے ہیں کہ پہاڑ بھی پاش پاش ہو جائیں تو انسان تو انسان جنوں نے کہا کہ "إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا" جنوں کی طاقت سب جانتے ہیں، اس پر آپ نے واقعہ سنایا کہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری ابتدائی دور میں زبردست عامل تھے، بہت سے جنوں کو تابع کر رکھا تھا، وہ مؤکل تھے، کبھی فرماتے کہ اس شہر میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں، دم کے دم میں پہونچا دیتے، کتنے جنوں کو انھوں نے جلا کر راکھ کر دیا، کتنوں کو درخت سے لٹکا کر مارا۔ ایک ایسے ہی جن کو انھوں نے جلا دیا تھا، اس کا ایک بیٹا تھا، اس کی ماں نے اس سے کہا کہ اگر تو اپنے باپ کا بیٹا ہے، تو اپنے باپ کا انتقام لے کر دکھا، وہ ملک مغرب میں جہاں جنوں کے عملوں اور سحر وغیرہ کا بڑا رواج تھا، اس فن کو سیکھنے گیا اور بڑے عملیات حاصل کیے، واپس آیا تو ماں نے کہا کہ نہیں، ابھی خامی ہے

پھر جا، پھر سیکھ کر کے آیا، پھر ماں نے واپس کیا، تیسری مرتبہ سیکھ کر آیا ماں نے کہا کہ اب ٹھیک ہے، اپنا کام کر، محلہ میں ایک عورت پر اس کا تسلط ہوا حضرت شیخ محمد غوث کو اطلاع کی گئی، پیغام بھیجا کہ جان کی اماں چاہتا ہو تو چھوڑ کر چلا جا، اس نے کہا کہ میں تو حضرت کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ اگر جاتا نہیں تو میں خود آتا ہوں کہا کہ مجھے تو حضرت ہی سے ملاقات کا اشتیاق ہے، وہ تشریف لائے عمل کیا، مگر کچھ اثر نہیں ہوا، وہ خود انھیں کے پیچھے پڑ گیا، آخر میں وہ سمجھ گئے کہ زبردست ہے، فرمایا کہ ایک چلّہ کی مہلت دے (تاکہ میں اپنے عملیات تازہ کر لوں) اس نے کہا کہ تین چلوں کی مہلت ہے، مہلت ختم ہونے پر ان کو اندازہ ہوا کہ ان کا اس سے بس نہیں چلتا، آخر میں انھوں نے شکست قبول کر لی، اس نے کہا کہ درخت میں اُلٹا لٹکا کر ماروں گا آپ تڑپ تڑپ کر جان دیں گے۔ وہ زندگی سے مایوس ہوئے، اگلے دن صبح کی نماز انھوں نے ایک مسجد میں پڑھی، وہاں ایک گمنام درویش کس مپرسی میں پڑے رہتے تھے، کبھی انھوں نے ان کی طرف التفات نہیں کیا تھا دل میں آیا کہ اب دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں، ان کو بھی سلام کر لوں اور سلام کیا اور کہا کہ اب ملاقات نہ ہو گی، فرمایا کیوں؟ کہا کہ یہ (جن) نہیں مانتا، ان درویش نے اس کو مخاطب کر کے کہا کہ اپنی ماں سے کہہ دینا کہ تمھاری بات پوری ہو گئی، اب ان کی جان صدقہ کر دے، اس کا اجر آخرت میں ملے گا، اس نے جواب دیا کہ ہم تابعدار ہیں، حضرت کا حکم سر آنکھوں پر، ان کی جان بچ گئی، انھوں نے دیکھا کہ اخلاص سے اللہ کا نام لینا کیا اثر رکھتا ہے، جو کام زبردست عملیات نہ کر سکے

وہ چند سیدھے سادے لفظوں نے کر دیا۔ اس سے وہ سارا مشغلہ چھوڑ کر درویشی کی طرف رجوع ہوئے اور شیخ کامل بن گئے۔

اپنے معاصی پر نظر رہنی چاہیے

فرمایا کہ طالبین و سالکین کی تجلیات و مقامات پر نظر رہتی ہے، اپنے معاصی و کمزوریوں پر نظر نہیں رہتی، اگر معصیت پر نظر ہو تو سلوک تمام ہو جائے، مجھے تو بعض بھولے بھالے طالبین اپنے مقامات کی اطلاع دیتے رہتے ہیں کہ میں مسمی کا مراقبہ کر رہا ہوں میں فلاں لطیفہ میں مشغول ہوں، مجھے ہنسی آتی ہے،

فرمایا کہ احکام شریعت کو نظر انداز کرنے اور ان کو پس پشت ڈال لینے سے لوگ نہیں گھبراتے، میں مسجد کے محراب میں کھڑا ہو کر کچھ بیان کر رہا ہوں، ایک بچہ مجھے ٹوک دیتا ہے کہ آپ کے پیچھے طاق پر قرآن و حدیث کی کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔ قرآن و حدیث کو پیٹھ ہو رہی ہے، میں ان کو مان لیتا ہوں اور قرآن و حدیث کا ادب کرتا ہوں، لیکن حکم شرعی کی مخالفت کرنے والوں اور خدا اور رسولؐ کو نظر انداز کرنے والوں سے کہا جائے کہ کیا یہ قرآن و حدیث کی طرف پشت کرنے سے کچھ کم ہے؟ کیا یہ اہانت اور بے ادبی نہیں ہے؟ تو اس کا کچھ جواب نہیں۔

بیسویں مجلس
(۲۰)

۳ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۲ر جنوری ۱۹۶۹ء

وقت شام (بعد مغرب)

اگلی شریعتوں کی سختی اور شریعت محمدی کی سہولت

آج شام کو خلاف معمول بعد مغرب پھر مجلس شروع ہو گئی، فرمایا کہ تقابل سے حقیقت کھلتی ہے، اور نعمت کی قدر ہوتی ہے، بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں سامری کے بہلانے پھسلانے سے جب بچھڑہ کی پوجا کی تو ان کے لیے توبہ کا طریقہ یہ تجویز ہوا کہ جو گوسالہ پرستی سے محفوظ رہے، وہ اُن کو قتل کر دیں جو اس میں ملوث ہوئے لیکن امت محمدیہ صلعم کے لیے گناہ سے توبہ کا طریقہ یہی توبہ اور استغفار ہے اب کسی کو اگر بنی اسرائیل کے ساتھ خدا کے اس معاملہ کا علم نہیں، تو اس کو توبہ و استغفار کے اس اسلامی طریقہ کی قدر کیا آئے گی؟ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی کو نسخہ لکھ کے دے دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ جڑی بوٹیاں، چھال اور پتیاں، جنگلوں اور پہاڑ کے دامنوں سے تلاش کر کر کے لاؤ۔ پھر ان کو کوٹو، چھانو، جوش دو، اور پیو، اور ایک

شخص کو بنی بنائی معجون دے دی گئی، اور کہہ دیا گیا کہ استعمال کرو، اس معجون کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو کھا کر کوئی آدمی (ہمیشہ کے لیے) مرتا نہیں، فنائے ابدی اور موت حقیقی اس پر حرام ہے۔ "لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ" اس معجون کا استعمال کرنے والے موت کے ذائقہ سے کبھی آشنا نہیں ہوں گے، البتہ معجون کی تھوڑی سی کڑواہٹ اور بدمزگی نفس کی گرانی اور عادات کی مخالفت گوارہ کرنا پڑے گی، کہ اس سے مفر نہیں "اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰی" یہ نوش دارو، اور آب حیات استعمال کر کے عالم برزخ میں کچھ دن رہنا پڑے گا، پھر بقائے دوام ہے، استعمال کرنے کے اوقات بتائے گئے کہ کچھ طلوع آفتاب سے پہلے استعمال کر لیا کرو، تھوڑی سی زوال آفتاب کے بعد، ایک خوراک عصر کو ایک مغرب کو ایک عشا کو (نماز کے پانچ وقت) نور الصباح[1] میں رہنے کی قدر جب آئے گی، جب آدمی کچھ دن جھونپڑے میں رہا ہو، برسات کی رات ہو، جھڑی لگی ہو، چھپرا دھر سے ٹپکا تو کھٹیا اُدھر لے گئے، اُدھر ٹپکا تو ادھر گھسیٹ لائے اور جب سب طرف سے ٹپکنے لگا تو گدڑی لپیٹ کر بیٹھ گئے اور رات آنکھوں میں کاٹ دی، اب اس غریب آدمی کو جب امیروں کے محل میں رہنا نصیب ہو گا تب اس نعمت کی قدر آئے گی، امم سابقہ کے احکام و شرائع سے تقابل کر کے دیکھا جائے گا تو معلوم ہو گا کہ اللہ نے احکام شریعت کی شکل میں کیا نعمت عطا فرمائی ہے اور کن کن زحمتوں اور مشقتوں سے بچایا ہے اونٹ جب پہاڑ کے نیچے آتا ہے تو بلّی کا بچہ نظر آتا ہے۔

---

[1] احمد آباد بھوپال میں بیگم صاحبہ بھوپال کی کوٹھی۔

شریعت کی اہمیت، جنت کی عظمت اور دوزخ سے وحشت و دہشت کی کمی

فرمایا کہ لوگوں کے لیے عبادات و نوافل بھی سہل ہیں لیکن شریعت کے احکام کا احترام جنّت کی عظمت اور دوزخ سے جو وحشت اور دہشت ہونی چاہیے وہ بعض اوقات نہیں ہوتی، ایک صاحب اعتکاف میں بیٹھے ہوئے تھے، خود بھی نیک تھے، اور ان کے والد بھی بہت نیک تھے، پاجامہ ٹخنے سے نیچے رہتا تھا، میں نے کہا کہ آپ ماشاء اللہ نماز روزہ کے پابند ہیں، اعتکاف میں بھی بیٹھ رہے ہیں پائنچوں کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا چاہیے یہ خلاف شریعت امر ہے، بے ساختہ جواب دیا کہ ہاں مجھے معلوم ہے کہ اس کے لیے دوزخ ہے اللہ اکبر! دوزخ ایسی معمولی چیز ہے، دوزخ کی حقیقت ان کو معلوم ہے، قرآن و حدیث میں اس سے کتنا ڈرایا گیا ہے اس کے کیسے ہولناک مناظر بیان کیے گئے ہیں، اور اس کا کیسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا گیا ہے۔ مومن کو اس سے کیسی وحشت ہونی چاہیے۔

محبت اور کراہیت کا اصل تعلق روح سے ہے

قاعدہ اور تجربہ ہے کہ جو چیز روح سے جتنی زیادہ متعلق اور ذات سے اس کی نسبت جتنی قوی ہوتی ہے، اتنی ہی محبوب ہوتی ہے، بالذات محبوب اپنی ذات ہی ہے، جو چیز جتنی روح سے دور ہوتی جائے گی، اتنی ہی مکروہ و مبغوض ہوتی جائے گی، دیکھیے جیتا ناخن کوئی نہیں کٹواتا۔ اس کے کٹنے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے، لیکن جب ناخن بڑھ جاتا ہے اور اس کا روح سے اتصال ختم ہو جاتا ہے، تو اس سے کتنی وحشت ہونے لگتی ہے اور آدمی اس کو کتنی جلد اپنے سے جدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ڈاکوؤں کی ذہانت
ایک علمی لطیفہ

فرمایا کہ ہارون رشید کے پاس کچھ ڈاکو لائے گئے، جو سزائے موت کے مستحق تھے، انھوں نے کہا کہ امیر المومنین ہم پر دو عذاب جمع نہ کیجیے، ایک موت کا عذاب اور ایک بھوک کا عذاب، خلیفہ نے ان کے لیے کھانا منگوایا، اور ان کو کھلایا، انھوں نے کہا کہ امیر المومنین اب آپ کا ہم پر بس نہیں چل سکتا۔ ہم آپ کے مہمان ہوگئے، ہارون رشید نے یہ سن کر کہا کہ انھوں نے مجھے بے بس اور لاجواب کردیا قرآن شریف میں آتا ہے "تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا[1] تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ۝ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝ نُزُلًا مِنْ غَفُورٍ رَحِيمٍ" یہ کتنی بڑی بشارت اور کیسی نوید جانفزا ہے۔

---

[1] ان بندوں پر نازل ہوتے ہیں فرشتے اللہ کی طرف سے یہ پیغام لے کر کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ۔ اُس جنت کی بشارت کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا ہم تمھارے رفیق ہیں۔ دنیا اور آخرت میں اور جنت میں تمھارے لیے وہ سب ہے جسے تمھارے جی چاہیں گے اور جو تم مانگو گے، مہمانی ہوگی غفور ورحیم پروردگار کی طرف سے۔ ١٢

اکیسویں مجلس
۲۱

۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۳ر جنوری ۱۹۶۹ء

پنجشنبہ ۹ بجے صبح خاص حاضرین مجلس مولوی حسن خاں سواتی، سید ظہیر الحسن صاحب نبیرۂ نواب سید نور الحسن خاں خلف الرشید نواب سید صدیق حسن خاں بہادر، مولوی فراہیم صاحب تحصیلدار، مولوی نثار الحق ندوی

ہم لوگ جب پہونچے تو مکتوبات امام ربانی کا مکتوب ۵۷/۳ جو حدوث وفنائے عالم کے بارے میں مولانا حمید احمدی کے نام تحریر کیا گیا ہے، پڑھا جارہا تھا، پہلے حضرت نے اس کا فارسی متن پڑھ کر سنایا، پھر حافظ منظور صاحب نے اس کا اردو ترجمہ پڑھا۔

ہم کو معلوم ہی نہیں نماز کیا ہے

حضرت نے سامنے سے ایک مجلد کتاب اٹھائی اور سید ظہیر الحسن صاحب کی طرف اس کو بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ نماز پڑھنے کا مزہ تو اس کے پڑھنے کے بعد آئے گا، ہم کو معلوم ہی نہیں کہ نماز کیا ہے۔ ظہیر الحسن صاحب نے کتاب کھول کر دیکھی تو

وہ "الارکان الاربعہ[۵۱]" تھی، راقم سطور ان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، اس کی بھی نظر پڑی، فرمایا کہ "قرآن شریف کا عطر ہے، اس کو روز گھوٹتا رہے" کپڑا بنا گلوبند بنا وغیرہ ایک مدت میں آتا ہے، دین کو یہ سمجھ رکھا ہے کہ ادھر کھی کھایا، ادھر آئینہ میں منھ دیکھنے لگے، دین کا کام بھی ایک مدت میں آتا ہے، جس طرح دنیا کے کاموں کو ہم مدتوں میں سیکھتے ہیں راقم سطور نے عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ اس کے لکھنے والے کو بھی نماز پڑھنی آجائے، حضرت نے اس پر ازراہ شفقت کلمات فرمائے اور دعا دی۔

عادات کو عبادت بنانے کی کوشش کرو عبادات کو عادت نہ بنالو

فرمایا کہ عبادتوں میں چورن ملا ہوا ہے۔ کھاتے جاؤ بھوک لگتی جاتی ہے، اسی کا نام عبادت ہے جس سے طبیعت سیر ہوئی اس کا نام عادت ہے دنیا کی ہر چیز کے کھانے کے بعد طبیعت سیر ہو جاتی ہے مگر عبادت سے طبیعت سیر نہیں ہوتی، عادت اور عبادت میں یہی فرق ہے۔ میری بچی[۵۲] کی شادی ہوئی سب بھائیوں نے اس کو تحفے دیئے میں نے اس کو نصیحت نامہ لکھ کر دیا، یہی میرا تحفہ تھا، اس کا خاص مضمون یہی تھا کہ عادات کو عبادت بنانے کی کوشش کرو، عبادات کو عادت نہ بنا لو۔ اس وقت ہماری اکثر عبادات عادت بن گئی ہیں، جو عادتاً اور بغیر کسی شعور و استحضار کے ادا ہوتی ہیں، کسی کو کلب جانے کی عادت ہے، کسی کو مسجد جانے کی

---

۵۱ مصنف کی عربی کتاب "الارکان الاربعہ" جو ارکان اربعہ صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم و حج کے مقاصد و اسرار پر ہے اور بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی "ارکان اربعہ" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔

۵۲ اہلیہ ڈاکٹر سید رفیع الدین صاحب قادری صدر شعبۂ عربی، فارسی، اردو، ناگپور یونی ورسٹی۔

عبادت کی عظمت اور اس کی فضیلت کا استحضار نہیں ہوتا، اجر و ثواب کے خیال اور اُخروی منافع پر نظر کر کے کسی کام کو انجام دینے کا نام عبادت ہے یہی ترغیب و منافع ہیں جن کی وجہ سے آدمی سردی کی رات میں جب وہ میٹھی نیند سو رہا ہوتا ہے، لحاف سے نکل کر نماز پڑھنے کے لیے اٹھتا ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے، مسجد جاتا ہے، اور یہی دنیاوی منافع کی خاطر کرتا ہے ڈاکیہ کی آواز پر، کوئی عزیز سفر حج سے واپس آئے ہیں اُن کے استقبال و ملاقات کے لیے آرام چھوڑ کر، اور تکلیف اٹھا کر جاتا ہے مجھے تہجد کے لیے اُن چیزوں سے کام لینے سے ہمیشہ اختلاف رہا، جو بیداری کے لیے معاون اور نیند دور کرنے والی ہیں، اس کے لیے تو "هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَاُعْطِيَهُ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهُ" کی وہ صدا ہی کافی ہے، جو رات کے آخری حصہ (ثلث الليل الآخر) میں لگتی ہے[1]۔ اس صدا کے بعد پھر کسی اور تدبیر یا انتظام کی ضرورت نہیں۔

بابا تاج الدین یا خداوند قدوس فرمایا بمبئی کے ایک تاجر ایک مرتبہ کہیں جاتے ہوئے بھوپال اتر گئے، اس دن میرے سر میں درد تھا۔ میں دوپہر کو یہ کہہ کر سو گیا کہ مجھے جگانا نہیں، وہ سیٹھ صاحب آئے مجھے دریافت کیا اور کہا کہ مجھے جلد جانا ہے۔ لوگوں نے مجھے جگا دیا، سرگرانی تو بہت ہوئی لیکن اس خیال سے کہ اللہ کی مخلوق سے فائدہ ہوتا ہے کوئی آتا ہے تو میں پڑ دل

---

[1] صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوتی ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے میں قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کو دوں۔ کون ہے جو مغفرت طلب کرے، میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں۔

بھر لیتا ہوں انھوں نے حضرت تاج الدین[1] بابا کا ذکر شروع کیا کہ ایسے بزرگ تھے، ایسے سیف زبان تھے، جس سے جو کہہ دیا، ہو گیا، جس کو سخت سست کہا یا پتھر اٹھا کر مارا اس کا کام بن گیا، میں خاموش سنتا رہا۔ جب وہ اچھی طرح بیان کر چکے تو میں نے کہا کہ میں بڑا خوش قسمت ہوں کہ تاج الدین بابا روز رات کے آخری پہر میں میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے ہیں، لیکن بد قسمتی بھی پرلے درجہ کا ہوں کہ وہی وقت میرے گہری نیند سونے کا ہوتا ہے وہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، مجھے خبر نہیں ہوتی، سیٹھ صاحب میری یہ بات سن کر بہت چونکے اور کہنے لگے کہ اُن کا تو مدت ہوئی وصال ہو گیا، وہ اب کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ اور اتنا کامل بزرگ کسی کے یہاں آئے تو وہ کیسے سو سکتا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا تو یہی قصہ ہے کہ تاج الدین بابا تشریف لاتے ہیں اور میں سوتا رہتا ہوں جب ان کی حیرت کی انتہا ہو گئی تو میں نے کہا کہ آپ تاج الدین بابا کے جو صفات بیان کر رہے تھے کہ زبان سے کچھ نکلا اور ادھر ہو گیا، جس کی طرف اشارہ کر دیا اس کا کام بن گیا، یہ تو در اصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے "إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ" اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ صرف اس کے حکم سے موجود ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار

---

[1] ناگ پور کے ایک مجذوب بزرگ تھے، پہلے انگریزی فوج میں تھے، پھر ترک تجرید اختیار کر لی، صاحب جذب وحال تھے وفات کو غالباً پچاس برس ہوئے ہوں گے۔ [2] اور اغنیا کا عام حال یہی ہے کہ کسی بزرگ کے پاس جاتے ہیں تو بجائے اس سے استفادہ کرنے اور اس کی بات بغور سننے کے دوسرے بزرگوں کی بزرگی کا حال اور ان کے کرامات و خوارق بیان کرنے لگتے ہیں۔

ہے اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔)

اور جس کی یہ شان ہے وہ میرے گھر روز مخبرِ صادق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطلاع کے مطابق نزولِ اجلال فرماتا ہے، لیکن وہی وقت میرے خوابِ نوشین کا ہوتا ہے اس لیے مجھ سے بڑھ کر خوش قسمت اور بدقسمت کون ہو سکتا ہے کہ اس کی طرف سے بذل وعطا کا اعلان ہوتا ہے اور رحمت کا صلائے عام دیا جاتا ہے اور میں گہری نیند سوتا ہوں[1] اگر ایسی بڑی ہستی کسی کے یہاں آنے والی ہو تو آدمی سو برس تک اس کے انتظار میں کھڑا رہ سکتا ہے عرفی نے کچھ غلط نہیں کہا ہے، ع

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

غیب کی آوازیں سننے کے لیے خاص کان درکار ہیں

لیکن اس غیبی آواز کو سننے کے لیے خاص حاسہ، اور خاص کان درکار ہیں، جس طرح ایک ملک کی آواز دوسرے ملک میں سننے کے لیے ایک مخصوص صندوقچہ (ریڈیو سیٹ) کی ضرورت ہے جس کے پاس صندوقچہ ہے اور وہ اس کے استعمال کا طریقہ جانتا ہے وہ بھوپال میں بیٹھا ہوا کراچی کی آواز سنتا ہے، اور جو اس سے محروم ہے وہ اس سے

---

[1] یہ واقعہ حضرت نے اس تفصیل کے ساتھ سالہا سال پہلے میری ابتدائی حاضری کے موقع پر سنایا تھا، میری خواہش تھی کہ حضرت اس کا اعادہ فرمادیں تاکہ کسی مجلس کے ملفوظات میں اس کو قلم بند کر لوں، آج یہ تمنا پوری ہوئی حضرت نے میری طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ تاج الدین بابا کا وہ قصہ جو میں نے آپ کو سنایا تھا پھر اس کو اختصار کے ساتھ بیان کیا میں نے اپنے حافظہ پر زور ڈال کر یہاں وہ قصہ اسی تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا، جو میں تقریباً بیس پچیس سال پہلے حضرت کی زبان سے سن چکا تھا اور کئی موقعوں پر اس کو نقل کر چکا ہوں۔

بے بہرہ رہتا ہے ایسے ہی یہ آواز ہر شخص نہیں سنتا، ــــ قبر والے بھی پکار رہے ہیں "یَاوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِنْ ھٰذَا بَلْ کُنَّا ظَالِمِیْنَ" (ہائے ہماری بدقسمتی ہم اس سے غافل رہے، ہم ہی قصوروار ہیں۔)

سورۂ یٰسین میں خدا کے تین پیغام پہونچانے والوں کا جو ذکر ہے اس کو پڑھیے "وَاضْرِبْ لَھُمْ مَثَلاً اَصْحَابَ الْقَرْیَۃِ اِذْ جَاءَ ھَا الْمُرْسَلُوْنَ" الخ اس قصہ میں بھی آتا ہے، کہ جب اُس تیسرے خدا کے بندے کو بھی شہید کردیا، اور اللہ نے اس کو اپنے انعامات سے سرفراز فرمایا، تو اس کا قول بھی منقول ہے "قَالَ یَالَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَلِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ"[1] مگر یہ آواز وہی سنتے ہیں جن کا حاسہ بیدار ہوتا ہے اور کان کھلے ہوتے ہیں۔

کبھی مصیبت بھی فرحت کا مقدمہ بن جاتی ہے

ان آیات کے مطالب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض اوقات مصیبت فرحت کا مقدمہ بن کر آتی ہے۔ اسی واقعہ میں ہے کہ نبی آئے تو قوم پر قحط ہوگیا "قَالُوْا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ" (تمھارا آنا ہمارے لیے بدشگونی کا باعث ہوا) انھوں نے جواب دیا کہ تمھارے اعمال سب سے بڑھ کر بدشگونی کا باعث ہیں "قَالُوْا طَائِرُکُمْ مَعَکُمْ" حیدرآباد کے طاعون، انفلوئنزا اور موسیٰ ندی کے سیلاب کے متعلق یہی کہا تھا کہ یہ حالات، اور مصائب چونکانے اور آنکھ کھولنے کے لیے آئے ہیں، میں نے اسی وقت کہا تھا کہ یہ اللہ کی رحمت ہے، لوگ کہتے تھے کہ یہ رحمت کیسے ہوسکتی ہے، میں نے کہا تھا کہ جب غضب آتا ہے تو رحمت لے کر آتا ہے لیکن اگر ان سے سبق نہ لیا گیا تو پھر خیر نہیں، چنانچہ یہی ہوا کہ میں تو چلا آیا، لیکن مدت

---

[1] کاش میری قوم والوں کو کسی طرح معلوم ہوجاتا کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور میرا اکرام و اعزاز فرمایا گیا۔

کے بعد پھر وہاں وہ انقلاب آیا کہ دنیا ہی بدل گئی۔[۱]

عرضیاں جارہی ہیں کہ غضب بھیجیے اور وہ فرماتے ہیں نامنظور، لوگوں کے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ غضب آئے لیکن اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں جن کی وجہ سے غضب نہیں آرہا ہے، انفلوئنزا آیا، ندی آئی، اس کے بعد اللہ نے ڈھکیل کر پھر بچا دیا، اللہ کے بندے غور و فکر نہیں کرتے۔

قرآن کے ذریعہ قبروں کی آوازیں سنی جاتی ہیں

فرمایا کہ روح کا اپنے تعلق والوں سے بڑا تعلق رہتا ہے یہ بات بہت دلیلوں سے ثابت ہے "قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ" سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اب وہ قرآن مجید کے صد دقیقہ سے ظاہر ہو رہا ہے، یہ سب آوازیں قبرستان سے آتی ہیں۔ آنکھیں بند کر لینے کی حالت میں (مراقبہ میں) تخیلی آواز آتی ہے لیکن قرآن مجید کے ذریعہ مستند اور ناقابل انکار طریقہ پر آوازیں آتی ہیں اور حقائق کا علم ہوتا ہے۔ کیسے کیسے سند یافتہ ترقی یافتہ اور معزز لوگ ان قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔ مولانا جامیؒ نے خوب فرمایا ہے۔ ؎

بر سر قبر یکے رفتم و گفتم چونی
گفت احوال چہ پرسی چو تو آئی دانی
مگر از ذائقۃ الموت خبر نیست ترا
تو کہ بیہوش دریں عالم سرگردانی

---

[۱] ۱۹۴۸ء کے پولیس ایکشن کی طرف اشارہ ہے۔

بائیسویں مجلس

۶؍ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۵؍جنوری ۱۹۶۹ء

شنبہ ــــــــ ۹½ بجے دن

معرفت سے پہلے آدمی کچھ اور ہوتا ہے معرفت کے بعد کچھ اور

پہلے کچھ دیر قرآن شریف کا درس ہوا، پھر مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث پڑھی گئی اس کے بعد مکتوبات امام ربانی کا ایک مکتوب ۵۳ بنام خواجہ صلاح الدین احراری، پڑھا گیا اور اس کا ترجمہ سنایا گیا، اس کے بعد مجلس شروع ہوئی حاصلِ کلام یہ تھا، کہ معرفت سے پہلے آدمی کچھ اور ہوتا ہے، معرفت کے بعد کچھ اور، معرفت سے پہلے وہ جو معاملہ کرتا، اور زبان سے جو کہتا ہے، وہ اس کا فعل نہیں ہوتا، اس کی جہالت اور ناواقفیت کا کرشمہ ہے، معرفت کے بعد گویا ایک نیا وجود ظہور میں آیا، اب اس کے ساتھ اس کے شایانِ شان معاملہ کیا جائے گا۔ اس پر واقعہ بیان فرمایا، کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک صاحب رہتے تھے، دو برس انھوں نے خدمت کی، ایک دن ان بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی فرمائش یا تمنّا ہے؟ انھوں نے کہا کہ حضور مجھے کیمیا کا شوق ہے، فرمایا تم نے پہلے نہ بتایا، یہ تو معمولی بات ہے، اب

اس کا سامان مہیا کرو کیمیا بنانا سکھاؤں، انھوں نے عرض کیا کہ رانگ کڑھائی سب ساتھ رکھتا ہوں ان بزرگ نے کہا اچھا کڑھائی چڑھاؤ، کڑھائی میں جوش آیا تو دروازہ کے سامنے ایک بوٹی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ڈال دو، اس کے ڈالتے ہی رانگ سیاہ ہو گیا، اوپر کی تہہ ہٹائی تو معلوم ہوا کہ چاندی ہے، وہ صاحب بہت خوش ہوئے کہنے لگے کہ اس بوٹی کو تو میں روزانہ اپنے پاؤں سے روندتا ہوں، اور اس پر جوتا پہن کر چلتا پھرتا ہوں، فرمایا کہ نہیں تم اس کو نہیں روندتے تھے۔ تمھاری جہالت اس کو روندتی تھی۔

جہالت اپنا کام کرنا نہیں چھوڑتی

فرمایا کہ جہالت اپنا کام کرنا نہیں چھوڑتی، انسانی فطرت اپنا کام کرتی رہتی ہے، دریا پر پل باندھا جاتا ہے، پائے زمین میں گلائے جاتے ہیں، پل پہاڑ کی طرح کھڑا رہتا ہے، مگر دریا نہیں مانتا ہے اس کے پایوں سے ٹکراتا رہتا ہے، ان کو ہلا کر گرا دینا چاہتا ہے، اس میں کامیاب تو نہیں ہوتا مگر اپنا کام نہیں چھوڑتا پل پرانا ہو کر گر جاتا ہے مگر دریا کی فطرت نہیں بدلتی، وہ قوت متضادہ ہر وقت اس سے ٹکراتی رہتی ہے، یہی انسان کا حال ہے، بنی اسرائیل کو دیکھیے کیسی کیسی آیات بینات، روشن معجزات دیکھے، اللہ نے سمندر ان کے لیے پایاب کر دیا، اور وہ گزر گئے، اس سب کے دیکھنے کے بعد بھی اُن کی جہالت نہ گئی اور ان کی فطرت نہ بدلی، لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو خود بھی بت پرستی کا شوق ابھر آیا، اور حضرت موسیٰ سے کہنے لگے کہ ہمیں بھی پرستش کے لیے ایک نیا معبود بنا دیجیے۔ "قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ" (بولے کہ موسیٰ ہمارے لیے بھی اُن کے معبودوں کی طرح معبود بنا دو۔ موسیٰ نے کہا تم بڑے جاہل لوگ ہو۔)

بعض لوگ نماز کے بھی پابند ہوتے ہیں، حج بھی کر لیتے ہیں، ذاکر شاغل بھی

ہوتے ہیں، تجلیات اور انوار بھی ان کو نظر آتے ہیں، لیکن طہارت کے چھوٹے چھوٹے مسائل ان کو یاد نہیں ہوتے، اور ایک معمولی حکم شرعی پر بھی عمل کرنا دشوار ان کو ہوتا ہے۔

عقائد کی درستی بنیادی کام ہے

فرمایا کہ درستگی عقائد کے لیے ایک مکتوب بہت عمدہ ہے، مدت سے خیال آتا ہے کہ اس کو الگ چھاپنا چاہیے، اگر عقیدہ درست ہو تو اعمال خود درست ہو جائیں گے، اعمال اور عبادات کے بارے میں بھی ضروری ہدایات ہیں، گویا ایک دستور العمل ہے۔

راہ سلوک میں سمجھا اور پڑھا ہوا کام نہیں دیتا یہ تو الہامی چیز ہے

راقم سطور کے دریافت کرنے پر کہ حضرت سید آدم بنوری اور خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے میں کیا فرق ہے؟ (دونوں حضرت مجددؒ کے خلفائے خاص ہیں، اور دونوں سے الگ الگ سلسلے جاری ہوئے۔) فرمایا کہ دونوں طریق میں کوئی (بنیادی) فرق نہیں ہے۔ موقع اور وقت کے لحاظ سے دونوں حضرات نے سلوک کی تعلیم کی ہے، لوگ اس کو سلوک مقررہ سے الگ سمجھ لیتے ہیں، فرمایا کہ جہاں تک غور کیا، اس راہ میں سمجھا اور پڑھا ہوا کام نہیں دیتا، یہ تو الہامی چیز ہے، اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے اصلاح و تربیت کے طریقوں کا القا ہوتا ہے، اسی سے صحیح اصلاح و تربیت ہوتی ہے، حکیم سید ابو حبیب صاحب دیسنویؒ[1] کے صاحبزادہ مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی آئے تھے، ان کو اکثر سوالات کا جواب خلاف توقع ملا، وہ لطیفۂ قلب کو پوچھنے لگے میں نے کہا کتاب اور کاغذ پر جس کو لطیفۂ قلب لکھا ہے، وہ قلب نہیں، حقیقتِ قلب

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اکبر اور حضرت پیر ابو احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز خلیفہ۔

کچھ اور ہے، جس طرح نقشہ میں جہاں مکہ لکھا ہوتا ہے وہ مکہ نہیں ہے، مکہ کہیں اور ہے، اگر کوئی اس پر انگلی رکھ کر کہے، یہ مکہ ہے تو وہ مکہ نہیں ہے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ توجہ کس طرح دی جاتی ہے، اور توجہ کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے کہا کہ یہ لفظ غلط ہے، اغیار کا خیال نکال کر کے پہلے اپنے کو کامل بنانا چاہیے، جو بزرگ توجہ نہیں دیتے، اُن کی توجہ خود بخود پڑتی ہے۔ یہ مقررہ چیزیں کام تو دیتی ہیں، مگر کبھی گرد بڑ بھی ڈال دیتی ہیں، ان بزرگوں کے سارے ارشادات حدیثوں کا ترجمہ ہوتا ہے۔

ذات باری سے تعلق ہی ماسویٰ سے انقطاع کا ذریعہ ہو جاتا ہے

حضرت مجدد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ دوسرے طریقوں میں تعلقات ماسویٰ اللہ کا منقطع کرنا اور انفس و آفاق کی نفی کرنا طریق کا پہلا قدم ہے، اور اثبات پر مقدم ہے، اللہ نے مجھ کو القا کیا کہ ذات باری سے تعلق پیدا کرنا خود ماسویٰ سے منقطع ہونے کا سبب ہوگا، میں عرصہ تک اس پر غور کرتا رہا کہ اس کی دلیل و ماخذ کیا ہے؟

ماسویٰ اللہ سے انقطاع کے بغیر اللہ سے تعلق اور اس کی ذات کا استحضار اور استقرار کیسے ہوگا؟ میری عادت تھی کہ جو خیال میرے دل میں پیدا ہوتا تھا، اس کو دل میں رکھتا تھا، استفسار نہیں کرتا تھا، اللہ تعالےٰ بزرگوں کے دل میں خود خیال پیدا فرما دیتا تھا اور مجھے اپنے سوال کا جواب مل جاتا تھا، ایک دن والد صاحب کو وضو کرا رہا تھا، فرمایا کہ حضور نے امام حسنؓ کو جو دُعا سکھائی تھی وہ تم پڑھتے ہو؟ "اَللّٰهُمَّ اَقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ رَجَاءَكَ وَاَقْطَعْ رَجَائِيْ عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَا أَرْجُوْ غَيْرَكَ"، میرا مطلب حل ہو گیا (کہ اس میں اللہ کی امید دل میں پیدا ہو جانے اور اس کے جذر قلب میں متمکن ہو جانے کی دعا پہلے کی گئی ہے، پھر غیر اللہ سے امید منقطع ہو جانے کا سوال کیا گیا ہے، کہ یہ

اس کا لازمی نتیجہ ہے) کتنے عالی مرتبہ سلوک کی اپنے نواسہ کو تعلیم فرمائی گئی ہے، کیسی کیسی محنتیں اور مشقتیں لوگ برداشت کرتے ہیں، اللہ کے رسول صلعم نے کتنی آسانی سے تعلیم فرمادی ہے، لیکن کبھی اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

حیدرآباد میں سلسلۂ چشتیہ کے مشہور شیخ حضرت شاد خاموش صاحبؒ تھے ان کا شعر ہے:۔

جمایا کس مصیبت سے تصوّر یار کا دل میں
بٹھایا منتیں کر کر کے اس لیلے کو محمل میں

میرے دل میں آیا کہ یہ تو واقعہ کے خلاف بات ہے، تصوّر مصیبت سے جمایا نہیں جاتا ہٹایا اور مٹایا جاتا ہے، یہاں شروع میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا تھا اس میں ایک پنجابی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ ذاکرین اپنا حلقۂ ذکر چھوڑ چھوڑ کر اس تبلیغ میں شامل ہو گئے ہیں۔ میں نے مجمع میں تو کوئی تردید نہیں کی، لیکن بعد میں اپنے دوستوں سے کہا کہ ذکر چھوڑا ہی نہیں جا سکتا، وہ ذکر ہی نہیں جو آسانی سے چھوٹ جائے، نمک کی کان میں جو گر جائے وہ نکل نہیں سکتا۔ ؎

ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد

کوئی اگر ذکر (حقیقی) کو چھوڑنا چاہے تو ذکر اس کو نہیں چھوڑتا۔

دماغی اور قلبی مراقبہ کا فرق

کوردائی میں ایک افغانی مفتی صاحب تھے، وہ سرحد میں کسی بزرگ سے بعیت تھے، مجھ سے کہنے لگے کہ ہم مراقبہ میں جب بیٹھتا ہے، تو نیند آنے لگتی ہے، میں نے کہا کہ بڑی اچھی بات ہے مراقبہ میں حواس ہی کو بہ تکلف معطل کیا جاتا ہے۔ نیند میں وہ بلا تکلف معطل ہو جاتے ہیں۔ جو مراقبات کیے جاتے ہیں دماغی ہیں، ان میں خیال کو کسی چیز پر جمانا ہوتا ہے

لیکن جو مراقبات قلبی ہوتے ہیں ان میں بیداری رہتی ہے، حدیث میں آتا ہے "تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ" (میری آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا۔) کسی کی انگوٹھی رات کو گم ہو جائے تو لوگ کہتے ہیں چراغ لاؤ، میں کہتا ہوں کہ چراغ بجھا دو، تاکہ انگوٹھی اندھیرے میں چمکے اور نظر آجائے، جتنی یہ روشنی بڑھتی ہے، وہ روشنی ماند ہوتی ہے "اِنَّ فِيْ ذَالِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ" (بے شک اس میں نصیحت ہے اُن لوگوں کے لیے جن کے پاس دل ہو اور وہ متوجہ ہو کر سنیں۔)

مراقبات سے پہلے ذکر اللہ فرمایا کہ بعض حضرات کے یہاں مراقبات اصل ہیں، اور انھوں نے مراقبات کا ماخذ و دلیل "يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کو قرار دیا ہے۔ وہ عالم مراقبہ میں پوری سیرت تکوینی کرتے ہیں۔ اس راہ کے سالکین کے یہ مصرعہ وردِ زبان رہتا ہے ؎

بالا ردم بالا ردم، بالا تر از بالا ردم[1]

میں عرض کرتا ہوں کہ اس میں مسلم اور غیر مسلم شریک ہیں، دونوں سیر تکوینی کرتے ہیں، اس تفکر سے پہلے ایک اور چیز ہے، جو اس نماز کے لیے بمنزلۂ وضو اور طہارت کے ہے، وضو اور طہارت نماز پر مقدم ہے قرآن شریف میں ہے "اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[2]" جب

---

[1] راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت نے ایک قادری بزرگ کی تصنیف جو قلمی اور قدیم تھی نکال کر دکھلائی، اس میں ایک دائرہ بنا ہوا تھا جس میں وسط میں اوپر سے نیچے کی طرف روح القدس جبریل امین، عرش، کرسی لکھا ہوا تھا، اور کنارہ کی طرف زحل، مشتری، مریخ، شمس وغیرہ کے نام لکھے تھے، یہ مراقبہ تفکر کا ایک دائرہ تھا۔ [2] جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے بیٹھے اور حالت استراحت میں اور غور کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔

اس تفکر سے پہلے ذکر ہوگا تو اخلاق ونفوس مزکّٰی ہو جائیں گے اور یہ تفکر فی الخلق مثمر معرفت اور مُوصل الی اللہ ہوگا، یہ تفکر ہے جس میں غیر مسلم شریک نہیں، پہلے اپنے دماغ کو مزکّٰی و مطہر بنا لو پھر اس دائرہ (خلق) سے نکلنے کی قوت پیدا ہوگی، ورنہ نہیں کھیلتے رہو گے، راکٹ میں اتنی بلندی پر پہونچے راکٹ ابھی بہت نیچے ہے، کیونکہ چاند بھی خلق ہے۔ اللہ کے بندے خلق سے کہیں اونچے پہونچتے ہیں، اللہ کے کثیر ذکر سے دماغ مزکّٰی اور مصفّٰی ہو جاتا ہے۔ اب جدھر جائیے گا وسعت ہی وسعت ہے، اللہ کے ذاکر کو تنگی ہوتی ہی نہیں ہے۔

نیچی داڑھی سے زیادہ تاکید اونچے پاجامہ کی ہے

فرمایا کہ نیچی داڑھی سب کی دیکھی، پائجامہ اونچا بہت کم لوگوں کا دیکھتا ہوں، حالانکہ میرے خیال میں جتنی تاکید و وعید اس پر آئی ہے، داڑھی پر نہیں آئی ہے۔

انسان جب اپنی طاقت صرف کر کے عجز کا اعتراف کرلیتا ہے تب غیبی مدد آتی ہے

فرمایا کہ تنہا انسانی قوت سے کام نہیں ہوتا، جب انسانی طاقتوں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور انسان نے اپنے عجز کا اعتراف کرلیا ہے، تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد ظاہر ہوئی ہے، اور اس کی قوت نے کام کیا ہے، لیکن یہ اس وقت ہوتا ہے، جب انسان اپنی والی طاقت اور کوشش کرلے۔ یہی معنی آیت قرآنی کے "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ" (اور جو جان لگائیں گے ہماری خاطر ہم ضرور ڈالیں گے انھیں اپنے راستوں پر اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔)

میں نے جب مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ مطلب

بیان کیا تو وہ بہت خوش ہوئے کئی بار سینہ سے لگایا، اور دور تک پہونچانے آئے، اگر محض اپنی قوت، انسانی عزائم اور ہمتوں سے کام لیا جائے گا، تو کام نہیں بنے گا۔ جب تدابیر معطل ہو جائیں اور ہمت ٹوٹ جائے تب معاونت خداوندی شروع ہوتی ہے، جہاں سپر اور ہتھیار ڈال دیے وہیں اللہ نے سپر دی اور ہتھیار پہنائے۔ بدر کا کیا قصہ تھا؟ جب حضور صلعم نے فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اِنْ تُھْلِكْ ھٰذِہٖ الْعِصَابَةَ لَنْ تُعْبَدْ۔ (پروردگار اگر تو نے اس جمعیت کو ہلاک ہونے دیا تو پھر تیری پرستش کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔) تو مدد آئی۔ سورۂ یوسفؑ میں ہے" حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَھُمْ نَصْرُنَا" (یہاں تک کہ جب مایوس ہونے لگے پیغمبر اور انھیں خیال گزرنے لگا کہ نصرت کا وعدہ یوں ہی تو نہیں تھا تو آگئی ہماری مدد) ہتھیار ڈال دینے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے ہی سے ہتھیار ڈال دو، پہلے ہتھیار پہنو، پہن کر لڑو، پھر ایک موقع آئے گا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی فرودگاہ سے یہ سوچ کر نہیں نکلے تھے کہ دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیں گے، جب موقعہ آگیا، گھوڑے ڈال دیے، اللہ نے جو قوت دی تھی وہ ختم کر دی، اب اللہ کی قوت نے دستگیری کی۔

ایمان و توکل کی خاص کیفیت جس وقت پیدا ہو اسی وقت اس سے کام لے لینا چاہیے

ضلع بجنور میں ایک صاحب آملہ کا نوش دارو بناتے تھے، جو نہایت قوی ہوتا تھا اور جاں بلب مریضوں کے لیے جواہر مہرہ کا کام دیتا تھا، وہ کہتے تھے کہ آملہ کو جوشش دیتے وقت اس میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے، ٹھیک اسی وقت اتار لینا چاہیے، اگر آگ پر رہنے دیا گیا تو وہ قوت ختم ہو جائے گی اور آملہ بے کار ہو جائے گا۔ وہ اس کا ٹھیک وقت پہچانتے

تھے، لڑکے کو کبھی بتایا مگر اس کو اس کی صحیح پہچان نہیں آئی۔ وہ اس کو بنانے میں کامیاب نہیں ہوا، اسی طرح خاص خاص موقعوں پر انسان میں ایمان و توکل کی خاص کیفیت اور ایک روحانی طاقت ابھرتی ہے، اگر اسی وقت اس سے کام نہ لیا جائے، تو وہ ختم ہو جاتی ہے، پھر تکلف سے پیدا نہیں ہوتی، اگر سعد بن ابی وقاصؓ اس وقت دیر لگاتے، اور تدابیر سے کام لیتے تو وہ اس طرح دریا کو عبور نہیں کرسکتے تھے، یہ قوت اختیاری، اور دائمی نہیں۔ بجلی کی طرح ظاہر ہوتی اور غائب ہو جاتی ہے، شیخ سعدیؒ نے حضرت یعقوبؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

یکے پرسید از آں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند
ز مصرش بوئے پیرہن شمیدی — چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال ما برقِ جہانست — دمے پیدا و دیگر دم نہانست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم — گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر حالے بماندے — سر دست از دو عالم برفشاندے

گنہگاروں ہی کی ضرورت ہے فرمایا کہ جب کوئی آکر کہتا ہے کہ سب سے بڑا گنہگار میں ہوں تو میں عرض کرتا ہوں کہ تمہاری ہی ضرورت تھی، یہ بڑے کام کی چیز ہے، اللہ کی راہ میں ان (معاصی) کی قربانی دو، نوٹوں کے توڑانے سے کام چلتا ہے، ملائی میں ملا کر کھائے نہیں جاتے، ان نوٹوں کے توڑانے کے لیے بنک ہے، یہ توبہ اور استغفار کا بنک ہے جہاں یہ نوٹ توڑائے جاتے ہیں اور جہاں ان کی مانگ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَن يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ" (اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود کہ جس کے لیے کوئی دلیل

اس کے پاس نہیں ہے تو اس کا حساب پروردگار کے پاس ہوگا۔ یاد رہے کہ کافر فلاح یاب نہیں ہوسکتا) اب اس کی اصلاح و تلافی کی تدبیر بتاتا ہے "وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ" (اور کہو کہ اے پروردگار بخش دے اور رحم فرما دے کیونکہ تو سب سے اچھا رحم فرمانے والا ہے)

سورۂ والعصر کی روشنی میں

فرمایا کہ پہلے انسان دبلا پتلا، سوکھا اور لاغر ہوتا ہے، پھر وہ گوشت، گھی، میوے اور مقویات و عمدہ غذائیں کھاتا ہے تو شادابی اور تازگی آتی ہے، گوشت چڑھتا ہے، پھر ورزش، کسرت کرتا ہے، پھر جب اس کا بدن کسرتی اور طاقتور ہو جاتا ہے تو میدان میں اترتا ہے، پہلوانوں سے دو دو ہاتھ کرتا ہے، اور کشتی لڑنے کے قابل بنتا ہے۔ یہی تینوں مرحلے سورۂ والعصر میں بیان کیے گئے ہیں "إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا" یعنی ایمان لاکر اپنے اعضاء رئیسہ اور دل و دماغ کو صحیح غذا پہونچاؤ، پھر ان پر عمل کرو، جو بمنزلہ کسرت و ورزش کے ہے وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، اب اکھاڑہ میں اترو اور اپنے ایمان و عمل صالح کا جوہر دکھاؤ، دوسروں کو حق و صبر کی تلقین کرو، اب تم دعوت و تبلیغ کے قابل ہوئے، اب اس میں سستی کروگے، یا بخل سے کام لوگے، تو گنہگار ہوگے "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" اگر کوئی شخص تر و تازہ و فربہ ہو، اور وہ اپنی طاقت کا استعمال نہ کرے تو گنہگار، اور اگر تندرست و طاقتور ہونے سے پہلے کسی سے کشتی بدلے اور اکھاڑے میں خم ٹھونک کر اتر آئے، تو نادان اور قصوروار، ایمان و عمل صالح سے پہلے دعوت، غلطی اور ایمان و عمل صالح کے بعد خاموش رہنا اور دوسروں کو دعوت نہ دینا غلطی ہے، یہاں ایک لٹھو میاں تھے، بڑے کسرتی اور پہلوان مگر لڑے کسی سے نہیں۔

صحابہ کرامؓ میں اختلافات کیوں پیدا ہوئے

فرمایا کہ کئی بار یہ خیال آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہی صحابہ کرامؓ میں یہ حالات کیسے رونما ہوئے، اور ان میں اتنی جلدی اختلافات کی صورت کیسے پیدا ہوگئی، غور کرنے سے معلوم ہوا کہ جو چیز جتنی اعلیٰ اور قیمتی ہوتی ہے، اتنی ہی نازک اور ذکی الحس ہوتی ہے۔ انسان کے اعضا میں آنکھ بڑی اعلیٰ اور قیمتی چیز ہے اتنی ہی نازک اور ذکی الحس ہے کہ ایک ذرا سا کوئلہ کا ذرہ برداشت نہیں کرسکتی، فوراً کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، اس کے مقابلے میں پاؤں میں کتنی قوت برداشت اور صلاحیت ہے کہ کنکروں اور پتھروں پر چلتا ہے، اور کوڑے کرکٹ پر پڑتا ہے، اور اس میں فرق نہیں پڑتا، اچھا ہونا، ارفع ہونا دلالت کرتا ہے کہ نازک بھی ہے، آنکھ کو بار بار صاف کرتے اور دھوتے رہنے کی ضرورت ہے، بال بھی آئے گا تو بے چین کردے گا، جس میں قوت زیادہ بڑھی ہوئی ہے نزاکت بھی زیادہ ہے۔

---

۲۳ تیئسویں مجلس

۷؍ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۶؍ جنوری ۱۹۶۹ء (یکشنبہ)

آج چونکہ اتوار تھا، حاضرین کا بڑا ہجوم تھا، شروع میں تعداد کم تھی حضرت بھی معمول کے مطابق بیٹھے بیٹھے ارشاد فرماتے رہے۔ اس کے بعد حاضرین کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ اتوار کی مجلس میں دفاتر کے ملازمین کالجوں کے اساتذہ و معلمین اور شہر کے شرفاء و اہل علم جو ہر اتوار کو اہتمام کے ساتھ آتے ہیں۔ آنا شروع ہوئے اور اندر باہر سب جگہ بھر گئی۔ حضرت پہچان پہچان کر بڑی شفقت کے ساتھ سمجھ دار، تعلیم یافتہ لوگوں کو اپنے پاس بلاتے اور قریب بٹھاتے رہے، تھوڑی دیر کے بعد مخلصین کے عرض کرنے کے باوجود دیوار کے سہارے کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے تقریر فرمانی شروع کی۔ پھر جب صحن میں زیادہ مجمع ہو گیا، تو درمیانی حصہ میں کرسی پر بیٹھ گئے، حیرت کی بات یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ کمر کے درد و ضعف کی وجہ سے بغیر دو آدمیوں کے سہارے کے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، لیکن جوشِ تقریر اور وفورِ مضامین میں تقریباً ہر دو جملوں کے بعد از خود کھڑے ہو جاتے، ۹½ بجے سے ۱۲½ بجے تک تین

گھنٹے تقریر کا سلسلہ جاری رہا۔ اس میں کچھ نہیں تو پچاس ساٹھ مرتبہ کھڑے اور بیٹھے ہوں گے۔ آواز اسی طرح بلند اور پر جوش رہی، اور تعب وضعف کا نام ونشان تک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب اپنی نشست گاہ پر آکر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد پھر جوش پیدا ہوا اور کھڑے ہو کر تقریر فرمانے لگے، یہ دیکھ کر نواب سید ظہور الحسن خاں صاحب نے (جو بستر علالت سے کئی روز کے بعد اٹھ کر آئے تھے) راقم السطور سے کہا کہ جب تک ہم اور آپ نہیں اٹھیں گے، یہ سلسلہ جاری رہے گا، اور حضرت کو تعب بہت ہو جائے گا سلسلۂ کلام جاری تھا کہ وہ اور راقم سطور باہر نکل آئے، بعد میں معلوم ہوا کہ چند منٹ اور سلسلۂ کلام جاری رہا، پھر ختم فرمادیا اور حاضرین مجلس منتشر ہو گئے۔

آج چونکہ مختلف طبقات کے لوگ شریک محفل تھے اور بڑی تعداد متوسط تعلیم یافتہ اور کاروباری لوگوں کی تھی، اس لیے تقریر پر اصلاحی رنگ غالب تھا اور زیادہ زور اعمال واخلاق کی اصلاح، شریعت اور سنت کی پیروی اور اسلامی زندگی اختیار کرنے پر تھا، ان مضامین کو حذف کرتے ہوئے جو پچھلے ملفوظات میں آچکے ہیں۔ اس مجلس کی خاص خاص باتیں اور قابل ذکر نکات درج کیے جاتے ہیں۔

حضور کے ذریعہ جو نعمت ہمیں عطا ہوئی تھی اس کی ہمیں قدر نہیں

فرمایا کہ مولانا روم نے ایک قصہ بیان کیا ہے جو بڑا سبق آموز ہے کہ ایک بادشاہ ایک غریب عورت پر عاشق ہو گیا۔ اس کو اپنے حرم میں داخل کیا، خاصہ شاہی روز کھانے کے لیے پیش کیا جاتا۔ لیکن اس سے کھایا نہ جاتا، کھانا اس کے بدن کو نہ لگتا، دن بدن دبلی ہوتی چلی جاتی، حکماء نے ہزار تدبیریں کیں، کارگر نہ ہوئیں۔ اس کی بھوک نہ کھلی، آخر اس کنیز نے خود ہی عرض کیا کہ مجھے تنہا ایک

مکان میں کر دیجیے، میرے حصے کا کھانا وہیں پہونچا دیا جایا کرے، ایسا ہی کیا گیا، چند دن میں اس کی رنگت بدل گئی، اشتہا کھل گئی اور وہ شکم سیر ہو کر کھانے لگی، حکما، کو تجسس ہوا کہ وہ کون سا معجون یا کشتہ استعمال کرتی ہے جس سے اس کی حالت میں اتنا تغیر ہوا۔ انھوں نے چھپ چھپ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کھانا مختلف طاقوں میں الگ الگ رکھ دیتی ہے۔ ہر طاق کے سامنے کھڑے ہو کر صدا لگاتی ہے۔ میاں بچوں کی خیرات! میاں بہت دیر سے کھڑی صدا لگا رہی ہوں، اپنے بچوں کی خیرات، اپنے بچوں کا صدقہ، یہی عمل وہ دیر تک کرتی۔ پھر کھانا اٹھا کر کھاتی، معلوم ہوا کہ وہ فقیرنی تھی، خیرات اس کے منھ کو لگی ہوئی تھی، در در سے ٹکڑا ٹکڑا مانگ کر پیٹ بھرتی تھی، وہاں شاہی دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوتے تھے، اس کے حلق سے یہ کھانے نہیں اترتے تھے۔ جب اس نے اپنی عمر بھر کا شیوہ شروع کیا تو اس کی بھوک کھل گئی اور معدہ کام کرنے لگا۔

بزرگانِ دین کے کلام میں بڑے بڑے لطیف اشارات ہوتے ہیں۔ ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں نعمت کا جو خوان مفت مل گیا اس کی قدر نہیں ہوئی اور ہم دبلے ہونا شروع ہوئے، ہم بھی دوسری قوموں کے دروازے سے بھیک جمع کر کر کے کھانا چاہتے ہیں۔ اسی سے ہم موٹے ہوں گے، سابقہ قوموں کی جفائیں، بلائیں اور ذلتیں دیکھو تو اس نعمت و سہولت کی قدر آئے گی۔

آج جبکہ حرام کی کثرت ہے حلال کی قلت ہے اسلام کا حکم کیا ہے؟

حضرت نے سورۂ بقر کی آیات "فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ" الخ (تو پھر جب کوچ کیا حضرت طالوت نے لشکر کے ساتھ تو کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر سے آزمائے گا) آیات تلاوت فرما کر ان کی تفسیر فرمائی

شروع کی، فرمایا کہ آج کل جب لشکر روانہ ہوتے ہیں تو رسد کا عمدہ انتظام کیا جاتا ہے، ضرورت کی ہر چیز موجود ہوتی ہے، اہل لشکر کو دوسروں سے اچھا کھلایا پلایا جاتا ہے آسودگی اور فارغ البالی کے اسباب زیادہ مہیا کیے جاتے ہیں، لشکر کے جنرل محفوظ اور میدان جنگ سے بہت دور مقام پر بیٹھ کر فوجوں کو لڑاتے ہیں، لیکن اسلامی لشکر فاقہ مستوں اور تنگ حالوں کا لشکر ہوا کرتا تھا، ان کی رسد فاقہ، بھوک، پیاس تھی۔ یہی حضرت طالوت کے لشکر کا حال تھا کوسوں چلے پانی نہ ملا، زبان سوکھ گئی، کچھ لوگوں نے کہا "لا طاقة لنا الیوم بجالوت وجنودہ" (آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے لڑنے کی تاب نہیں ہے) کہا رہ جاؤ! اللہ کو تمھارے رہنے کی پروا نہیں۔ اب جو گھر بار چھوڑ کر چلے تو رسد کا کیا ذکر، پینے کو پانی بھی نہ ملا۔ فرمایا گیا "ان اللہ مبتلیکم بنھر" یہ پرانا قصہ نہیں، آج کا قصہ ہے۔ آج بھی حرام کے دروازے بہت کھلے ہیں۔ اتنے پیاسے ہونے کے بعد کہا گیا! "فمن شرب منہ فلیس منی"، جو اتنی پیاس کے بعد بھی پی لے، وہ ہمارے ساتھ نہ رہے، آج بھی کہا جاتا ہے کہ آمدنی کافی نہیں، یا بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ حرام کا مال لے لو۔ رشوت لے کر آمدنی بڑھاؤ، سودی قرضہ لو، آج بھی انبیاء کی آوازیں آتی ہیں "فمن شرب منہ فلیس منی"۔ جو ناجائز طریقۂ زندگی اختیار کر لیں گے، وہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ "اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ" (ہاں بس ایک چلو پینے والا مستثنیٰ ہے) حلال وقلیل آمدنی پر قناعت کرو۔ رشوت وغیرہ سے بچو، جنھوں نے مان لیا، اللہ نے ان کی پیاس بجھا دی، جنھوں نے نہ مانا وہ پیتے پیتے مر گئے۔ یہ اسلام میں داخل ہونے کا پہلا دروازہ ہے، عبدیت کے دائرے میں داخل ہو جاؤ، سب دروازے کھل جائیں گے، میں نہ اپنی جان کا مالک ہوں نہ اپنی اولاد کا،

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ہر قسم کے معبودانِ باطل کا سر قلم کرتا ہے، ہر قسم کی انانیت کو توڑتا ہے، یہاں "انا" کی گنجائش نہیں، اب میرا کچھ نہیں سب خدا کا ہو چکا ہے "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ" (بیشک اللہ نے خرید لی ہے ایمان والوں سے ان کی جان اور ان کے مال اس وعدہ پر کہ ان کا بدلہ جنت ہے)

نماز میں دل نہ لگنے کی شکایت

فرمایا کہ یہ شکایت عام ہے کہ نماز میں دل نہیں لگتا، لیکن جب آدمی عدالت میں حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو گھر کی بے سروسامانی، بچوں کی بیماریوں اور بازار سے سودا سلف لانے کا خیال کبھی نہیں آتا، اگر کوئی ان چیزوں کو یاد بھی دلائے تو آدمی کہتا ہے کہ یہاں تو جان و مال، عزت و آبرو کی پڑی ہے تم ان باتوں کو یاد دلاتے ہو بڑے نقصان کے سامنے چھوٹا نقصان نقصان نہیں ؂

بلبلو گل رہے، رہے نہ رہے   ہم کو غم ہے چمن کے جانے کا

ہزاروں آدمی نمازمیں کھڑے ہوتے ہیں عدالت میں جا کر اس کا تماشہ دیکھو، پچاسوں خط آتے ہیں، لیکن ایک میں بھی یہ فرمائش نہیں ہوتی کہ دعا کیجیے کہ جب میں حاکم کے سامنے کھڑا ہوں تو دوسرے کا خیال نہ آئے۔ لیکن جب احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہوتے ہو، تو پھر غیر کا خیال کیسے آتا ہے؟

طب اور فلکیات کے مطالعہ سے خدا کی معرفت اور حقائق کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے

فرمایا، مجھے طب اور فلکیات کے مطالعہ سے اللہ تعالےٰ کی صحیح معرفت حاصل کرنے اور اس کی نشانیوں کو سمجھنے میں سب سے زیادہ مدد ملی، اتنی کسی علم سے نہیں ملی، میں نے طبی اصول سے بڑے بڑے نتائج نکالے اور سبق حاصل کیے، ایک مثال دیتا ہوں، ہلیلہ، بلیلہ، آملہ وغیرہ ان سب کو سالم ایک جگہ رکھ دیجیے، مہینوں

ساتھ رہیں گے، ان میں سے کوئی دوسرے کی تاثیر قبول نہیں کرے گا جبتک یہ سب الگ الگ منھ بنائے ہوئے رہیں گے، ان کے پاس رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، سب کا مزاج الگ الگ، سب کی تاثیر علاحدہ علاحدہ اب اس کی ترکیب یہ ہے کہ ان سب کو کوٹ کر باریک کیا جائے، بڑائی مغایرت ہے، سب کو توڑ کر باریک کر لینے سے یہ بڑائی ختم ہو جاتی ہے اور یہ سب یک ذات ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں وہ ہاون دستہ بھی بتادیا ہے جس میں ان سب کو ڈال کر کوٹ کر باریک کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں آپ خود ہی وہ ہاون دستہ تلاش کیجیے جس میں امت کے تمام افراد کو کوٹ کر باریک کیا جاتا ہے اور ہر ایک کی "انا" ختم ہو جاتی ہے، سب کٹ کٹا کر، پس پسا کر ایک مرکب سفوف بن جاتے ہیں۔ یہ ہاون دستہ کیا ہے، حوادث اور مصائب اور امتحان کا ہاون دستہ، دیکھیے قرآن شریف میں آتا ہے:

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ	اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کچھ ڈر،
وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ	کچھ بھوک اور جان و مال نیز پیداوار
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ"	میں کچھ کمی سے۔

اب اس کے بعد وہ معجون تیار ہو گی جس میں کوئی جز علاحدہ نہیں، لیکن ابھی پھر ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ فعل و انفعال کا واسطہ ہے یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ ایک جز دوسرے جز میں اثر انداز ہو اور مزاجوں میں تداخل پیدا ہو۔ طبی اصول کے مطابق وہ چاشنی ہے جو واسطے کا کام دیتی ہے۔ مگر یہ چاشنی بھی ایک تناسب سے ہونی چاہیے وہ حد سے نہ بڑھ جائے ورنہ مضر ہو گی اور معجون کو بدمزہ کر دے گی۔

پھر اس کو ایک مدت تک گرم رکھا جاتا ہے، اب اس کا نام معجون ہوا۔ اس پر "إِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً" کا لیبل لگایا جاتا ہے، اسی کے لیے ہے "يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ"۔ اب افراد کثیرہ نے ایک مزاج پیدا کر لیا ہماری غلطیاں آپ سے درست ہوں گی، آپ کی غلطیاں ہم سے۔ یہ واسطہ صحبت کا ہے "وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً" (اور پیدا کر دی تمھارے درمیان محبت و رحمت) مدینہ میں اوس اور خزرج برسوں سے لڑ رہے تھے۔ اس لیے کہ اجزاء کوٹے نہیں گئے تھے "إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ" اب صحبت نبوی ملی۔ اور حوادث و مصائب کے ہاون دستہ میں کوٹے گئے، وہ چاشنی پیدا ہوئی جس سے ایک دوسرے سے چپک گئے تو وہ اتحاد پیدا ہوا جو اور کسی ذریعہ سے ممکن نہیں۔ "لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ" (اگر تم روئے زمین کی ساری دولتیں خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہیں ڈال سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان میں یہ الفت ڈال دی)

جب تک اجزائے متفرقہ کو ایک دوسرے سے چپکانے والی یہ چاشنی نہیں ہوتی وہ مجموعہ معلوم ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں تباین اجزاء ہوتے ہیں ہر جز روکھا ہوا، ہر جز کھولا ہوا، ہلیلہ، بلیلہ، آملہ، فلفل سیاہ سب ایک دوسرے سے الگ۔ فرمایا گیا

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى — تم انھیں متحد گمان کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں۔

پھر جب یہ معجون یا مجموعہ تیار ہو جائے گا اور الگ الگ مزاجوں کے بجائے ایک مزاج پیدا کرے گا تو وہ تھوڑی ہی سی معجون بڑے بڑے امراض

دفع کر دے گی۔ اور اس کا قلیل کثیر پر غالب آئے گا۔ فرمایا گیا۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ	کتنی مٹھی بھر جماعتیں ہیں کہ بھاری
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ	جمعیتوں پر غالب ہوئی ہیں اللہ کے
وَاللهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ○	حکم سے اور اللہ برداشت کرنے
	والوں کے ساتھ ہے۔

٭ ٭ ٭ ٭

اصل میں امت کے افراد کو ملا کر بھی ایک معجون تیار کرانی منظور رکھی۔ الگ الگ معجونیں تیار نہیں کرانی تھیں، سب کے لیے ایک ہی لیبل تجویز تھا۔

وَإِنَّ هٰذِهٖ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً	اور تمھاری یہ جماعت ایک
وَّاحِدَةً	جماعت ہے۔

لیکن چونکہ اتنا بڑا ایک ہی ہاون دستہ ملنا مشکل تھا اس لیے الگ الگ ہاون دستوں میں ان کو کوٹنے، پیسنے اور کٹ کٹا کر معجون بنانے کی اجازت دی گئی، لوگوں نے ان کو الگ الگ معجون سمجھ لیا۔ اب وہ الگ الگ طریقے، ایک دوسرے سے متغایر ہو گئے اور مستقل بالذات سمجھے جانے لگے۔

اس معجون کی خاصیت بتائی گئی کہ

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ	نہیں مزہ چکھیں گے وہ اس میں
إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولٰى	موت کا مگر ایک بار اور دور
وَوَقَاهُمْ عَذَابَ	رکھے گا اللہ ان کو عذاب
الْجَحِيْمِ ○	جحیم سے۔

البتہ کھانے میں معجون کڑوی ضرور ہے، حفت الجنۃ بالمکارہ جنت خلاف طبع امور سے ڈھکی ہوئی ہے۔

چوبیسویں مجلس

۱۴؍ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۳؍ جنوری ۱۹۷۰ء یوم جمعہ خانقاہ شریف

مرتب ملفوظات کی دیر حاضری اور حضرت کا تعلق خاطر

بھوپال میں حسب معمول ۱۸، ۱۹، ۲۰؍ جنوری کو سالانہ تبلیغی اجتماع تھا جو حاضرین کی تعداد جماعتوں کی کثرت اور اپنے نظم و انتظام کے لحاظ سے ہندوستان کا سب سے بڑا تبلیغی اجتماع سمجھا جاتا ہے اندرون و بیرون ملک سے تبلیغی کارکن اور دین کے طالب و داعی شرکت کرنے کے لیے آتے ہیں، ناچیز جامع ملفوظات بھی بالعموم اس میں شرکت کی سعادت حاصل کرتا ہے اس سال بھی پختہ ارادہ تھا اور حضرت دامت برکاتہ، کو اس کا علم تھا اور بہت دن سے اس کا انتظار و اشتیاق لیکن ۱۹؍ جنوری کو حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث کے دہلی پہونچنے کی اطلاع ملی حضرت شیخ الحدیث تقریباً ۸ مہینے حرمین شریفین میں قیام کرنے کے بعد ہندوستان تشریف لا رہے تھے، متعدد اسباب و محرکات کی بنا پر راقم السطور نے اس موقع پر دہلی میں موجود ہونا مناسب خیال کیا اور اپنے رفیق قدیم و میزبان کریم مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی کو

تار کے ذریعہ اس پروگرام کی اطلاع دی اور حضرت کی خدمت میں بھی ایک عریضہ تحریر کیا جس میں اس وقت اپنے حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت تھی اور تین چار دن تاخیر سے پہونچنے کی اطلاع تھی۔ حضرت نے اس شفقت کی بنا پر، جو اس ناچیز کے حال پر مبذول فرما رکھی ہے۔ اس پر بہت قلق کا اظہار کیا اور بار بار اور دیر تک تاثر کا اظہار فرماتے رہے ع

من کہ باشم کہ در آں خاطر عاطر گزرم ؟ !

میرے عریضہ کے جواب میں ایک شفقت نامہ بھی دہلی کے پتہ پر تحریر فرمایا جس کا لب لباب یہ تھا کہ اس تاخیر میں بھی خدا کی حکمت و مصلحت ہوگی اور جو وقت اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے اس میں خیر ہے۔ شفقت نامہ اس انداز سے تحریر فرمایا گیا تھا کہ طبیعت بے چین ہو گئی اور جلد سے جلد پہونچنے اور حاضر خدمت ہو جانے کا شدید تقاضا پیدا ہوا۔ ۲۲ر جنوری کو شب میں دہلی سے روانہ ہو کر ۲۳ر جنوری ۱۱ بجے دن کو بھوپال پہونچ گیا۔ جمعہ کی نماز مسجد سلیمانیہ میں پڑھی جہاں اول وقت جمعہ کی نماز ہوتی ہے چونکہ خانقاہ سے متصل مسجد میں جمعہ کی نماز قدیم زمانے سے تاخیر کے ساتھ ہوتی ہے اس لیے مولانا محمد عمران خاں صاحب کی رائے ہوئی کہ واپسی میں حضرت کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے قیام گاہ پر واپس ہوں خانقاہ پہونچے تو حضرت غسل فرما رہے تھے، غسل سے فارغ ہو کر خانقاہ میں تشریف لائے، سلام و مصافحہ ہوا۔ حاضری کی اطلاع قصداً نہیں دی گئی تھی کہ کسی زحمت کا باعث نہ ہو جائے۔ حسب معمول نہایت مسرت و شفقت کا اظہار فرمایا اور لباس زیب تن فرما کر وہیں بیٹھ گئے اور اچھی خاصی مجلس ہو گئی جس کے ارشادات و افادات پیش خدمت ہیں۔

مخلوق کی تعظیم و تعریف میں شرک و توحید کی آمیزش

مولانا عمران خاں صاحب نے اطلاع نہ دینے کی معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اندیشہ تھا کہ حضرت اسٹیشن تک تکلیف نہ فرمائیں۔ فرمایا۔ اس میں کوئی تکلیف نہ تھی۔ اور درحقیقت یہ ان کی تعظیم و تکریم نہیں تعظیم و تکریم کسی اور کی ہے اور اگر کسی کی بعینہ اس کو مقصود بنا کر تعظیم و تکریم کی جائے یا اس کی ذات کی تعریف کی جائے تو میرے نزدیک یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ تعظیم و تکریم اور تعریف درحقیقت بنانے والے اور صفت عطا کرنے والے کی ہے۔ جب کوئی کسی کی تعریف کرتا ہے تو میں گھبرا جاتا ہوں، میں کہتا ہوں کہ اس کی تعریف نہ کرو اس میں کون سا ذاتی کمال یا اپنے گھر کا ہنر اور جوہر ہے۔ تعریف عطا کرنے والے کی ہے۔ تعریف کے بجائے اگر دعا دی جائے تو یہ کام کی بات ہوگی اس سے تعریف کیے جانے والے کا فائدہ ہے اور تعریف کرنے والے کا ضرر نہیں۔

صحیح محل استعمال کی ضرورت و اہمیت

فرمایا کہ سارا کھیل پرزہ کے برمحل ہونے اور اپنی جگہ پر کام کرنے کا ہے پرزہ وہی ہے لیکن اگر اس کو بے محل استعمال کیا گیا یا اس سے وہ کام نہیں لیا گیا جس کے لیے وہ بنایا گیا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ ضائع ہوا بلکہ بعض اوقات ثواب کے بجائے عذاب اور اصلاح کے بجائے فساد کا سبب بنے گا۔ دیکھیے نماز سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں لیکن اگر اس میں اغیار کا خیال اور غفلت اور توجہ لغیر اللہ غالب آجائے تو ایسے نمازیوں کے لیے بجائے بشارت کے وعید اور نماز کی بجائے تعریف کے مذمت آئی ہے۔ فرمایا گیا "فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ"۔ یہی حال الفاظ کے استعمال کا ہے مگر بے محل استعمال ہوں تو عقل کے بجائے جنون کا ثبوت اور ادب کے بجائے بے ادبی اور بدمذاقی

کی دلیل ہے جیسے کوئی شخص بیت الخلا میں بیٹھا ہو اپنے کسی مرض کی وجہ سے دیر لگتی ہو اور اس سے پوچھا جائے کہ اتنی دیر کیوں لگائی تو وہ کہے میں نعمت خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے ہی جب کوئی شخص جو علوم دنیا میں مشغول ہے اور اس علم سے غافل ہے جس پر نجات و ہدایت موقوف ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں حصول علم میں مشغول ہوں تو میرے دل پر بڑی چوٹ لگتی ہے کہ اس نے ان الفاظ کو غلط جگہ پر استعمال کیا۔ اس کو کہنا چاہیے تھا کہ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں۔

مقصود و غیر مقصود میں امتیاز کرنا ضروری ہے

فرمایا کہ سارا معاملہ مقصود کے سمجھنے کا ہے اور مقاصد اور زوائد میں فرق کرنے کا ہے۔ مولانا جامی نے صحیح ارشاد فرمایا "التوحید اسقاط الاضافات" اس حکیمانہ جملہ کی تشریح کے لیے عرض کرتا ہوں کہ ایک غیر مسلم یا کسی انجان شخص نے ایک نمازی کو وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہوا دیکھا تو اس شخص نے پوچھا کہ یہ صاحب کہاں جا رہے ہیں اور کیوں؟ اس نے کہا کہ مسجد میں نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔ اس نے ان کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا وہ سمجھا کہ وضو کی حقیقت چند اعضاء کا دھونا ہے۔ اس نے بھی (بلا نیت و فہم) جن جن اعضا کو دھوتے ہوئے دیکھا تھا، دھو لیا اور ان کے پیچھے پیچھے وہ بھی چلا۔ مسجد میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ انھوں نے ایک محراب اور ایک منبر کی طرف منھ کر کے رکوع و سجدہ کیا۔ اس نے بھی ہاتھ باندھ لیے اور انہی محراب و منبر کو مقصود و مسجود سمجھ کر رکوع و سجدہ کیا اور یہی سمجھتا رہا کہ انھیں چیزوں کو سجدہ کیا جاتا ہے حالانکہ جن کی اقتدا اور نقل کی تھی ان کی نظر کے سامنے سے محراب و منبر قبلہ کی دیوار اور راستہ کے دریا و پہاڑ سب ہٹ کر خانہ کعبہ قبلہ بنا

ہوا تھا اور وہ بھی مقصود و مسجود نہ تھا، اللہ کی ذات مسجود و مقصود تھی۔ اب وہ صاحب موحد و خدا پرست کہلائیں گے اور یہ نقال و کوتاہ نظر شخص مشرک و سنگ و خشت پرست، اسی کو حدیث شریف میں کہا گیا ہے "انما الاعمال بالنّیات وانما لامرئٍ ما نوی فمن کانت ھجرته الی اللہ ورسوله فھجرته الی اللہ ورسوله ومن کانت ھجرته الی دنیا یصیبھا او امرأۃٍ ینکحھا فھجرته الی ما ھاجر الیه" (سارے اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی پس جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو گی اسکی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے شمار ہو گی اور جس کی ہجرت کسی دنیاوی منافع کے حصول یا کسی عورت سے شادی کرنے کی خاطر ہو گی تو اس کی ہجرت انھیں چیزوں کے لیے شمار ہو گی۔)

نکاح خلاصہ و جامع عبادت

فرمایا کہ اس مرتبہ اجتماع میں آٹھ نکاح ہوئے۔ مولانا انعام الحسن صاحب نے نکاح کی دینی و شرعی حقیقت پر بہت اچھی تقریر کی۔ میں بھی اس وقت موجود تھا۔ یہ تقریر مجمل تھی۔ میں اس اجمال کی تفصیل عرض کرتا ہوں، کہ نکاح افضل ترین عبادت ہے بلکہ خلاصہ اور جامع عبادت ہے اگر ایسا نہ ہوتا، انبیاء علیہم السلام کو اس میں امت کے مقابلے میں امتیاز حاصل نہ ہوتا۔ ہر مسلمان کے لیے بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کے لیے اس تعداد کی قید نہ تھی اور افضل الرسل اور آخری نبی کے گھر میں بیک وقت نو بیویاں تھیں اور فرماتے ہیں۔ "کلمینی یا حمیراء"۔ (اے عائشہ مجھ سے باتیں کرو) آپ نے کبھی محبت و انس کے اظہار کے لیے

کہانیاں بھی سنائی ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو اس کی عبادت ہونے کا استحضار ہے۔ کیا آپ نے کسی کو نماز میں سگریٹ پیتے ہوئے دیکھا ہے اگر اس کو اس کا علم اور یقین ہوتا کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت میں مشغول ہے جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے تو وہ اسی طرح سے اس میں ایسی چیزوں سے احتراز کرتا جیسے کوئی شخص نماز میں سگریٹ نہیں پی سکتا۔

افضل ترین عبادت مجموعہ معاصی و منکرات بن گئی ہے

درحقیقت یہ شادیاں (اگر نیت و ذہنیت صحیح ہو) اس قرب و ترقی کا ذریعہ ہیں۔ جو بہت کم عبادتوں میں حاصل ہوتی ہے لیکن جو معصیتیں اور شریعت کی مخالفتیں عام دنوں میں نہیں ہوتیں وہ بھی ان تقریبات میں ہو جاتی ہیں اور ایک شادی بعض اوقات مجموعہ معاصی بن جاتی۔ اچھی پابند اور دین دار گھرانوں کی لڑکیاں بھی اس رات کو نماز چھوڑ دیتی ہیں اور کتنوں کی صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے حالانکہ یہ ان کے حق میں شب قدر تھی اور ان کو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص رمضان کے دن میں تو شب قدر کے شوق و انتظار میں سارے دن جاگتا رہا اور دعاؤں میں مشغول رہا لیکن جب شب قدر ہوئی تو سوتا رہا۔ تو کیا لوگ اس کی نادانی و محرومی پر افسوس نہ کریں گے کہ جو جاگنے کا وقت تھا، اس میں سویا اور جو قدر کی رات تھی اس میں اس نے ناقدری کی۔

حقیقی حیات کا ایک لمحہ بھی نعمت عظمیٰ ہے

فرمایا کہ حیات بڑی نعمت ہے اس کا ایک لمحہ بھی غنیمت ہے قرآن شریف میں اس کو بڑے انعام کے طور پر

لہ حدیث ام زرع کی طرف اشارہ جو بخاری شریف میں بڑی تفصیل کے ساتھ آئی ہے اور بڑے بڑے علماء نے اس کی شرح میں رسائل لکھے ہیں۔

بیان کیا گیا ہے "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً" (مردوں اور عورتوں میں سے جو شخص بھی نیک عمل کرے گا بشرطیکہ وہ ایمان رکھتا ہو تو ہم اس کو اچھی زندگی عطا کریں گے)

خدا سے آرزو کرنی چاہیے (حقیقی) حیات کا کوئی لمحہ ہی عطا فرما دیں۔ موت حالتِ حیات میں آئے نہ کہ حالت ممات میں، مردہ مرا تو کیا مرہ وہ پہلے ہی سے مردہ تھا لطف تو زندہ کے مرنے کا ہے۔

قیمتی اور وزنی عبادت ہے، نہ کہ عادت

فرمایا اصل قیمت اور وزن عبادت کا ہے نہ کہ عادت کا عبادت کبھی عادت ہو گئی ہے تو پھر کیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ میری رات کو اٹھنے کی عادت ہو گئی ہے تین بجے آنکھ کھل جاتی ہے۔ یہ تو عادت ہوئی، عبادت تو یہ ہے کہ سخت سردی کا موسم ہو گرم اور نرم بستر ہو نیند کا غلبہ ہو سردی کے مارے ہاتھ باہر نکالنے کی ہمت نہ ہو اور آدمی اللہ کی عبادت اور دعا و مناجات کے لیے اٹھے۔ جس طرح ڈاکیہ کی آواز کہ منی آرڈر لایا ہوں، جادو کا اثر رکھتی ہے۔ اور یہ سن کر نیند کافور ہو جاتی ہے۔ آدمی سردی گرمی بھول جاتا ہے اسی طرح "ھل من سائل فاعطیہ ھل من مستغفر فاغفر لہ" (کیا کوئی مانگنے والا ہے جس کو میں دوں کیا کوئی بخشش چاہنے والا ہے جس کی بخشش کردوں[1]) کی آواز میں منی آرڈر والے ڈاکیہ کی صدا سے زیادہ کشش اور دلآویزی ہے اور اس کے لیے آدمی اپنی نیند حرام اور آرام قربان کر دے۔

---

[1] حدیث صحیح کے مطابق آخر شب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان وصلائے عام ہوتا ہے۔

ذہن و اخلاق پر اثر عبادت کا ہوتا ہے نہ کہ عادت کا

عبادت ہی کا اخلاق پر اثر پڑتا ہے اسی سے انسان کا ذہن بدلتا ہے اور اسی کا اثر دیرپا ہوتا ہے۔ عادت میں کوئی اثر اور طاقت نہیں۔

بیعت و ارادت کی حقیقت

فرمایا کہ لوگ مرید ہونے آتے ہیں میں کہتا ہوں کہ مرید تو اسی وقت ہو گئے جب کلمہ پڑھا تھا، یہ بیعت نہیں بیعت کی تجدید ہے۔ غفلت ہو گئی تھی، بھول گئے تھے اس سبق کو تازہ کر رہے ہو ورنہ کون کس کا مرید؟ دیکھیے شہد کی مکھی کیسی حقیر چیز ہے لیکن اللہ نے اس کو جو کمال دیا ہے وہ نہ کسی انجینیر کو حاصل ہے اور نہ کسی ڈاکٹر کو وہ جس طرح پھولوں پر بیٹھ کر ان کا جوہر نکال لیتی ہے کوئی بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور کیمیادی نہیں نکال سکتا۔ پھر وہ جس طرح اپنا چھتہ بناتی ہے کسی انجینیر کی کیا مجال کہ ایسا ایک چھتہ بھی بنالے یورپ میں شہد حاصل کرنے کے لیے مکھیوں ہی کو پالتے ہیں۔ اور انھیں سے شہد نکلواتے ہیں۔ براہ راست شہد وہ کبھی نہیں نکال سکے۔ گویا زبان حال سے مکھیوں سے کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ہی مرید ہیں پیر تم ہی ہو فیض تمھارا ہی ہے۔ اسی طرح پیر و مرید دونوں ہی ایک دوسرے سے فیض پاتے ہیں۔ اور در اصل فیض کسی اور کا ہے۔

(مسجد میں جمعہ کا وقت قریب ہو چکا تھا اور ہم لوگوں کو بھی کھانا کھانے کے لیے اپنی قیام گاہ پر آنا تھا اس لیے مجلس برخواست ہوئی لیکن جمعہ کا یہ دن جس میں عموماً مجلس نہیں ہوا کرتی۔ مجلس اور استفادہ سے خالی نہیں رہا۔ اور اس حیثیت سے بھوپال کے قیام کا یہ پہلا دن بھی خالی نہیں گیا۔

(فالحمد للہ علی ذلک)

پچیسویں مجلس

۵ ارذی قعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۴ جنوری ۱۹۷۰ء یوم شنبہ (خانقاہ شریف) مخصوص حاضرین: مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب، نواب سید ظہور الحسن خاں صاحب (نبیرہ والاجاہ نواب سید صدیق حسن خاں صاحب مرحوم) مولوی حسن خاں صاحب سواتی، سید حسن عسکری طارق قادری، مولوی مظفر الحق ندوی، مولانا ریاست علی خاں صاحب، سید مقصود علی صاحب لکھنوی، حافظ منظور احمد صاحب وغیرہ وغیرہ۔

جذبات وجوش وخروش زیادہ قابل اعتماد نہیں

۱۰ بجکر ۰ ا منٹ پر تشریف لائے۔ فرمایا جذبات زیادہ قابل اعتبار نہیں۔ بڑے بڑے جذبہ والوں کو دیکھا کہ (باغ وبہار) پھر کچھ عرصہ کے بعد دیکھا تو چوب خشک۔ میں نے کہا کہ جاندار شاخ میں کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ درخت کی جتنی کاٹ چھانٹ کی جاتی ہے شاخوں میں نئی پتیاں نکلتی ہیں اور روئیدگی بڑھتی ہے۔

تخریب میں تعمیر

فرمایا کہ لوگ پوچھتے ہیں کہ مزاج کیسا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ مزاج اچھا ہے اور مزاج کو اچھا ہی رہنا چاہیے۔ سارا انحصار مزاج

ہی پرہے۔ باقی رہا جسم تو جو چیز بگڑنے کے لیے بنی ہے اس کا بگڑنا ہی اچھا ہے۔ اس کے بگڑنے ہی میں بنتا ہے۔ شاعر بھی بعض مرتبہ عجیب عجیب باتیں کہہ جاتے ہیں۔ کیا خوب کیا ہے ؎

چلی نیزی نہ کچھ باد صبا کی
بگڑنے پہ بھی زلف اس کی بنا کی

موت رخصت نہیں آمد ہے

کسی گھر میں کہرام مچا ہوا ہے کہ تشریف لے جارہے ہیں[1] اور یہ کوئی نہیں کہتا کہ تشریف لارہے ہیں۔ اگر ایک عالم سے تشریف لے جارہے ہیں تو ایک عالم میں تشریف لا بھی تو رہے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی صاحب بازار سے بادام لائے۔ استعمال کا وقت آیا تو انھوں نے اُن کو توڑا اب گھر میں رونا پڑا ہوا ہے کہ دیکھیے بادام توڑ رہے ہیں کیسے اچھے اور خوبصورت بادام اور ان کو پتھر سے توڑ رہے ہیں، اُن کا چھلکا الگ کر رہے ہیں! حالانکہ بادام کا کام ہی یہی ہے کہ ان کو توڑا جائے ان کی گری نکالی جائے، بادام سے مقصود گری ہے۔ اور گری بھی نہیں گری کا روغن ہے۔

صحت نہ جسم مقصود نہیں سلیم قلب مقصود ہے

اسی طرح جسم مقصود بالذات نہیں اس کی بھی گری اور اس کا بھی روغن ہے اور وہی اصل مقصود ہے اور اسی سے اس کی قدر و قیمت ہے "یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ" (جس دن نہ مال کام آئے گا نہ اولاد، ہاں جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آیا) (وہی فائدہ اٹھائے گا) دیکھیے یہاں نہ نماز کا ذکر ہے نہ روزہ کا نہ کسی عبادت کا، ذکر ہے تو جو ہر عبادت کا جو

[1] یعنی انتقال ہو رہا ہے۔

قلب سلیم ہے۔ اللہ دہ قلب سلیم عطا کرے جو اللہ کے احکام کا ایسا استقبال کرے جیسا پیاسا پانی کا تشنہ ہوتا ہے۔ قلب سلیم کو دیکھنا ہو تو سلاطین کے پاس جاکر دیکھو۔ لوگ کس طرح ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں اور اسکے انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی حکم دیا جائے، جب ان کو کوئی حکم ملتا ہے اور کوئی خدمت ان کے سپرد کیجاتی ہے تو ہزار زبان سے شکر گزار ہوتے ہیں کہ حضور نے ہم کو اس قابل سمجھا اور ہم سے کام لیا۔

ذوق کے ساتھ تکلیف کا احساس نہیں ہوتا

کسی چیز کا ذوق ہوتا ہے تو اس کی تکلیف نہیں محسوس ہوتی صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ ہم کبھی آپ کی طرح روزہ رکھیں گے۔ ہمیں اور زیادہ روزہ رکھنے کی اجازت دیجیے۔ یہ قلب سلیم کی علامت ہے کہ وہ زیادہ کا طالب ہوتا ہے۔ یہی حال دنیاداروں کا ہے جس کو جس چیز کا چسکا پڑجائے ؎

ملک اقلیمے بگیرد بادشاہ
ہم چناں دربند اقلیمے دگر

اسلام جمود سے نکالتا ہے اور ترقی کی راہ پر ڈالتا ہے

اس وقت بھی دیکھ لیجیے کہ زمین کی فتوحات حاصل کرنے کے بعد اب چاند پر حکومت قائم کرنے کی تیاریاں کی جارہی ہیں، اسلام جمود سے نکالتا ہے اور ترقی کی راہ پر ڈالتا ہے۔ "ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" ایمان اور عمل صالح یہ دو پر ہیں جن سے پستی سے بلندی کی طرف اڑتا ہے۔ یہ پرواز کے لیے دو پر دیے ہیں۔ یہ پر اڑنے کے لیے کافی ہیں۔ پرواز کا ایک جوہر ہے اگر وہ چھین لیا جائے تو پرند کھٹ سے زمین پر گر جائے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ" ـــ یہی جوہر پرواز ہے۔ اسی

جو ہر سے وہ آسمان و زمین میں معلق رہتے ہیں۔ عابد عبادت نہیں کر رہا ہے توفیق الٰہی اس سے عبادت کرا رہی ہے۔ پرند ہوا میں اڑ نہیں رہا ہے۔ قدرت خداوندی اسے اڑا رہی ہے۔

گرنے کا خطرہ ترقی میں ہے نہ کہ تنزلی میں

توفیق عابدوں سے چھن جاتی ہے تو ایسا گرتے ہیں کہ کوئی حد نہیں۔ سید نجم الہدیٰ صاحب بہاری (مقیم مکہ معظمہ) اور ان کے والد ملنے آئے۔ ان کے ایک رشتہ دار ایک قریبی ریاست میں والی ریاست کے معتمد و مصاحب تھے۔ وہ اُن رئیس کی تعریف کرنے لگے کہ اب تو حالت ہی بدل گئی ہے۔ بڑے اچھے اعمال و اشغال ہیں۔ میں نے کہا کہ خطرہ کا وقت اب آیا۔ خدا خیر کرے پہلے گاڑی پر چل رہے تھے گرتے تو اٹھ سکتے تھے اب ہوائی جہاز میں اڑ رہے ہیں گریں گے تو کہیں ٹھکانا نہیں اللہ جس کو بلندی دیتا ہے وہ خطرہ میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ بلند لوگ ہی خطرہ میں رہتے ہیں کہ ذرا سی غفلت ہوئی اور شیطان کا حملہ ہوا "وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ" ۔ (جو رحمٰن کے ذکر سے غفلت میں رہے گا ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیں گے جو اس کا ہم ذات ہوگا) ان کے اوپر جو فکر طاری ہے وہ بہت بڑی فکر ہے۔ فکر میں جب لذت ملنے لگتی ہے تو اس کا نام تفکر نہیں تیقن ہے۔ ترقی کا باعث ہے۔

اللہ کا نام اثر و ذائقہ سے خالی نہیں

ایک صاحب نے لکھا کہ ذکر ابھی دل میں جما نہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اللہ کا نام لیتے ہی ذائقہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ نمک کی کنکری منہ میں رکھتے ہی منہ کھارا ہو جاتا ہے، اور شکر کی ڈلی منہ میں ڈالتے ہی منہ میٹھا ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ نمک کی کنکری منہ میں ڈال کر یہ تصور کیا کرو اور دل میں خیال جمایا کرو کہ منہ نمکین ہو رہا ہے

۔۔۔۔ منھ نمکین ہو رہا ہے ۔۔۔۔ وہ تو نمک خود بتا دیتا ہے کہ اس نے نمک کا استعمال کیا ہے۔ سید ظہور الحسن صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے دورِ شاہجہانی دیکھا ہے؟ تاج محل اور شاہجہاں آباد[1] کا نام لیتے ہی لوگوں کے چہرے پر کیسی رونق آجاتی تھی اگر کسی نے کہا کہ میں تاج محل جا رہا ہوں تو اس کا چہرہ کھل جاتا تھا، اس لیے کہ وہ منافع نظر کے سامنے آجاتے تھے جو وہاں سے وابستہ تھے۔

تخیل کی طاقت فرمایا کہ تخیل میں بڑی طاقت ہے۔ میں حیدرآباد میں چندو لعل کی بارہ دری کے بائیں باغ میں جو تالاب ہے، نہا رہا تھا ایک طرف سے برہمن کہیں سے پرساد کھا کے آرہے تھے۔ ایک برہمن اور ایک غیر برہمن میں مار پیٹ ہو گئی۔ کسی نے کہا نہ برہمن ہے تو وہ برہمن بولا کہ سمجھیں تو سب کچھ ہے نہ سمجھیں تو کچھ بھی نہیں میرے دل کو یہ بات لگ گئی کہ سب سمجھنے کا فیض ہے۔ مولانا روم نے ایک غریب عورت کی حکایت بیان کی ہے جس کو بادشاہ نے محل میں بیگم بنا کر رکھا تھا، لیکن بیمار ہوتی چلی جا رہی تھی اور کوئی طبیب مرض کی تشخیص نہ کر پاتا تھا، ایک طبیب جو صحیح معنوں میں حکیم تھے، اس راز کو پا گئے[2] انھوں نے اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور مختلف نام لینے شروع کیے جب ایک زرگر کا نام آیا جس پر وہ عاشق تھی تو اس کی نبض تیز ہو گئی اور انھوں نے اس کا مرض دریافت کر لیا۔ ذکرِ حقیقی تو یہ ہے کہ زرگر کا نام آیا اور نبض تیز ہو گئی۔ "اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا"[3] پھر اس سے ایسی ترقی ہوتی ہے

---

[1] شاہجہاں آباد بھوپال میں نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ کا محل

[2] یہ حکایت تفصیل سے ایک پچھلے ملفوظ میں گذر چکی ہے۔

[3] جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل خوف سے دھڑکنے لگتے ہیں اور جب ان کے سامنے آیات الٰہی کی تلاوت کی جائے تو ان کے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔

کہ حجابات مرتفع ہو جاتے ہیں اور ماسوی اللہ بے حقیقت نظر آنے لگتے ہیں
"وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ"[1]

بیٹ اور بیٹھ کے مریض

فرمایا کہ لوگ زیادہ پیٹ اور پیٹھ کے مریض اور ان کی غذا کے طالب آتے ہیں۔ پیٹ بھر جائے عزت بڑھ جائے سب اسی کے طالب اور سائل ہیں، ہم یہ کہتے ہیں کہ جیب سے اشرفیاں گر رہی ہیں تو کہتے ہیں کہ تم کو کیا، وہ تو ہماری گر رہی ہیں۔ اگر بتایا جائے کہ عمر جیسی عزیز چیز تلف ہو رہی ہے تو منہ بناتے ہیں کہ تم کو کیا پڑی ہے۔ ہمارا ہی تو نقصان ہو رہا ہے۔ اگر کہا جائے کہ ذرا سا زبان کو حرکت دینے اور ایک مرتبہ الحمد اللہ کہنے کا یہ ثواب ہے تو کسی کو اس کی قدر نہیں ہوتی حدیث میں آتا ہے "کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ"

مظروف کا تصور نہیں ظرف کا تصور ہے

فرمایا اسرار امعاملہ کسی شے کی عظمت و فضیلت کے یقین و استحضار کا ہے۔ لوگ حج کو جاتے ہیں لیکن کتنے آدمیوں کو استحضار ہوتا ہے کہ حج سے ایسے گناہ معاف ہوتے ہیں کہ حاجی ایسا ہو جاتا ہے کہ جیسے آج وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا "کیوم ولدتہ امہ" یہی حال حافظ قرآن کا ہے لوگ آتے ہیں اور بڑے شوق سے اپنے بچوں کو پیش کرتے ہیں کہ یہ حافظ ہو گئے ہیں ڈر جاتا ہوں کہ یہ اس دولت کی قدر بھی کر سکیں گے یا نہیں، بے شک دودھ بڑا خالص اور صاف شفاف ہے لیکن یہ دیکھو کہ برتن بھی دھلا ہوا اور صاف شفاف ہے یا نہیں اگر برتن کثیف ہے تو وہ چیز بھی اس میں جا کر گندی نظر آئے گی، یہی نتیجہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے بہت سے

[1] اور وہ اپنے رب پر پورا اعتماد اور توکل کرتے ہیں۔

حافظ جور دیکھے اور بہت سے عالم پلاؤ خور۔ اس میں مظروف کا کوئی قصور نہیں ظرف کا قصور ہے ظرف کو صاف کرنا اور اس لطیف چیز کے قابل بنانا ضروری ہے۔ برتن میں رنگ تھا پانی رنگین ہوگیا گرد آلود تھا گرد آلود ہوگیا۔ کئی بزرگ صورت، دراز ریش، دینداروں کے لباس میں بڑی رکیک حرکتوں اور پست جرائم کے مرتکب پائے گئے۔ ذلیل قسم کی چوریوں میں پکڑے گئے۔ یہ تصفیہ باطن نہ ہونے کا نتیجہ ہے، لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ تقویٰ اختیار کریں۔ ہم کو ڈر ہوتا ہے کہ دین کو بدنام نہ کریں۔ سارا انحصار قلب پر ہے۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۔ جب اللہ قلب عطا فرمادیتا ہے تو یہ سب چیزیں آسان ہوجاتی ہیں۔

طاعت اور صحبت کا اثر کبھی نہ کبھی ضرور ظاہر ہوتا ہے

فرمایا کہ آدمی گرمی میں دہی استعمال کرتا ہے۔ کوئی ضرر محسوس نہیں ہوتا اس لیے کہ موانع موجود ہیں، سردی میں بیٹھے بیٹھے چھینکیں آنے لگیں معلوم ہوا کہ موانع مرتفع ہوگئے اب دہی نے اپنا اثر دکھایا۔ یہی حال بزرگوں کی صحبت یا کسی مقام کے فیضان کا ہے کہ جب تک موانع موجود ہیں اور حجابات پڑے ہوئے ہیں۔ کوئی فیض نظر نہیں آتا۔ جہاں موانع معدوم ہوئے اور حجابات مرتفع ہوئے۔ اچانک فیضان معلوم ہوا۔ ہمارے یہاں ایک بی بی تھیں۔ جوانی میں بیوہ ہوگئی تھیں ہمارے ہی گھر کے قریب آکر پڑ گئیں۔ حضرت صاحب کے کپڑے دھویا کرتی تھیں، کھانا پکانے کی خدمت بھی انجام دیتی تھیں، جب انتقال کا وقت آیا تو رونے لگیں، میں کلکتہ میں تھا، کہنے لگیں بھائی جان ہوتے تو میں کچھ کہتی، گھر میں اصرار سے پوچھا گیا تو کہا الحمدللہ سب لطائف جاری ہوگئے، وہی بات! دہی کھایا تھا کب اور اثر ظاہر ہوا کب، اللہ کے بندے جلدی

وصول کے طالب ہو جاتے ہیں۔

سنت کا درجہ معلوم کرنے کے لیے صحابۂ کرام کا عمل معیار ہے

فرمایا کہ سنتیں بھی دو طرح کی ہیں ایک جو کبھی ادا ہوئی اور مداومت کے لیے نہیں اور ایک جو مداومت کے لیے ہے اس کے پہچاننے کے لیے صحابۂ کرام کا عمل پیمانہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے جس سنت کی پیروی کی اور اس کے پابند رہے۔ وہ سنت دائمی ہے اور ساری اُمت کے لیے حرزِ جان بنا لینے کے قابل ہے اور جس عمل کو انھوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ وہ دستور العمل نہیں بنائی جا سکتی، اس کی مثال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کا کھیل دکھلایا۔ صحابہؓ نے اس عمل کو جاری نہیں رکھا۔ یہ نہیں ہوا کہ ہر صحابی اپنے گھر والوں کو کھیل دکھلائے اور گانا سنوائے معلوم ہوا کہ یہ سنت دائمی اور استمراری نہیں ایک وقتی عمل تھا۔

مشائخ کی صحبت کا اثر عیب بینی نہیں عیب پوشی ہے

فرمایا کہ والد صاحب کے ایک مخلص مرید حیدرآباد سے آئے ہوئے تھے کچھ عرصہ یہاں خانقاہ میں رہے ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ حضرت صاحب کو دیکھنے کے بعد اب کوئی نظر میں جچتا نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو آپ نے صحیح نتیجہ نہیں نکالا، بزرگوں کی صحبت کا اثر تو یہ ہوتا ہے کہ کسی کا عیب نظر نہیں آتا اور ادنیٰ میں اعلیٰ نظر آنے لگتا ہے اس کے بعد حضرت نے اپنا ایک مضمون سنوایا جو ایک مرید مقیم مدینہ منورہ کے جواب میں لکھوایا گیا تھا۔ یہ صاحب علماء دیوبند کے مخالف ہیں اور ان کے اکثر خطوط ان حضرات پر اعتراضات اور شکایتوں سے بھرے ہوتے ہیں۔ وہ عرصہ سے شجرہ کا تقاضہ کر رہے تھے۔ حضرت نے بجائے شجرہ کے یہ اصلاحی مضمون لکھوایا جس کا اصل زور تصوف و اصلاح کی حقیقت کو بیان کرنے اور بدبینی اور عیب چینی کے مرض کے علاج پر تھا، یہ ایک مستقل رسالہ بن گیا ہے

جس کی اشاعت طالبین حق کے لیے مفید ہو گی۔

بہت سے دینداروں میں قوت دافعہ کی کمی

فرمایا کہ بہت سے لوگوں میں قوت دافعہ کی کمی ہوتی ہے بہت سے نیک اعمال کرتے ہیں عبادت میں مشغول رہتے ہیں لیکن نماز روزے تک کے مسائل یاد نہیں اور بے تکلف علماء کی مذمت اور غیبت کرتے رہتے ہیں اگر ان کا عمل "فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" پر ہوتا تو اس مرض میں گرفتار نہ ہوتے۔

عمل و مشغولیت کے لیے کتاب و سنت ہے نہ کہ کتب تصوف

فرمایا کہ میں تصوف کی کتابیں پڑھ تو لیتا ہوں مگر ان کا عاشق نہیں، عقائد کا انحصار کتاب و سنت پر ہے۔ اکثر صوفی وحدۃ الوجود کے قائل پائے تنزلات ستہ کی تشریح میں ہر وقت مشغول، بچوں تک کو اسی کا درس دیتے ہیں، میں معلومات وسیع کرنے کے لیے پڑھ تو لیتا ہوں لیکن ان میں انہماک نہیں۔ فرمایا کہ والد صاحب پر ایک جذب کی سی کیفیت تھی۔ اذکار و مراقبات میں استغراق تھا۔ تعلیم و تعلم کی طرف چنداں التفات نہ تھا، میں علم حاصل کرنے کا گرویدہ تھا اسی شوق میں بھاگ کر ندوہ گیا، میں اسی زمانہ میں کہتا تھا کہ اگر حضرت والد صاحب حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے حدیث پڑھتے تو کیا اچھا ہوتا سارا ہندوستان اور سب علمائے دیوبند انھیں کے شاگرد ہیں۔ ایک حدیث مبارک سو ختموں سے بہتر ہے علم تو حاصل نہیں ہوا، عربیت حاصل نہیں ہوئی مگر اسی دھن میں لگا ہوں اور یہی مشغلہ ہے۔

---

۲۶ چھبیسویں مجلس

۱۶ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ ۲۵ جنوری ۱۹۷۰ء روز یک شنبہ

خانقاہ شریف

حاضرین کی کثرت اور حضرت کی طبیعت کا جوش و خروش

آج اتوار تھا، خانقاہ کا اندرونی دالان اور بیرونی صحن اور چبوترہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا، ایک ساتھی نے مجلس کے اختتام پر لوگوں کو شمار کیا تو دو سو سے کچھ اوپر تھے، حضرت نے پہلے ناچیز جامع ملفوظات کو کچھ مخاطب کرکے بیٹھے بیٹھے فرمانا شروع کیا پھر اٹھنے کا اشارہ کیا، دو صاحبوں نے سہارا دے کر کھڑا کردیا، کچھ دیر کھڑے ہو کر بیان کیا پھر دالان سے باہر برآمدہ میں کرسی رکھ دی گئی اور حضرت نے بیٹھ کر تقریر فرمانی شروع کی لیکن تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد جوش میں آکر کھڑے ہوجاتے کسی سہارے یا مدد کی ضرورت پیش نہ آئی۔ خادم کرسی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ شمار کیا تو ۲۰ مرتبہ بیٹھے سے کھڑے ہوئے، حیرت ہوئی کہ دو آدمیوں کی مدد کے بغیر آپ کھڑے نہیں ہوسکتے تھے کس طرح ۲۰ مرتبہ بلا کسی تکلف کے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یہ محض اندرونی

جوش اور تقاضہ اور قوت ارادی کا کرشمہ تھا۔

خاموشی افادہ و استفادہ

سلسلہ تقریر کا آغاز کرنے سے پہلے بعض حضرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی خاموشی میں گویائی ہے اور ان کے نہ بولنے کے باوجود بھی ان سے پورا استفادہ ہوتا ہے۔ اس پر حضرت خواجہ سید نصیر الدین چراغ دہلی کا یہ شعر پڑھا ؎

خاموشم و گویانم چوں خط بکتاب اندر
بے کارم و با کارم چوں جزء بحساب اندر

فرمایا خاموشی کی بات دلوں میں اثر کرتی ہے اور بولنے والوں کی گفتگو کانوں میں اثر کرتی ہے۔ دل تک پہونچی پہونچی نہ پہونچی نہ پہونچی۔

درد و تکلیف کا اظہار مخلوق کے سامنے نہیں خالق کے سامنے کرنا مناسب ہے

محبی عبد الرحمٰن نورولی[1] (مقیم مکہ معظمہ) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اپنے بچہ کے گرنے کے حادثہ پر ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں اس واقعہ کی پوری تفصیل اور

[1] جدہ میں تقریباً سو سوا سو سال سے پٹن گجرات کا ایک دیندار خاندان رہتا ہے جس کا پیشہ تجارت ہے۔ اس خاندان کے مورث کا نام نورولی تھا۔ اس لیے ہر فرد کے نام کے ساتھ یہ نسبت لگی ہوتی ہے اس خاندان نے ابھی تک اپنی وضعداری قدیم معاشرت اور ہندوستان کی اچھی خصوصیات و روایات قائم رکھی ہیں، جدہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ ہر جگہ ان کی تجارت اور املاک ہیں۔ اب اس خاندان کے بزرگ مخدومی الحاج عبد القادر نورولی ہیں۔ (اطال اللہ حیاتہ) میاں عبد الرحمٰن نورولی ان کے فرزند ہیں جو مکہ معظمہ میں رہتے ہیں۔ الحاج عبد القادر نورولی ہی کی تحریک و ہمت سے علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کی مایۂ ناز کتاب لغت حدیث "مجمع بحار الانوار" دائرۃ المعارف حیدرآباد میں طبع ہو رہی ہے۔ شکر اللہ مساعیہم۔ (افسوس ہے کہ کئی سال پہلے الحاج عبد القادر نورولی صاحب نے رحلت فرمائی اور ۱۳۹۰ھ کے اواخر میں اُن کے صاحبزادے عبد الرحمٰن نورولی صاحب نے مکہ معظمہ میں انتقال کیا غفر اللہ لہما۔

اس کی تکلیف اور بار بار عمل جراحی اور اس کے والدین کی ابتلاء و آزمائش کی روداد بڑے مؤثر اور دلدوز انداز میں درج کی ہے۔ میں نے کہا کہ اپنے تکالیف و مصائب کا اظہار مخلوق کے سامنے نہیں صرف خالق کے سامنے کرنا چاہیے۔ قرآن شریف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے "اِنَّمَا أَشْكُو بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللهِ" (میں تو اپنے درد و غم کا اظہار صرف اپنے مالک سے کرتا ہوں) انھوں نے اس گفتگو کے بعد رسالہ کی اشاعت کا خیال چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ میں نے ایسی تکلیف میں ایسا بشاش بشاش اور ہنستا ہوا چہرہ بہت کم دیکھا ہے۔

حقیقی دعا وہ ہے جو رونگٹے رونگٹے سے نکلے

فرمایا کہ لوگوں کا عام دستور ہو گیا ہے کہ مصافحہ کرتے ہی کہتے ہیں کہ دعا کیجیے۔ کثرت سے لوگوں کے خطوط اسی فرمائش کے آتے ہیں مجھے اس پر اس مزدور کا فقرہ یاد آتا ہے جس کو اس کی توقع سے زیادہ پیسے دیے گئے تو کہا باباجی! رونگٹا رونگٹا آپ کے لیے دعا کرے گا درحقیقت رونگٹوں ہی کی دعا کی ضرورت ہے۔ ایسا کام کرے جس سے بدن کے روئیں روئیں سے دعا نکلے۔ ایک خالی زبان کی دعا سے کیا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے "الدعاء مخ العبادۃ" (دعا بندگی کا مغز ہے) لوگوں نے بزرگانِ دین کی سالہا سال خدمت کی ہے۔ پھر کسی وقت انھوں نے مہربان ہو کر کہا کہ کیا چاہتے ہو؟ اس وقت دعا کی درخواست کی گئی اور دل سے دعا نکلی بعض لوگ مجسم شریعت کے خلاف شکل بنا کر سامنے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دعا کیجیے میں بعض وقت کہتا ہوں کہ "ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ کرے منہ سے بد دعا نہ نکلے"۔

انسان کا سودا اور کریم کی بندہ نوازی

فرمایا کہ اس آیت میں پورا قرآن شریف اور پورے ایمان کی تشریح آگئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

لے اللہ نے ایمان والے بندوں کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اور معاوضہ یہ طے کیا ہے کہ) ان کے لیے جنت ہے۔

أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" اللہ تعالیٰ نے ہم سے وہ چیز خریدی جس کا کوئی خریدار نہیں، کوئی جانور مرتا ہے تو اس کا چمڑا ہڈی سب کام کا ہوتا ہے اور اچھے داموں بک جاتا ہے۔ ہمارا نہ چمڑا کام کا نہ ہڈی نہ گوشت نہ خون نہ بال مگر اللہ اس کو خرید رہا ہے[1]

عبادت نکاح کی بے حرمتی و ناقدری

اس کے بعد آپ کھڑے ہوگئے اور تقریر شروع کی۔ فرمایا کہ نکاح کی حقیقت کیا ہے؟ آپ آئینہ کو الٹی طرف سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اس کی پشت بھی بہت رنگین اور منقش ہے۔ مگر اس میں صورت نہیں دکھائی دے گی۔ آپ اس کو سیدھا کرکے دیکھیے تو صورت صاف نظر آئے گی اسی طرح نکاح بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے جس کو لوگ اس غفلت اور بے شعوری کے ساتھ ادا کرتے ہیں کہ جو غفلت و معصیت کسی موقع پر نہیں ہوتی وہ اس میں روا رکھی جاتی ہے بلکہ مستحسن سمجھی جاتی ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی نماز میں سگریٹ پیے تو مسلمان تو مسلمان غیر مذہب والے بھی اس کو کیا کہیں گے۔

نکاح کے افضل العبادات ہونے کی دلیل

فرمایا کہ دو کام ہیں جو اعلیٰ ترین عبادت ہیں لیکن وہ سب سے زیادہ غفلت، ناقدری، دل آزاری و لاابالی پن سے انجام دیے جاتے ہیں، ایک نکاح اور ایک کھانا۔ آپ اسی سے اندازہ کیجیے کہ نکاح محض لذت اور نسل حاصل کرنے کی چیز ہوتی تو انبیاء علیہم السلام (جو کہ افضل الخلق اور ہر وقت متوجہ بحق ہیں) اس سے بالکل سروکار نہ رکھتے انبیاء

[1] حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کبھی تہجد کے وقت ذوق شوق میں آکر یہ شعر پڑھتے تھے جو بالکل اس مضمون کا ہم معنیٰ ہے۔

بندۂ عیب دار کس نہ خرد ۔۔۔ با ہزاراں گناہ خریدار مرا

از مرتب ۱۲

علیہم السلام نے تو لذات کو کم کیا ہے وہ کھانا کم کھاتے تھے، زینت و تکلف سے بری تھے، ان کی زندگی فقیرانہ و زاہدانہ تھی، انھوں نے کم سے کم آرام فرمایا۔ چٹائی پر سوئے، انھوں نے راحتوں کا دامن ہمارے لیے کشادہ کیا اور اپنے لیے سمیٹا لیکن نکاح میں ان کا حصہ امت سے زیادہ ہے۔ نبیوں نے تو اللہ سے قریب ہونے کی چیزیں زیادہ اختیار کیں تو معلوم ہوا کہ یہ قرب کا سامان ہے فرمایا "النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي"[1]۔ نیز ارشاد ہے۔ "یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج"[2]۔

محبت کی کشش اور اس کا مظاہرہ

فرمایا کہ صوفیائے کرام حدیث قدسی کرکے بیان کرتے ہیں "کنت کنزاً مخفیاً فاحببتُ أنْ أُعْرَفَ فخلقتُ الخلق" میں نہیں کہتا کہ یہ حدیث محدثین کے یہاں کس پایہ کی ہے لیکن یہ روایت صوفیائے کرام کے یہاں بکثرت منقول ہے، اس سے معلوم ہوا کہ پہلے جو چیز پیدا ہوئی وہ محبت ہے "فَاَحْبَبْتُ أَنْ أُعْرَفَ"۔ پس دراصل یہ نکاح اور ازدواجی زندگی اسی محبت کی کشش ہے کہ اس میں دو دل جن سے بڑھ کر کوئی بیگانہ نہیں ہوتا، ایسے مل جاتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر یگانہ نہیں ہوتا، یہ اس حقیقی محبت کا رہرسل ہے۔

محبت کی سچائی اور کارفرمائی

اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب محبت کا کھیل اور اس کا ظہور ہے اگر ایک مکان بن رہا ہے تو یہ بھی محبت کا کرشمہ ہے۔ اگر ایک ٹوٹ رہا ہے تو وہ بھی محبت کا کرشمہ ہے۔ اگر ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہا ہے تو یہ بھی ملک و سلطنت کی محبت کرا رہی ہے۔ اگر چوری اور جرائم ہیں تو یہ بھی مال اور نفس کی محبت کی کارستانی ہے۔ معلوم ہوا کہ محبت ایک ایسا جوہر ہے جو

[1] نکاح میری سنت ہے، جو کوئی میری سنت سے روگردانی کرے وہ میرا نہیں ہے۔

[2] اے جوانو! تم میں سے جو شادی کرسکے وہ شادی کرے۔

انسان کو کہیں سے کہیں پہونچا دیتا ہے۔ فرد کو فرد سے ملانے والی، افراد کو مجموعہ کی شکل میں لانے والی، ایثار و قربانی پر آمادہ کرنے والی شہادت کا شوق دلانے والی محبت ہی ہے۔

رواجی شادیاں

لیکن آج یہی محبت اور اس کا ذریعہ (نکاح شرعی) غفلتوں اور معاصی اور خدا اور رسول کی نافرمانیوں کا میدان بن کر رہ گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب کوئی اچھی چیز چلی جاتی ہے تو بری چیز اس کی جگہ ضرور متمکن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" یہ بالکل آج کل کی رواجی شادیوں کا نقشہ ہے۔ ہم قرآن کا تھرمامیٹر لگا کر دیکھ لیں کہ یہ حرارت عزیزی ہے یا حرارت غریبی۔

کش مکش اور کشش و کوشش کا فیض

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" انسان اگر اس (احسن تقویم) پر رہ جاتا تو ملائک کے اندر جا ملتا (سعی اور کوشش) نہ ہوتی، یہ بزرگان دین کو جو عروج و نزول حاصل ہوا وہ اسی کش مکش اور کشش و کوشش کا نتیجہ ہے ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ۔ اچھی فطرت پر تخلیق ہونے کے بعد نیچے سے نیچے چلا جائے، اچھائی کسے کہتے ہیں؟ برائی کو کوشش سے دفع کرنا، جس درخت کی جڑ زیادہ نیچے جائے گی وہ زیادہ مضبوط ہوگا جس کی کم جائے گی وہ کمزور ہوگا۔ ایک قوت ہے جو اسفل سافلین سے اعلیٰ علیین تک لے جاتی ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جفاؤں میں لذت کا احساس

ایمان کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کو ہم جفائیں بلائیں سمجھتے ہیں وہ لذات کی شکل میں ظاہر ہو جائیں یہی ایمان تھا جو حضرت سمرۃ بن جندب کو اس پر آمادہ کرتا تھا کہ پنجوں کے بل کھڑے ہو کر اپنا قد اونچا

اور جنگ میں شریک ہونے کا استحقاق ثابت کریں یہ موت کی رغبت کیسی تھی؟ کیا یہ ایمان کا کرشمہ نہیں تھا؟ یہ ایمان نہیں کہ دنیا کی لذات میں پھنس جائے۔ یہ "ثم رددناہ اسفل سافلین" کی صورت ہے۔

تقریبات میں اللہ ورسول سے ضد

نکاح کی حقیقت کیا ہے۔ اللہ نے جو محبت پیدا کی ہے اس کو جمود سے نکالا جائے اس کا جمود توڑا جائے اور اس کو صحیح محل پر صرف کیا جائے لیکن آج ہمارے نکاحوں کے موقع پر کیا ہو رہا ہے۔ اللہ ہی کی محبت کو دل سے نکالا جا رہا ہے اور اسی کے احکام اور حدود کو پامال کیا جا رہا ہے اور اسی کو ان محفلوں سے باہر رکھا جاتا ہے بلکہ گھر میں کبھی آنے نہیں دیا جاتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ میں کسی آقا کا ملازم ہوں بڑی تنخواہ ملتی ہے اس کا دیا کھاتا ہوں اسی کے ٹکڑوں پر پل رہا ہوں اب میرے یہاں دعوت ہوئی یا لڑکے لڑکی کی شادی سب کو بلایا صرف اسی کو کھلایا۔ ہمارے یہاں شادی کے موقع پر صرف اللہ ورسول ہی نہیں بلائے جاتے۔ صاف کہدیا جاتا ہے کہ آپ تشریف لے جائیے، یہاں نکاح ہو رہا ہے آپ کا کوئی کام نہیں۔ کتنا بڑا احسان ہے اُن کا کہ عدم سے وجود میں لائے اور اس سے آگے بھی اعلا زندگی عطا فرما دیں گے لیکن کوئی نافرمانی نہیں ہوتی جو نوشہ میاں سے چھوٹ جاتی ہو، دولھا اور دلھن دونوں اللہ کے رسول کے پکے مخالف، دونوں نماز میں پیالہ پی رہے ہیں، نہ نمازوں کی فکر نہ زکوٰۃ کا دھیان۔ سب پیر صاحب کو بیٹی کا جہیز دکھاتے ہیں۔ یہ زیور دیا۔ اتنے جوڑے دیے، اگر پیر صاحب کہیں کہ بہن زکوٰۃ کا بھی خیال ہے؟ تو حیرت سے منہ تکیں، کتنے آدمی ہیں جن کا اس آیت کے مضمون پر دھیان بھی جاتا ہے: "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى جِبَاهُهَا

جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ نیز کتنے آدمیوں کا خیال ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے پر ان زیوروں کا جہنمی طوق پہنایا جائے گا۔ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۝

زکوٰۃ تو جب سے اسلام میں آئے اس کا ذکر آگیا اب یہ کہنا کہ اس کا تو کبھی ذکر ہی نہیں تھا اور کسی نے توجہ ہی نہیں دلائی۔

تقریبات میں اسراف ونمود نمائش

نکاح اعلیٰ درجہ کی عبادت تھی لیکن اس میں بدعات بلکہ کفریات تک کا دخل ہوگیا، وہ اللہ اور رسول کو ایذا پہونچانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ"[۲]

میرے پاس شادی کے رقعے آتے ہیں۔ میں نے بعض لوگوں کو دکھایا کہ بتاؤ ایک رقعہ پر کیا لاگت آئی ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ ڈیڑھ روپے سے کم تو کسی طرح نہ ہوگی، اسی میں ایک غریب کی ہمدردی کر دی جائے تو کتنے اعلیٰ درجہ کی بات ہوتی اور کیسا خدا خوش ہوتا۔

حسن کا معیار

آج ہمارے نوجوان نوشہ کیسی کیسی آرائش کرکے آتے ہیں تاکہ خوبصورت معلوم ہوں خوبصورت تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، کالا رنگ، موٹے موٹے ہونٹ لیکن یہ درجہ کہ ان کے جوتے کی چاپ جنت میں سنی گئی۔ خوبصورت بننا ہو

---

۱ اور وہ لوگ جو سینت سینت کے رکھتے ہیں سونا چاندی (یعنی دولت) اور ان کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں (جس کا حکم دیا گیا ہے) تو اُن کو خوشخبری سُناؤ دردناک عذاب کی جس دن کہ ان کی دولت کو تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں (اور بتایا جائے گا کہ) یہ وہی دولت ہے جو تم نے اپنے لیے سینت کے رکھی تھی تو مزا چکھو اس دولت کا جسے تم سینتے تھے۔ ۱۲

۲ جو لوگ (اپنی حرکتوں سے) اللہ و رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا اور آخرت میں خدائی لعنت وپھٹکار ہے ۱۲

تو حضرت بلالؓ کی زندگی اختیار کرو۔ ع

دعویٰ ہو جس کو حسن کا محفل میں تیری آئے تو

یہ بازارِ زندگی ہے، وہ زندگی خریدی جائے جو خدا کو پسند ہو وہ کیسی زندگی ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً [1] روپیہ برباد کرنے کی ضرورت نہیں زندگی خریدنے کی ضرورت ہے۔

حفاظتِ دائمی اور حیاتِ ابدی کا قانون

حیات آگے ہے یہ نہیں۔ سترہ برس سیاحت کی، بڑے بڑے قلعے دیکھے ایلورا کا قلعہ دیکھا جو ایک پہاڑ کو تراش کر بنایا گیا ہے، میں نے پوچھا قلعہ تو ہے قلعہ نشین کہاں ہیں؟ کہا گیا اُن کو زیرِ خاک ہوئے ہزاروں برس ہو گئے، میں نے کہا کہ پھر یہ قلعہ کس کام کا یہ ابابیلوں کا آشیانہ بنانے کے لیے یا بھیڑیوں کا بھٹ بنانے کے لیے؟ مشہور ہے کہ کسی بادشاہ نے ایک قلعہ بنایا سارے شہر کو دعوت دی اور جشن منایا۔ سب نے قلعہ کے استحکام کی تعریف کی۔ ایک درویش بھی تشریف لائے اُن سے پوچھا کہ قلعہ کیسا ہے؟ انھوں نے کہا کہ کمزور ہے سب نے قہقہہ لگایا اور کہا کہ آپ نے کیا کمزوری پائی؟ فرمایا کہ ملک الموت کو داخل ہونے سے نہیں روک سکتا، لوگوں نے کہا کہ موت کس کے روکے رُک سکتی ہے! کہا کہ پھر قلعہ کا کیا فائدہ؟ انبیاء علیہم السلام بھی تشریف لائے۔ انھوں نے بھی قلعے بنائے کیسے قلعے؟ اللہ کے احکام اور حدود کے قلعے! انھوں نے کہا کہ فصیل کو ٹوٹنے مت دو "اَلَا اِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا اِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهٗ" [2] یہی اصل قلعہ ہے۔ جن

---

[1] جو کوئی مرد یا عورت نیک اعمال کرے اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو تو ہم اس کو حیوٰۃِ طیبہ عطا فرمائیں گے۔

[2] معلوم ہونا چاہیے کہ ہر بادشاہ کا کوئی مخصوص اور محفوظ علاقہ ہوتا ہے (جہاں عام لوگوں کو قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہوتی) یہ حیثیت شرعی محرمات کی ہے۔

منہیات سے منع کیا ہے۔ ان کو خارج رکھو جن مامورات کا حکم دیا ہے ان کی حفاظت کرو پھر حیات ابدی ہے۔ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ [51]

اہل قبور کی شہادت

یہ ساری باتیں آپ قبرستان والوں سے سنیے، اُن مردوں کی آواز اور امریکہ والوں کی آواز کسی ذریعہ اور کسی صندوقچہ میں سے آتی ہے یہ ذریعہ اور صندوقچہ قرآن شریف ہے۔ اس سے کان لگاؤ تو سنو گے "يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ" [52]

تاریخ کی شہادت

خلفائے عباسیہ کے گھروں میں جو کچھ ہو رہا تھا، تاریخیں سب بتا رہی ہیں پھر اس کا انجام کیا ہوا؟ بغداد کی تباہی! جتنا اللہ کے احکام کو غالب کرتے جاؤ گے، اللہ تم کو غالب کرے گا، جتنا ان کو پامال کروگے، اللہ تم کو پست و پامال کرے گا۔

(حضرت تقریر فرما کر اپنی جگہ آکر بیٹھ گئے، لیکن ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی تھی اور مزید فرمانے کا تقاضا تھا، مجبی مولانا محمد عمران خاں صاحب نے یہ محسوس کرکے کہ تعب زیادہ ہو گیا ہے اور اندیشہ ہے کہ پھر سلسلۂ تقریر شروع ہو جائے۔ مجھے اٹھنے کا اشارہ فرمایا اور میرے اٹھنے پر مجلس برخاست ہو گئی۔)

---

[51] وہ موت کا ذائقہ نہیں چکھیں گے۔ پہلی موت کے سوا اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔

[52] ہائے ہماری بدبختی ہم اس سے غافل تھے بلکہ ہم نے (اپنے پر) بڑے ظلم کیے۔

ستائیسویں مجلس

۱۷ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ ۲۶ جنوری ۱۹۷۰ء دوشنبہ خانقاہ شریف

آج چونکہ یوم جمہوریہ کی تعطیل تھی اس لیے روزانہ کی مجلس کے مقابلہ میں حاضرین کی تعداد کچھ زیادہ تھی اور کچھ دفاتر کے ملازمین اور کالجوں کے بعض اساتذہ اور طلبا بھی موجود تھے۔

خادمیت اور مخدومیت کے ذائقہ کا فرق

فرمایا کہ آپ کے آنے سے پہلے مطب چلتا رہا۔ راقم سطور نے عرض کیا حضرت اب بھی مطب ہی ہے، فرمایا کہ دوسرے کی خدمت میں چٹپٹا ذائقہ ملتا ہے اور کوئی مجھ کو راحت پہونچائے اور خدمت کرے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھانا تو ہے مگر پھیکا۔ اب میں دوسروں کی خدمت کا ارادہ کروں اور ان کو جسمانی راحت پہونچانے کی کوشش کروں تو ریاکاری پر محمول کیا جائے گا اور تصنع معلوم ہوگا اس لیے یہ (طب کا) مشغلہ اختیار کیا کہ اس طرح لوگوں کی خدمت کا موقع ملے اور پھر وہ ذائقہ نصیب ہو۔

فائدہ مقصود ہے نہ کہ ظاہری اخلاق

فرمایا کہ حکیم ضیاء الحسن صاحب[1] بڑے باکمال طبیب اور بھوپال کے حکیم اجمل خاں تھے، انھوں نے بڑے معرکے کے علاج

[1] افسر الاطبا حکیم سید ضیاء الحسن صاحب حکیم نور الحسن صاحب کے صاحبزادے اور مسیح الملک (باقی اگلے صفحہ پر)

کیے ہیں مگر مزاج میں غصہ بہت تھا۔ لوگ اس کی شکایت کرتے کہ حکیم صاحب غصہ ور بہت ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بہتر ہے کہ اخلاق برتیں اور مٹھائی کھلائیں یا یہ بہتر ہے کہ ان کے علاج سے فائدہ ہو؟ اہل فن کا تو فن دیکھا جاتا ہے۔

حکیم محمد محسن صاحب بھی ایسے ہی تیز مزاج تھے پرانی وضع کا لباس پہنتے تھے اور والیِ ریاست سے بھی تیز لہجے میں بات کرتے تھے اور دوسرے طبیبوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن جس مرض کے علاج میں بڑے بڑے طبیب ناکام رہے ایک معمولی سی پتی کا عرق بتا دیا اور نفع ہو گیا، حکیم صاحب اخلاق برتیں اور علاج ٹھیک سے نہ کریں اس سے تو یہ بہتر ہے کہ دو جوتی مار دیں اور نفع ہو جو اصل مقصود ہے، استادوں کے تو جوتے کھانے سے علم آیا ہے۔

اہل قلوب سے فائدہ اٹھانے کے لیے سب سے زیادہ تواضع شرط ہے

فرمایا کہ ایک صاحب نے علاج کے سلسلہ میں علاج کے بعد کہا کہ کیا پیش کر دوں؟ میں نے کہا کہ اخلاص، وہ وزیر تھے انھوں نے کہا کہ میں تو صاحبِ قدرت ہوں۔ میں نے کہا کہ جس جگہ کو اللہ والی جگہ سمجھے وہاں قدرت کو باہر طاق میں رکھ کر آئے، ایسی جگہ عجز لے کر آتے ہیں کہ عجز ہی پر رحمتِ الٰہی متوجہ ہوتی ہے۔

تکان اور خستگی کا علاج

فرمایا کہ بعض مرتبہ کسی مریض کو دیکھنے پیدل چلا تو تکان اور پاؤں میں درد کا احساس ہوا لیکن فوراً ہی شیخ سعدی نے انجکشن دیدیا اور خستگی کا احساس جاتا رہا۔ وہ فرماتے ہیں:

نیاساید اندر دیار تو کس
چوں آسائش خویش خواہی و بس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکیم اجمل خاں کے شاگرد رشید تھے۔ پانچ سال ان کے یہاں دواخانہ و مطب میں شریک رہے حکیم صاحب کو ان پر بڑا اعتماد اور خصوصی تعلق تھا۔ عرصہ تک بھوپال میں افسر الاطبا رہے ۱۹۵۵ء میں انتقال کیا۔

یعنی تمھارے ملک میں کوئی آرام نہیں پا سکتا۔ اگر تم کو صرف اپنے آرام کی فکر ہے۔ طب کا فن تو جس وقت سیکھا تھا اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ یہ مشقت تو برداشت کرنی ہے۔

فرمایا کہ کل دھوپ کی وجہ سے سبق مختصر کرنا پڑا قبل اس کے کہ لوگ گھبرائیں اور بس بس کہیں خود ہی گفتگو موقوف کر دینی پڑی۔

بیندیش آنکہ بر آدر نفس
وزاں پیش بس کن کہ گویند بس

کھانے کو کس طرح عبادت اور ذریعہ قرب بنایا جائے

فرمایا کہ کل میں نے دو عبادتوں کے متعلق کہا تھا۔ نکاح اور کھانا دونوں سے وجود کا قیام ہے۔ کھانے سے فرد کے وجود کا اور نکاح سے نوع کے وجود کا، اب کھانے کو عبادت بنانے کی کیا صورت ہے؟ پہلے یہ غور کیا جائے کہ اس کا مقصود لذت ہے یا وجود کی بقاء؟ اس طرح سے لقمہ اللہ کے ذکر کے ساتھ اٹھائے اور نیت یہ ہو کہ اس سے قوت حاصل کر کے عبادت میں صرف کریں گے۔ اب حالت یہ ہے کہ نہ کھانے کا طریقہ معلوم ہے نہ پینے کا (غفلت کے ساتھ جانوروں کی طرح کھاتے پیتے ہیں)۔

عبادات میں کیفیت اور اثر پیدا کرنے کا طریقہ

نماز اور عبادات میں توجہ اور اثر کہاں سے آئے؟ طبعی ضروریات اور روزانہ کے معمولات درخت ہیں اور عبادات ان کا ثمر، اگر ان طبعی ضروریات اور معاملات کی حفاظت نہ کی جائے گی تو ان درختوں میں پھل کیسے پیدا ہوں گے؟ کھانا پینا ملنا جلنا خرید و فروخت ان کی درستگی حفاظت، ان کو شریعت کے مطابق ادا کرنے کا اہتمام اور ان میں اخلاص و نیت پیدا کرنے کی کوشش وہ درخت ہیں

جن سے عبادت کے ذائقہ دار ثمر پیدا ہوں گے اور ان میں نورانیت آ جائے گی، درخت کی صحیح پرورش سے اس میں خود بخود پھل آتا ہے۔ حضرت شاہ غلام علی صاحب کا روزہ تھا، عصر کے وقت حاضرین مجلس میں سے کسی نے کسی بادشاہ کے ظلم کا تذکرہ کیا، فرمایا روزہ گیا، روزہ گیا، انھوں نے کہا حضرت روزہ گیا تو میرا گیا میں نے غیبت کی آپ کی اس میں کیا غلطی؟ فرمایا "المستمع شریک المغتاب" (سننے والا بھی غیبت کرنے والے کا شریک ہوتا ہے) یہ وہ چیز ہے جس کو ہم کوئی چیز نہیں سمجھتے۔ یہی حجابات نمازوں اور عبادتوں کے وقت آتے ہیں۔ بیت الخلا میں بھی اس کا رنج رہے کہ وقت ضائع ہو رہا ہے یہ وقت ذکر کا تھا، پھر اللہ اس کا پھل یہ عطا فرماتے ہیں کہ عبادت عبادت نہیں لذت ہو جاتی ہے۔

اصلاح و ترقی کے لیے حیات کی بیداری ضروری ہے

ان باتوں کا درست کرنا بہت آسان ہے۔ طبیعت میں انتظام اہتمام کا خود مادہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حیات بیدار ہو جائے انسان جب جیتا ہے تو زندگی لوازمات حیات خود تلاش کر لیتی ہے جس کو ہم حیات سمجھتے ہیں وہ حیات نہیں "مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً"

حیات کے اندر حیات

اس حیات کے اندر ایک حیات ہے۔ بادام کے اندر بادام ہے۔ اصل بادام گری ہے اور گری بھی نہیں اس کا روغن ہے لیکن اس سخت چھلکے والے پوست دار بادام ہی کو بادام کہتے ہیں۔ مگر اصل بادام بادام کا جوہر ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو بے روغن کا بادام لے آئے، پتلے چھلکے کے بادام کی تلاش ہوتی ہے جتنا بادام کا چھلکا موٹا ہوتا ہے، گری ہلکی ہوتی ہے، پتلا چھلکا بادام قوی، موٹا اور مضبوط چھلکا بادام کمزور

ہوتا ہے اور لاغر جسم میں قوی روح دیکھی جاتی ہے۔ اصل چیز روح اور جوہر ہے اس کا قالب کیسا ہی ہو۔

جوہر اور روح مقصود ہے

عبادت کے جسم کی روح رضا الٰہی کی طلب ہے، صحابہ کرام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تم دیکھتے ہو ان کو رکوع و سجود کی حالت میں) یہ جسم ہوا، روح کیا ہے؟ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (وہ اپنے رب کا فضل اور رضامندی ڈھونڈتے ہیں) یعنی عبادت کے بادام میں رضا کی گری تلاش کرتے ہیں۔

ہر چیز میں روغن بادام تلاش کیا جارہا ہے۔ فطرت کے مطابق ہم کبھی کھوکھلا پھل لے کر نہیں آتے، بچہ بوڑھا ہر مذہب کے لوگ حیات کے طالب ہیں۔ حیات کا اندازہ خود کرلو، چھلکے کی حیات پسند ہے تو اسی میں عمر گنوا کر ایک دن چلے جاؤ گے۔ اگر گری کی حیات پر اکتفا کیا تو بھی وہیں تک رہے، روغن بادام کی قدر کی تو یہی مقصود اصلی ہے اور اسی سے انسان کو تمام مخلوقات پر شرف حاصل ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔

تخیلات سے احساسات کی تبدیلی

فرمایا ذہن میں جس چیز کا مفید و آرام دہ ہونا بیٹھ جاتا ہے۔ آدمی کو اسی میں آرام محسوس ہونے لگتا ہے۔ مل میں کام کرنے والوں کو گرمی کی سخت شکایت ہے کہ اس گرمی میں سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ تمنا کرتے ہیں کہ کسی طرح ان کو اس مصیبت سے نجات ہو۔ ایک ایک دن پہاڑ معلوم ہوتا ہے لیکن اچانک اعلان ہوتا ہے کہ اب اس مل کے کام کرنے والوں کو تگنی مزدوری ملا کرے گی مل چھوڑ دینے کا خیال بالکل دل سے نکل جاتا ہے اور اسی میں راحت معلوم ہونے

لگتی ہے۔ ایک انجکشن مل گیا سب تکان جاتا رہتا ہے۔ روپیہ تو اس وقت ہاتھ میں نہیں آتا لیکن یقین ہے کہ مل جائے گا بس اس میں امرتوں کا مزہ آنے لگتا ہے۔ یہی حالت ہے کہ ایک خدائی آواز جس میں کسی عمل کے نتیجے اور انعام کا اعلان ہوتا ہے۔ حوصلوں کو بلند کردیتی ہے اور پھر تکلیف تکلیف نہیں معلوم ہوتی کہاں کا وضو میں ٹھنڈا اور گرم پانی؟ کہاں کی نیند؟ کیسا آرام؟

پرزہ اپنی جگہ سے ہٹا لو پوری مشین بے کار

فرمایا کہ حیدرآباد میں ایک صاحبزادہ کو گلستاں پڑھا رہا تھا یہ شعر آیا

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتی باں
چہ باک از موجِ بحر آں را کہ باشد نوح کشتی باں

میونسپلٹی کے ایک افسر جن کی داڑھی منڈی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں اور نماز روزہ سے کوئی مطلب نہ تھا، کہنے لگے کہ یہ شعر تو مجھ کو لکھ دو میرے کام کا ہے۔ گویا جب ان سے نماز کا سوال ہوگا تو یہ شعر پڑھ دیں گے۔ ایسے ہی ایک بڑے میاں بالکل تارک الصلوٰۃ تھے رات کو پچھلے پہر اٹھتے اور چند شعر پڑھتے جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی کو اپنی سکر دستی پر ناز ہے کسی کو اپنے عمل و عبادت پر لیکن میرے پاس دلِ مایوس کے سوا کچھ بھی نہیں مجھے اس سرکار میں کون پوچھے گا؟ یہ اشعار پڑھتے اور خوب روتے اور دن بھر سوتے۔ یہ نتیجہ ہے ذہن کو درست نہ کرنے کا، پرزہ اپنی جگہ سے ہٹا لو تو پوری مشین بے کار، ہمارا یہ دماغ کوڑے کچرے کی گاڑی ہے۔ اگر اس کو کتاب و سنت اور دین کے اصول سے پھیر گیا تو اس میں کوڑا کرکٹ ہی رہے گا۔

دل جہاں ہے جسم بھی وہیں ہے

فرمایا کہ بہت سے لوگ ہیں جو دینی اور علمی ماحول میں ہیں لیکن حقیقت میں نہیں ہیں شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ مسجد میں ہر بیٹھنے والے کو مسجد میں بیٹھنے والا مت کہو اور بازار میں ہر پھرنے والے کو بازاروں میں پھرنے والا مت سمجھو۔

چوں ہر ساعت از تو بجائے رود دل
بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی
وگر مال وجاہ است وزرع وتجارت
چو دل با خدا ایست بہ خلوت نشینی

فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ ایک تختی پر اس کو لکھ کر خانقاہ میں آویزاں کردوں کہ گھر کے بچے اور آنے جانے والے دیکھتے رہیں۔ جب غم ہوتا ہے تو انسان خوشی کی مجلس میں جاتا ہے تو بھی غم میں ہوتا ہے، اور خوشی میں ہوتا ہے تو جنازہ میں بھی جاتا ہے تو خوش رہتا ہے۔ قلب میں عمل صالح کو لینے کی قوت ہے۔ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ

قلب کی زندگی کی علامت

قلب کے زندہ ہونے کی علامت کیا ہے؟ پہلے کی زندگی سے بے رخی اور بے اعتنائی اور آئندہ کی زندگی کے لیے سعی و کوشش (التجافی عن دار الغرور والانابة الی دار الخلود) سفر تو آگے ہی کا ہے سواریوں میں برابر ترقی ہے۔ پہلے بیل گاڑیوں پر سفر کرتے تھے پھر گھوڑا گاڑی نکلی، پھر ریل گاڑی، پھر ہوائی جہاز، اس سے معلوم ہوا یہ سفر دلالت کر رہے ہیں عالی سفر پر اور بتلاتے ہیں کہ تیز رفتاری، سرعت اور لطافت کی کوئی حد نہیں (یہاں تک کہ پھر جسمانی سفر سے روح کی پرواز اور اس کے اپنے منزلِ مقصود پر پہونچنے کا مرحلہ پیش آجاتا ہے)

اٹھائیسویں مجلس

۲۸

۱۹ ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۸ جنوری ۱۹۷۰ء یوم چہارشنبہ خانقاہ شریف

کل ۱۷ ذیقعدہ یوم سہ شنبہ کو حسب معمول مجلس ہوئی لیکن حضرت نے زیادہ تر حیدرآباد کے قیام اور سفر حج کے حالات مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ جانیوالے قافلوں کے سفر کی صعوبتیں بدامنی اور بدوؤں کی سفاکی اور غارت گری کے واقعات اور مدینہ طیبہ سے مراجعت کا حال سنایا جس کا بیشتر حصہ اور ضروری واقعات وارشادات تمہیدی اور تعارفی مضمون میں آچکے ہیں اس لیے ان کا یہاں اعادہ ضروری نہیں سمجھا گیا۔ مجلس بھی مختصر رہی۔ آج ۱۹ ذی قعدہ کی مجلس کی گفتگو کا خلاصہ درج کیا جائے گا۔

حقیقت موت کی معرفت سے موت کی وحشت جاتی رہتی ہے

آپ نے طاعون سے بیمار ہونے اور اس کی شدت وکیفیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی اصل عدم ہے اس کی ہستی عارضی ہے "هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا" لیکن انسان اپنی اصل (عدم) کی طرف راجع ہونے سے متوحش ہوتا ہے کیوں؟ سیئات کی سزا خوف، کرب ونزع کا ڈر، لذات دنیا

سے جدا ہونے کا خوف اعزا کی جدائی کا صدمہ، اگر انسان اس اصل پر قائم رہے کہ یہاں کی ہر شے وہاں کا عکس ہے۔ بقول عارف شیرازی ؎

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام

اس کے بعد حضرت نے اپنی ایک تحریر سنوائی، جو بیماری سے افاقہ کے بعد نقاہت کی حالت میں لکھی تھی اور بڑے حضرت (حضرت پیر ابو احمد) صاحب رح نے اس کو سُن کر بہت پسند فرمایا تھا۔ یہ تحریر چونکہ موت کی نہایت عارفانہ تشریح اور اس کے نعمت عظمٰی ہونے کے بیان میں نہایت بلند پایہ اور محققانہ، شوق انگیز اور روح پرور ہے اور اس کی اشاعت نہیں ہوئی اس لیے بجنسہٖ اس موقع پر درج کی جاتی ہے۔

موت سے وحشت کے اسباب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۔ قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِىۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيۡكُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۠ (فرما دو اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، "موت" وہ ہے جس سے تم بھاگتے ہو، پس وہ تم سے ملتی ہے، پھر لوٹائے جاؤ گے تم اس چھپا اور کھلا جاننے والے کے پاس، پھر جتا دے گا تم کو جو کرتے تھے۔)

انسان کی اصل عدم ہے اس کی ہستی عارضی ہے هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًا مَّذۡكُوۡرًا ہر شے اپنی اصل کی طرف راغب ہوتی ہے، برخلاف انسان کے کہ وہ اپنے اصل سے بھاگتا ہے۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش

ناس کو نسیان سے مشتق کہتے ہیں۔ چونکہ انسان بھولنے والا ہے اس لیے اپنی اصل کو بھی فراموش کیا۔ اصل سے غافل ہو کر فروع میں مشغول ہوا۔ عوارضات سے مانوس ہو کر جوہر سے غافل ہوا، اب اس کی یاد دہی کو خلّاقِ عالم ارشاد فرماتے ہیں کہ تجھ کو اپنی اصل کی طرف بازگشت ضروری ہے گو تو اس سے فرار ہونا چاہتا ہے مگر وہ ملنے والی چیز ہے۔

سوال:۔ موت سے انسان کیوں بھاگتا ہے؟ اس لیے کہ دوست آشنا عزیز و اقارب کو جدا کرنے والی، لذات دنیا کو منہدم کرنے والی یہی چیز ہے۔ سیئات کی سزا کا خوف، کرب و نزع کا ڈر رہتا ہے؟

موت اشتیاق و استقبال کی چیز ہے

جواب:۔ اگر اس اصول پر بھی انسان قائم رہے تو موت سے نہ بھاگے بلکہ رغبت کرے۔ جب دوستوں عزیزوں سے محبت ہے اور ان کی جدائی شاق ہے تو جن کو یہ بطور مثال و نمونہ دیکھا کرتا ہے درحقیقت ان کی ہمدردی و رفاقت عکس ہے کسی دوستی و مودت کلاں کا چہرہ آگاہ کرنے والا ہے۔ صفتِ بیچوں کا ان کے افعال ظل ہیں فعل الٰہی کے ...... تو ظل پر مائل ہونا کار عقلاء نہیں ہے

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

ہر لذت دنیا میں بطور مثال ہے بلکہ دنیا خود مثال ہے کہ جس کی اصل عدم محض ہے یہاں کے فواکہ یاد دلانے والے فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ کے ہیں یہ حسینان جہاں آگاہ کرتے ہیں وَحُوْرٌ عِيْنٌ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ سے، غرض ہر نیک و بد اس عالم کا نظیر اس جہاں کی ہے، جبکہ ہم کو اچھے کھانے، خوش لباسی، جمیل منظری پسند ہے تو کیوں ان

تمام کے اصل سے غافل رہ کر باطل اور فروع کی طرف راجع رہیں۔ اب یہ خوف کہ تکلیف نزع اور سزا سیئات؟ یہ خود پیدا کردہ مصیبت ہے اس کے لیے چشم پر معصیت سے آب خجالت بہانا اور کثرت استغفار اور اجتناب معاصی و محبت سید الثقلین علیہ افضل الصلوٰۃ علاج ہے۔ جب انسان ان امور پر کاربند رہے گا تو اس کو اپنے اصل کی طرف کشش ہو کر یہ جانے گا کہ "موت" انسان کے مس وجود کے لیے اکسیر اعظم سے کم نہیں ؎

موت جسر موصل آمد سوئے یار
مرگ را آمادہ باش اے ہوشیار
ایں چہ خوش باشد کہ سوئے شہ روم
واصل درگاہ آں بیچوں شوم
وقت آمد کز جہانِ بے کسی
پائے کویاں سوئے بام اورسی

جب تک ہماری نظروں سے حقیقت اشیاء پوشیدہ ہے ہم ہر شے کو باطل تصور کر کے اپنی بینائی چشم بصیرت کو زائل و ضائع کر رہے ہیں جبکہ فضل خدا شامل حال ہوتا ہے۔ عالم بصورت علم ظاہر ہو کر ہر شے اسے بہترین سبق حاصل ہوتا ہے ؎

برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورق دفتریست از معرفت کردگار

نظر آنے والی ایک شے، مناظر بے شمار، ہر ایک کیفیت سے ادراک کر کے نئے طریقہ کا ذوق حاصل کرتا ہے ؎

اے رشک بہار در ہوائے کویت

ہر سو رفتیم ہمہ گزشتیم سویت
از ہر گل ایں باغ بہ چندیں صورت
دیدیم روئے تو شمیدیم بویت

متوحش اور مجتنب ہونے کی چیز تو معاصی ہیں، ہم اس میں شیر و شکر ہو کر ایسی چیز سے محترز ہوتے ہیں جو لابد ہم سے ملنے والی ہم کو صعوبات دنیا سے نجات دینے والی اور ہمارے انتہائی مرادات پر پہونچانے والی شے ہے، ہم کو اس رفیق اعلیٰ سے ملانے والی چیز ہے جو ہر مصیبت میں ہمارا شریک اور معاون رہا اور ہے، ایسے دوست سے کون بھاگے گا جس کو ہر قسم کی مدد کا اختیار اور جو ہر طرح ہماری بھلائی پر تیار ہے۔ "اِنَّ اللہَ بِالنَّاسِ لَرَؤُفٌ رَّحِیْمٌ ۝" حیف صد حیف جس کی دوستی لازم تھی اس سے بھاگے، جس کی مصاحبت مضر ہے اس سے ہم قرین ہیں، پھر ذوی العقول ہونے کے مدعی ہیں، عقلاء کا کام تو خود ان امور کے سمجھنے کا ہے مگر واقف کرنے اور ڈرانے پر بھی دشمنوں کی خاطر دوستوں سے اجتناب ہے! اَلَمْ اَعْہَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ ۝ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝

یکے را کہ دانی کہ خصم تو اوست
نہ از عقل باشد گرفتن بدوست

یہ ضروری اور یقینی امر ہے ایک روز ہادم لذات اس امانت الٰہی کو روز معین پر لے جاویں گے۔ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ تو یہ اولیٰ ہے کہ قبل طلبی جان نثاری پر تیار ہو جاوے ؎

ایں جان عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ٥

غیروں پر جان دیتا ہے اگر جان آفریں کے فدا ہو تو کیا حرج ہے ؎

چو بیشک نبشت است بر سر ہلاک
بدست دلآرام خوشتر ہلاک

بہت مسرت کا دن ہے اس نمک حلال و حق شناس کے لیے کہ جب اس کا مالک جاں فدائی کا حکم دے ؎

بہ روزے بہ بیچارگی جاں دہی
پس آں بہ کہ در پائے جاناں دہی

جو اس جہاں میں موانست خدائے تعالیٰ سے پیدا کرتا ہے اس پر دنیا کا وداع کرنا دشوار نہیں ہوتا بلکہ اس کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد

صد ہزار حیات قرباں ایسی ممات پر جو بامید بقائے دوست جاں دی ہو ؎

مکن گریہ بہ گور مقتول دوست
برو خرمی کن کہ مقبول اوست

کوئی امر باتوں اور دعووں پر پورا نہیں ہوتا جب تک کہ سر نیاز آستانِ بے نیازی پر رکھا نہ جاوے قول و فعل قابل قبولیت نہیں ؎

بزرگی بناموس و گفتار نیست
بلندی بدعوی و پندار نیست
قیامت کے بینی اندر بہشت
کہ معنی طلب کرد دعوی بہشت

تمام امور کا قیام جو ہر اسلام پر ہے جبکہ یہ مستحکم اور استوار ہو تو کل عوارضات کامل و مکمل ہو جاتے ہیں۔ اسلام بسر نہادن یعنی سر فرو شیدن، آیت کریمہ سے واضح ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط دعوی اسلام کے ساتھ ہماری جان اور مال، اللہ تعالے کا ہو چکا، ہم کو کسی قسم کا تصرف اپنے اختیار سے اس میں بجا نہیں، بیع شدہ چیزمیں بایع کا کچھ اختیار باقی نہیں۔ شاہی باغ کا میوہ بادشاہ کی نذر کو باغباں لے جاتا ہے اس پر انعام پاتا ہے۔ خداوند کریم کی جان و مال اگر اسی کو نذر دیا جاوے تو ہماری کمال حیات اور ترقی اور انتہائے مرادات ہے۔ خداوند تعالے عقل سلیم عطا فرماوے جو اعمال قابل عمل ہیں سانس کی آمد و شد تک ان میں اختیار باقی ہے بعد سوائے افسوس دوسرا چارہ و یارہ نہیں ؎

کنوں باید ایں مرغ را پائے بست
نہ وقتیکہ سر رشتہ بر دت ز دست

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ بِجَاهِ نَبِيِّكَ الْكَرِيْمِ عَلَيْهِ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَالتَّكْرِيْمِ۔

بندہ و مامور بن کر طبعی تقاضوں کو پورا کرنا تقرب کا بہترین ذریعہ ہے

فرمایا پرسوں میں نے جو نکاح اور کھانے اور کھانے کی حقیقت بیان کی تھی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بندہ یہ سب طبعی تقاضے بندہ اور مامور من اللہ ہو کر کرے اور اس کے اخروی منافع اور شرعی فضائل سامنے ہوں تو وہ خالص عبادت اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے اور

ان میں نفس کا کوئی حصہ اور خواہش و لذت طلبی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ بطور تمثیل ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ دریا کے کنارے پر رہتے تھے، دوسرے بزرگ دوسرے کنارے پر ایک بزرگ نے جو متاہل اور صاحب اولاد تھے، اپنی بیوی سے کہا کہ کھانے کا ایک خوان لگا کر دریا کے دوسرے کنارہ جو دوسرے بزرگ رہتے ہیں، ان کے پاس لے جاؤ اور ان کو کھانا کھلا آؤ، بیوی نے کہا دریا گہرا ہے میں اس کو کس طرح پار کر کے دوسرے کنارے جاؤں گی فرمایا کہ جب دریا میں قدم رکھنا تو میرا نام لے کر کہنا کہ اگر میرے اور میرے شوہر کے درمیان وہ تعلق ہوا ہو، جو زن و شو میں ہوا کرتا ہے تو مجھے ڈبو دے ورنہ میں پار ہو جاؤں، اس نے یہی کہا، یہ کہنا تھا کہ دریا پایاب ہو گیا اور گھٹنوں گھٹنوں پانی میں وہ دریا کے پار ہو گئیں انھوں نے کھانے کا خوان ان دوسرے بزرگ کو پیش کیا انھوں نے اس کو اکیلے تناول فرما لیا، جب واپس ہونے کا وقت آیا تو ان کو فکر ہوئی کہ آنے کا وظیفہ تو مجھے معلوم ہو گیا تھا اب جاتے وقت کیا کہوں؟ ان بزرگ نے ان کی پریشانی دیکھی تو ان سے دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ میں دریا سے کس طرح پار ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ دریا کو کس طرح پار کیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے یہ ہدایت کی تھی کہ میں اس طرح کہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اب جانا تو میرا نام لے کر کہنا کہ اس نے ایک لقمہ بھی کھایا ہو تو میں ڈوب جاؤں ورنہ پار ہو جاؤں، چنانچہ وہ پار ہو گئیں۔ اب انھوں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آپ نے صاحب اولاد ہو کر خلاف واقعہ بات کیوں کہی اور ان بزرگ نے آنکھوں کے سامنے پورا کھانا تناول کرنے کے باوجود ایک لقمہ بھی کھانے سے انکار کیوں کیا، تو ان بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے جو کچھ کیا امر الٰہی

سے کیا اپنے نفس کی خواہش سے نہیں کیا اور انھوں نے جو کچھ کیا وہ امر الٰہی سے کیا، نفس کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا اور دنیا جو کچھ کرتی ہے اور جس کا رواج ہے وہ نفس کے تقاضے کو پورا کرنا ہے امر الٰہی پیش نظر نہیں ہوتا اس لیے دنیا جس کو ازدواجی تعلق اور تسکین کُری اور ناؤ نوش سمجھتی ہے ہم دونوں میں سے کوئی اس کا مرتکب نہیں ہوا۔

مضطرب اور متوحش کرنے والی چیز معاصی ہیں موت تو وصال کا ایک ذریعہ ہے

فرمایا کہ یہاں کے فوائد وہاں کے فوائد کو یاد دلاتے ہیں، یہاں کا حسن وجمال وہاں کے حسن وجمال کا ایک ہلکا سا عکس ہے، ہم دھوکے میں ہیں ہم نے دنیا کو دیکھا، انھوں نے خالق دنیا کو دیکھا، متوحش اور مضطرب کرنے والی چیز معاصی ہیں، موت تو وصال کا ایک ذریعہ ہے، حافظ نے خوب فرمایا ہے

این جان عاریت کہ بہ حافظ سپرد دوست
روزے رخش بہ بینم تسلیم وے کنم

یہی حقیقت ہے فرمایا گیا یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

حقیقتاً بڑی مسرت کا دن ہے۔ جب مالک بلائے، سپاہیوں میں نام ہو اور لڑائی سے منہ چرا کے پھر سپاہیوں کے بجائے طبلچیوں میں نام ہونا چاہیے۔ میں حیدرآباد میں تھا جب ٹرانسوال ایک فوجی دستہ بھیجا جا رہا تھا، بینڈ ایسی لے سے بج رہا تھا کہ میدان جنگ میں کود پڑنے کو جی چاہتا تھا، سپاہی جوش میں آکر قدم پٹکتے تھے جو اُس جہان سے یگانگی پیدا کر لیتا ہے، وہ بخوشی بیگانوں کو چھوڑ کر یگانوں جا ملنا چاہتا ہے "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ"، بلکہ ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے

صیاد کے انتظار میں کھڑا رہتا ہے کہ آئے اور سرفراز کرے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
باُمید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

تمام مراتب عالیہ اسلام کے تحقق اور پختگی کا نتیجہ ہیں

فرمایا کہ تمام امور کا دار و مدار اسلام پر ہے، تصوف معرفت، حقیقت، ولایت سب اسلام کے نیچے ہیں جب اسلام پختہ ہوا تو ولایت صغریٰ، کبریٰ قبولیت وغیرہ خود بخود اپنے اپنے وقت پر ہو جائے گی۔ لکھنؤ کے ایک دوست نے لکھا کہ آج کل فلاں مراقبہ کر رہا ہوں میں نے لکھا کہ اسلام کا مراقبہ کرو جب خدا نے جان و مال خرید لی ہے تو اب ہم کو تصرف کا حق نہیں "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔

خود ہی مالک خود ہی مشتری

لیکن عجب بندہ نوازی ہے جو چیز ان ہی کی ملکیت ہے اسی کو خرید رہے ہیں اور اس پر انعام دے رہے ہیں۔ شاہی باغ کا مالی پھل اور پھول ڈالی میں لگا کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے یہ سب پھل پھول اسی کے باغ کے ہیں اور مالی کو تنخواہ بھی اسی سرکار سے ملتی ہے لیکن انعام سے نوازا جاتا ہے۔

دنیا طلب بھی مجذوب ہوتے ہیں

فرمایا کہ انسان دنیا کو حاصل کرنے میں بھی مجذوب الفطرت ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے لیے ایسی ایسی مصیبتیں نہ اٹھاتا، حکیم سلطان محمود صاحب کے جوان صاجزادے بیمار تھے، کزاز کا مرض تھا میں ہی دیکھ بھال کرتا تھا۔ سخت دورہ پڑتا تھا بالآخر اللہ نے صحت دی افاقہ ہوا تھا کہ انگریزی امتحان کی تیاری شروع کر دی، میں نے کہا ابھی ابھی بیماری سے اٹھے ہیں اور مرض سخت ہے محنت سے مرض کے عود کر جانے کا اندیشہ

ہے، حکیم صاحب نے فرمایا کہ بچہ مانتا نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیاوی منافع سامنے تھے۔ امتحان دیا اور مرض کا حملہ ہوا اور جانبر نہ ہوئے۔ یہ کیا جذب کی علامت نہیں؟ ایک صاحب اقتدار آدمی موتی مسجد میں آئے لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں کہ ان کے یہ یہ اختیارات ہیں اور ایسا حلیہ ہے ایسا لباس ہے بڑی باریک باریک باتیں اور چھوٹی چھوٹی جزئیات لوگوں کو یاد رہتی ہیں یہ کیا ہے؟ یہ عشق دنیا کا نتیجہ ہے، یہی عشق صحابۂ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے تھا یہاں تک تفصیل بیان کرتے ہیں کہ التحیات پڑھنے میں آپ کی انگلیاں نہ زیادہ سمٹی ہوتی تھیں اور نہ زیادہ پھیلی اور اس کی تصویر کھینچ کر بتاتے ہیں جس کے دل میں غیروں کی عظمت ہو تو اللہ کی عظمت کہاں سے آئے گی؟ میرے ایک سسرالی عزیز نے جو سن رسیدہ تھے لکھا کہ میرے چار بیٹے ہیں اور چاروں برسر کار، صاحب اقتدار مجھے کسی بات کی تکلیف نہیں لیکن جی چاہتا ہے کہ کوئی معاشی مشغلہ ہو اور کہیں کوئی کام مل جائے میں نے جواب میں لکھا کہ آپ نے چار زینوں کا ذکر کیا چھت کا ذکر نہیں کیا، زینے سے تو آرام نہیں ملتا؛ انسان زینہ پر نازاں ہے اور چھت کی فکر نہیں کرتا۔ وسائل پر نظر ہے اور مقصد نظر سے اوجھل۔

۲۹
انتیسویں مجلس

۲۰ رذی قعدہ ۱۳۸۹ھ ۲۹ رجنوری ۱۹۷۰ء روز پنجشنبہ خانقاہ شریف
مخصوص حاضرین:۔ مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب، مولانا ریاست علی خاں صاحب، ڈاکٹر رفیع الدین صاحب ناگپوری وغیرہ وغیرہ

بڑھاپا (روحانی) جوش اور رعنائی کا زمانہ ہے نہ کہ اضمحلال اور افسردگی کا

حیدرآباد کے زمانۂ قیام کے ایک واقف کار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ یہاں آئے بوڑھے نظر آتے تھے مجھے ان کی نوعمری یاد تھی فرمایا جس کو کچھ زمانہ کے بعد دیکھا، یہ تو جوان ہونے کا وقت ہے، جذبات کے مشتعل ہونے کا وقت ہے، میں جوانوں سے کہتا ہوں کہ تم میں تو بڑے جذبے تھے اگر یہ جذبات صحیح مقاصد کے لیے صرف ہوتے تو رنگ لاتے۔ قاعدہ ہے کہ (پست و عارضی) مقاصد کے حصول و تکمیل کے بعد جذبات سرد ہو جاتے ہیں مقصد جتنا بلند ہوتا ہے اس پر پہنچنے کے لیے وسائل اور خارجی چیزیں آدمی راستہ میں چھوڑ جاتا ہے تاکہ ہلکا ہو کر اپنے مقصد اور ہدف پر پہونچے، جو لوگ چاند پر گئے تھے وہ باری باری سے ایک ایک راکٹ فضا میں چھوڑتے گئے آخر تک صرف

ایک ہی راکٹ رہ گیا، یہی حال جسمانی کثافتوں اور خارجی اجزاء کا ہے شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

پرواز فطرت ما در دام بال می زد
آزاد کردہ فضلش از ہر قیود ما را

ان قیود کو پھینک کر دوسرے قیود کو مدنظر رکھتے ہیں، میں نے کلکتہ کا قصہ سنایا تھا کہ ایک مکان میں ایک پنجرہ میں مینا بند تھی کچھ مینائیں اڑتی ہوئی وہاں سے گذریں انھوں نے آواز لگائی یہ مینا پنجرہ میں پھڑ پھڑانے لگی وہ اتنے دن پنجرہ میں رہنے کے باوجود پنجرہ سے مانوس نہیں ہوئی تھی میں کبھی بہت پھڑ کا، دوسرے گھر کی بات تھی اگر موقع ہوتا تو میں پنجرہ کا دروازہ کھول دیتا اور کہتا کہ جا تیرے لیے بہت فضا ہے کاش کہ اس فضا کی چاٹ ہم کو لگ جائے تو دام خود برا دکھنے لگے جس کو آواز جاتی ہے اس کو یہ دام اور یہ قید خانہ برا لگنے لگتا ہے ؎

پرواز فطرت ما در دام بال می زد
آزاد کردہ فضلش از ہر قیود مارا

اسی کو فرمایا گیا ہے "یَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي" یہ وہ پر ہیں جن سے آدمی اسفل السافلین سے اڑکر اعلیٰ علیین تک پہونچتا ہے یہ ایمان اور عمل صالح کے دو پر ہیں ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔ فرمایا چاہیے تو یہ ہے کہ آج کا یقین کل سے بڑھا ہوا ہو، اس لیے بڑھاپے میں جوانی سے زیادہ تازگی ورعنائی اور جذبہ وجوش ہونا چاہیے یہی دل کی وہ شاخ ہے جس کو باد خزاں کبھی خشک نہیں کر سکتی کسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخ نہال گل جسے دل کہیں سو ہری رہی[1]

موت سے وحشت کوتاہ نظری ہے فرمایا کہ موت کا صدمہ اور اس سے وحشت کوتاہ نظری پر مبنی ہے بچوں کے کپڑے اتارو تو منہ بناتے ہیں اور روتے ہیں ان کو خبر نہیں کہ یہ کپڑے اس لیے اتارے جارہے ہیں کہ اس سے اچھے کپڑے پہنائے جائیں عید کے دن بچوں کے کپڑے اتارتے اور نہلاتے ہیں تو کس قدر روتے ہیں حالانکہ عید کا نیا جوڑا اس کے بغیر نہیں پہنایا جاسکتا۔

مصاحبین خاص سے نماز پڑھنے کا طریقہ سیکھنا چاہیے یہاں مبارک علی صاحب نواب صاحب کے خاص مصاحب اور معتمد تھے، جب نواب صاحب کے پاس جانے لگتے تو اپنی مونچھیں ٹھیک کرتے، لباس کا پورا اہتمام کرتے، بوٹ کی ڈوریوں میں جو تھوڑا سا پیتل لگا ہوتا ہے اگر اس کی قلعی اتر گئی ہوتی تو ڈوریاں بدلتے، ہم کو ان سے خدا کے سامنے حاضر ہونے اور نماز پڑھنے کا طریقہ آگیا، حالانکہ ان کے اعلیٰ حضرت کو ایسی ایسی چھوٹی اور باریک باتیں نہیں دکھتی تھیں مگر ہمارے اعلیٰ حضرت کو سب کچھ دکھتا ہے اور باریک سے باریک چیز ان کے سامنے ہوتی ہے یہ اس وجہ سے کہ نماز کے پہلے زوائل سے جو تخلیہ و تنقیہ ضروری ہے وہ ہم نے نہیں کیا بعض وقت بری بات اچھی بات کی طرف رہبری کر دیتی ہے یہی حال استنجے اور قضائے حاجت کا ہے کہ اس سے عبادت کی استعداد پیدا ہوتی ہے اور آدمی یکسوئی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔

---

[1] یہ شعر میر سراج الدین سراج اورنگ آبادی کی ایک نہایت دل پسند غزل کا ہے جو اردو کی بہترین غزلیات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ سراج عہد عالمگیری کے شعرا میں سے تھے ۱۱۷۷ھ میں وفات پائی اصل مصرعہ یوں ہے ع
"مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی"، حضرتؒ نے اس میں لطیف تصرف سے کام لیا ہے۔

اس عالم میں بہت سی چیزیں حقیقت کے خلاف نظر آتی ہیں

فرمایا اس عالم ظاہری میں کوئی گورا نظر آتا ہے کوئی کالا کوئی خوبصورت کوئی بدصورت لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ جو یہاں گورا اور خوبصورت نظر آتا ہے وہ اپنے عقائد و اخلاق کی بنا پر اعیان ثابتہ اور عالم مثال میں کالا اور بدصورت ہو، بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کالے سمجھے جاتے ہیں تم کو خبر نہیں کہ وہ بہت گورے ہیں، ابو جہل سرخ سفید اور خوبصورت نظر آتا تھا جی نہیں وہ بہت بدصورت اور سیہ فام ہے۔

مساجد کو زیادہ زیب و زینت کی ضرورت نہیں

اللہ کے گھر اور مسجدوں کو ظاہری آرائش اور تیز روشنی کی ضرورت نہیں ان میں خود نور اور رونق ہے، اللہ تعالیٰ سلاطین سابقہ کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے خانۂ کعبہ پر حریر و دیبا کے پردے نہیں ڈالے سیاہ غلاف اس پر چڑھائے۔ مسجد میں روشنی کے راڈ لگے تو مجھے پسند نہیں آیا میں نے کہا ان روشنیوں سے وہ چراغ بجھ جاتا ہے، کبھی کسی کھوئی چیز کو تلاش کے لیے چراغ جلانا نہیں بجھانا پڑتا ہے، اگر کسی کی ہیرے کی انگوٹھی رات کو گر گئی ہو تو اس کو تلاش کرنے کے لیے چراغ کو بجھانا مفید ہوتا ہے کہ وہ اندھیرے میں چمکے اور نظر آجائے۔ ہم نے جو باطنی چراغ جلایا ہے اس سے دیکھنا چاہیے یہ قمقمے تو برکات سے بالکل اندھا کر دیتے ہیں کئی سو روپے تقریبوں میں روشنی پر صرف ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ محض اسراف و تبذیر ہے اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ یہ روشنی تو دیوالی میں اور زیادہ ہوتی ہے تو پھر کیا دیوالی اچھی ہے۔

لاؤڈ اسپیکر پر اذان کی مضرتیں

یہاں ایک مسجد میں لاؤڈ اسپیکر لگا اس پر اذان ہونے لگی، اگر وہ بند کر دیا جائے تو دین کی اہانت ہوئی یا نہیں؟ اگر ایسا حکم دیا جائے تو ماننا ہی پڑتا ہے، تو ایسی بات کیوں کرے جس سے ہٹنا پڑے لاؤڈ اسپیکر

جہاں لگانا تھا وہاں نہ لگایا، یہ دماغ تو کچرے کی گاڑی ہے اس میں ہر گندگی اور ہر مردار چیز پڑی ہوئی ہو اس کچرے کی گاڑی میں اگر تھوڑا سا عطر بھی ڈال دیا گیا تو سوائے اس کے کہ بدبو تیز ہو جائے اور کوئی فائدہ نہیں، افسوس ہے کہ مسلمان جذبات میں آسانی سے بہہ جاتے ہیں عقل سے کام نہیں لیتے مسلمانوں کی اسی جذباتیت اور بے عقلی سے کئی مرتبہ اسلام اور مسلمانوں کی توہین کے واقعات پیش آئے اور ناکردہ گناہ مسلمان مارے گئے۔

متکبرین سے کام لینے اور ان کی اصلاح کا طریقہ

فرمایا کہ جس شخص کے دماغ میں فرعونیت بھری ہوئی ہو اور وہ اپنے کو برسرِ حق اور مختارِ مطلق سمجھتا ہو اس سے اگر کوئی کام کرانا ہو یا اس کو کچھ سمجھانا ہو تو اس کو غلط کار بتانے اور اس کی غلطیاں گنانے سے کام نہیں چلے گا، بعض اوقات اپنے کو خطا وار ماننے سے ایسا کام چل جاتا ہے جو بڑے بڑے دلائل اور دستاویزوں سے نہیں چلتا، یہاں ایک رئیس نے ایجنٹ گورنر جنرل کو اپنی ایک حقیت کے اثبات کے لیے بار بار درخواستیں دیں، ہر بار نامنظور ہوئیں، ایک بار مجھے دکھایا میں نے کہا آپ تو حاکم کو موردِ الزام قرار دیتے ہیں پھر اسی سے کام نکالنا چاہتے ہیں، آپ یہ لکھیے کہ مجھ سے اس وقت تک بھی غلطیاں ہوئیں آئندہ بھی ہوں گی۔ چنانچہ انھوں نے اسی طرح کا مضمون لکھا اور برسوں کا اٹکا ہوا کام فوراً ہو گیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو فرعون کے پاس جاتے ہوئے ہدایت فرمائی تھی کہ وہ اس کی نصیحت کے لیے نرم اور میٹھی زبان استعمال فرمائیں "فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ"۔ شیخ سعدی نے کہا ہے

اگر شہ روز را گوید شب است ایں

بباید گفت اینک ماہ و پروین

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس براہین ساطعہ اور دلائل قاطعہ تھے اور معجزات الگ۔ ایک عصا ہی ایسا تھا جو اژدہا بن جاتا تھا اور فرعون کو

نگل سکتا تھا" وَلَقَدْ آتَیْنَا مُوْسیٰ تِسْعَ آیٰتٍ بَیِّنَاتٍ" لیکن ان سب کے باوجود ان کو "قول لین" کا حکم دیا گیا۔

خوشی اور غم کے اظہار کا اسلامی طریقہ

فرمایا ایک سمرنا کی فتح پر مسلمانوں نے ایسا چراغاں کیا تھا اور ایسا جشن منایا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کوئی بڑی سلطنت ہاتھ آگئی، یہ سب سبک سری اور تنگ ظرفی کی باتیں ہیں مسلمانوں کو خوشی تھی تو مسجد میں جمع ہو جاتے اور دعا کرتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے۔ ترکی کے متعلق پریشان کن خبر آجاتی تو والد صاحب فوراً ختم کا اہتمام فرماتے غیر معمولی ختم ہوتا سب مخلصوں کو بٹھا کر ختم اور دعا کراتے یہی اسلامی طریقہ ہے۔

قرآن مجید کا مطالعہ خالی الذہن اور طالب حق ہو کر کرنا چاہیے

فرمایا کہ حکیم ابوحلیب صاحب کو مکتوبات امام ربانی سے بیحد شغف اور اس پر بہت زیادہ عبور تھا۔ ہر چیز مکتوبات سے نکال لیتے تھے، وہ قرآن شریف کو بھی مکتوبات کی روشنی میں دیکھتے تھے، میں مکتوبات کو قرآن شریف کی روشنی میں دیکھتا ہوں اور اسی طرح ہر چیز کو قرآن ہی کی روشنی میں دیکھنا چاہیے ؎

جو پڑھا لکھا تھا نیاز نے اسے صاف دل سے بھلا دیا

قرآن شریف کے سامنے بالکل جاہل ہو کر آئے، ریاضی منطق وغیرہ سب کو بالائے طاق رکھ دے اور پھر بھیک کا ٹکڑا مانگے۔

بندہ نوازی کا ایک عجیب نمونہ وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ

فرمایا ان کی رحمت کا دامن وسیع ہے، ہر ایک کو اپنے دامن سے ڈھانپ لیتے ہیں "وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ" فرماتے ہیں "وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ" ہم اس کے لکھنے والے ہیں جو کام منشیوں اور کراماً کاتبین کا تھا وہ خود کر رہے ہیں اگر ہمارے اندر ایمان ہو تو ہم اس عزت افزائی اور

ذرہ نوازی پر لوٹ جائیں۔

فرمایا حیدرآباد میں ایک انگریز افسر تھا جس کا نام واکر تھا۔ حیدرآباد میں اسی کا حکم چلتا تھا، سب امرا، وزرا، اس سے دبتے تھے، ظفر علی خاں اسی کی وجہ سے حیدرآباد سے نکالے گئے۔ انھوں نے ایک شعر کہا تھا ؎

نہ بنگالی سے گھبرا اور نہ مدراسی سے کھٹکا کر
مگر سجدے میں جھٹ جھک جا نظر آجائے گر واکر

حیدرآباد میں ہمارے ایک دوست عثمان میاں تھے واکر ان کے خاندان کو بہت مانتا تھا ان کے یہاں پولیس کا ڈریس تیار ہوتا تھا، عثمان میاں نے نوکری کے لیے درخواستیں دیں، منظور نہ کی، کہا کہ تم کچھ پاس نہیں ہو، میں خلاف قانون نہیں کرسکتا، انھوں نے مجھ سے شکایت کی، میں نے یا عزیز کا چلہ بتادیا، قسمت کی بات وہ ایک دن درخواست لے کر پہونچے، اس انگریز کے یہاں لڑکا نہیں ہوتا تھا، بڑی تمنا تھی اسی دن اس کے یہاں فرزند تولد ہوا تھا، بہت خوش تھا ان پر نظر پڑی کہا کیا درخواست لائے ہو؟ انھوں نے درخواست پیش کی اس پر لکھ دیا کہ اول درجہ کی امینی (تھانیداری) پر تقرر کیا جائے۔ بیچارے دبلے پتلے اور کوتاہ قامت تھے تھانیداری کے لیے سجتے نہیں تھے۔ لوگوں نے کہا کہ عملہ مخالف ہے، تمھارا تقرر باقی نہیں رہ سکے گا ایسا ہی ہوا کہ عملے نے بہت مخالفت کی۔ واکر کے سامنے بہت دلائل دیے کہ یہ جسمانی وجاہت اور ڈیل ڈول بھی نہیں رکھتے، کچھ پاس بھی نہیں ہیں، مگر اس نے کہا میں اپنے لکھے کو نہیں کاٹوں گا چنانچہ انھوں نے تھانیداری کی، جب پولیس کے اونچے اونچے جوان ان کے سامنے کھڑے ہوتے تو عجیب منظر ہوتا۔ تو جب واکر صاحب اپنا لکھا نہیں کاٹ سکتے تو وہ احکم الحاکمین کیسے کاٹ دے گا۔ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۔

عبادات و اعمال کے نتائج دیکھ کر انسان کی بے خودی و از خود رفتگی

فرمایا حیات تو بڑی چیز ہے، منٹ دو منٹ کی بھی مل جائے تو بڑی نعمت ہے، بچپن میں بڑی بوڑھیوں سے دیوار قہقہہ کا قصہ سنا تھا کہ ایک بڑی اونچی دیوار ہے جس کے پیچھے پریاں رہتی ہیں، جب کوئی شخص جھانک کر دوسری طرف دیکھ لیتا ہے تو قہقہہ لگا کر دوسری طرف پھاند پڑتا ہے اور وہیں کا ہو رہتا ہے، جب کچھ پڑھا لکھا تو سمجھے کہ یہ سب افسانہ ہے پھر جب کچھ اور پڑھا لکھا اور سمجھ آئی تو معلوم ہوا کہ حقیقت ہے، معاصی کی دیوار ہمارے سامنے کھڑی ہے اور دوسری طرف نیک اعمال عبادات و تسبیحات کی پریاں (اس کا اجر و ثواب) ہیں جب آدمی کی نظر ان پر پڑتی ہے تو بے اختیار جست لگا کر اس عالم میں پہونچ جانے کا جی چاہتا ہے۔ كَلِمَتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ۔ ان مچھلیوں سے جو خشکی میں تڑپ رہی ہیں پوچھو، قبرستان میں جا کر دیکھو، سعدی فرماتے ہیں۔ لوگ ایک جنازہ پر کپڑے پھاڑ رہے تھے ایک بزرگ نے کہا کہ یہ (مردہ) تمھارے حال پر کفن پھاڑ رہا ہے کہ تمھارے قابو میں زبان ہے اور تم اس کو صحیح استعمال کر کے آخرت کا ذخیرہ نہیں جمع کرتے، مردے بھی یہی کہتے ہیں کہ يَا وَيْلَتَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ (ہائے ہماری بدبختی ہم اس دن اس عالم سے بالکل غافل تھے، بلکہ ہم نے اپنے کو برباد کیا۔)

تیسویں مجلس[۱]

۲۷ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ مطابق ۵ اپریل ۱۹۷۰ء بروز یکشنبہ ½ ۹ بجے صبح حسب معمول اتوار کو خانقاہ مجددیہ میں عمومی مجلس ہوئی، اتوار ہونے کی وجہ سے خانقاہ حاضرین سے بھری ہوئی تھی۔ ہر طبقہ اور درجہ کے لوگ تھے حسب ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔ مولانا محمد عمران خاں صاحب، مولوی محمد نعمان صاحب، عزیزی مولوی محمد ثانی، نواب سید ظہور الحسن صاحب، سید معشوق علی صاحب، مولوی محمد مرتضیٰ صاحب ناظر کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء، یوسف صاحب تاجر (کویت)

علم اور عمل فرمایا ___ لوگ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پانی دم کر دیجیے، میں کہتا ہوں کہ میاں خود ہی دم کر لو اللہ نے تم کو بھی علم دے رکھا ہے میرے پاس

---

[۱] بھوپال کے اس سفر میں مرتب ملفوظات کی طبیعت مضمحل رہی اس لیے سفر کی مجلس وہ خود قلمبند نہیں کر سکا اتوار (۲۷ محرم) کی یہ مجلس عزیزی محمد ثانی سلمہٗ نے مرتب کی تھی (افسوس ہے کہ ۱۶ فروری ۱۹۸۲ء کو انھوں نے انتقال کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ) ___ مرتب

آنے کی کیا ضرورت ہے۔ دم کا پانی مانگنے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے دیوار میں ایک تختہ (بورڈ) لگا ہے آپ اس کو پڑھنا جانتے ہیں مگر خود نہیں پڑھتے اور مجھ سے کہتے ہیں ذرا اس کو پڑھ دیجیے، میں کہتا ہوں میاں ذرا خود بورڈ پر نظر ڈالو اور خود پڑھ لو، اس کو دیکھ سکتے ہو، اس کو پڑھ سکتے ہو، پھر میرے محتاج ہو حالانکہ وہ تمھارے سامنے ہے مگر ادھر کوئی توجہ نہیں کرتا۔

ماحول کا اثر فرمایا — آدمی جس ماحول میں رہتا ہے عموماً اس میں رنگ جاتا ہے اس کا ذہن اور دل و دماغ اسی میں چلتا ہے اور سارے اعضا اس سے مانوس ہو جاتے ہیں وہ جب دوسرے ماحول میں جاتا ہے تو بڑی اجنبیت محسوس کرتا ہے اور تکلیف و گھٹن ہوتی ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک چمڑا پکانے والے کا لڑکا چمڑے دار ماحول سے اتنا متاثر تھا کہ ایک بار وہ عطر کی دکان سے گزرا تو عطر کی خوشبو کا متحمل نہ ہو سکا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ جب باپ نے پرانے چمڑے کو سنگھایا تو ہوش آیا۔ یہی حال آج کے گندے ماحول کا ہے کہ اس ماحول میں پرورش پانے والا اچھے اور صالح ماحول میں گھٹن محسوس کرتا ہے اور وہ ماحول اس کے ذہن و دماغ پر بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

فطرت صحیحہ غالب رہتی ہے فرمایا — انسان کی فطرت صحیح ہوتی ہے ماحول اس فطرت کو بدلتا ہے مگر وہ فطرت غالب آجاتی ہے جیسے قطب نما ہوتا ہے۔ تم جس سمت میں اس کو رکھو گے قطب نما کی سوئی قطب کی طرف مڑ جائے گی تم گھماتے جاؤ۔ مگر سوئی اپنے مرکز ہی کی طرف جائے گی۔ میری خانقاہ میں ایک دیہاتی آیا، میں نے اس سے پوچھا تمھارے یہاں بارش ہوئی۔ اس نے بے تکلف جواب دیا۔ ہم نے خدا کے

کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں سب کچھ کرتے ہیں تو بارش بھی خدا نے روک دی اور کہہ دیا کہ سب کچھ تم لوگ کرتے ہو تو بارش بھی برسا لو۔ دیکھیے اس دیہاتی کی فطرت صحیح تھی اس کا ذہن اُدھر ہی گیا اور ایسا جواب دیا۔

کبھی عادت فطرت بن جاتی ہے

حقیقت حال یہ ہے کہ فطرت تو اپنے صحیح راستہ پر جا رہی ہے اس کو بہ تکلف غلط راستہ پر ڈالا جاتا ہے اور غلط کاموں کا عادی بنایا جاتا ہے، حیدرآباد میں ایک رئیس نے ہتھنی خریدی تھی وہ ہتھنی کسی تماشہ والے کی تھی اس کی عادت تھی کہ ایک پتھر پر چاروں پاؤں سمیٹ کر بیٹھتی تھی حالانکہ اس کا بیٹھنا باعث تکلیف تھا اور وہ یہ عمل بہ تکلف کرتی تھی لیکن اس طرح بیٹھنا اس کی عادت میں داخل ہو چکا تھا، اسی طرح اور عادتوں کا حال ہے کہ وہ عادت بنتے بنتے فطرت ہو جاتی ہیں اور ان عادتوں کو چھوڑنا ناگوار ہوتا ہے۔ عادتوں کو چھوڑنا ایسا ہے جیسے کانٹوں پر چادر ڈال کر کھینچنا۔

ماحول سے لڑنا چاہیے

لوگ فطرت کو بُرا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو فطرت کے بُرے ہیں یہ بات نہیں۔ فطرت سب کی صحیح ہے ماحول خراب ہے اس خراب ماحول میں رہ کر فطرت کی طرف رخ کرنا ہے۔ صحابۂ کرام کی فطرت صحیح تھی۔ ماحول خراب تھا، انھوں نے عزم اور یقین سے اس خراب ماحول میں اپنے رخ کو فطرت صحیحہ کی طرف کیا اور ماحول کا مقابلہ کیا۔ ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میرا تبادلہ ایسی جگہ ہو گیا ہے جہاں کا ماحول بہت خراب ہے۔ میں نے کہا ماحول خراب ہے تو کیا تمھاری فطرت تو صحیح ہے یہ تو خوشی کی بات ہے لاؤ مٹھائی کھلا دو،

معانقہ کرو، بہت اچھی جگہ تمھاری بدلی ہوئی، تم کو تو وہ ماحول نصیب ہوا جو صحابۂ کرام کو نصیب ہوا تھا، صحابۂ کرام نے اسی ماحول میں کام کیا اور ماحول بدلا تم بھی صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلو، غلط ماحول میں رہ کر استقامت دکھاؤ، اگر پیروں کے گھر میں پیدا ہو کر اس میں رہے تو کیا کمال ہے

چو دل با خدا بست تو خلوت نشینی

بہت سے تو ایسے ہیں کہ گھر میں ہر وقت اللہ و رسول ﷺ کا تذکرہ سنتے ہیں اچھے لوگوں کی گود میں پرورش پاتے ہیں، صالح ماحول میں زندگی گزارتے ہیں مگر دوسرے غلط ماحول کی طرف ڈھلک جاتے ہیں کیونکہ ان کے رجحانات غلط ماحول کی طرف ہوتے ہیں۔

جن کی نظر خدا پر ہوتی ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتے

یاد رکھو کہ جن کی نظر خدا کی عظمت و طاقت پر رہتی ہے وہ دنیا کی کسی طاقت سے نہیں ڈرتے نہ کسی دنیاوی ہیبت سے مرعوب ہوتے ہیں۔ مقدمہ پیش ہے وکیل و گواہ حاضر ہیں ایک خدا سے ڈرنے والا کبھی نہ گھبرائے گا کیونکہ اس کو خدا پر بھروسہ ہے جو لوگ حاکموں کے سامنے جاتے کپکپاتے ہیں ان کے دل میں حاکموں کی ہیبت ہوتی ہے حاکموں کی ہیبت خدا کی عظمت کے احساس سے محروم کر دیتی ہے ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میرے ایک ملنے والے ہیں ماشاء اللہ چہرے پر داڑھی ہے، شروع شروع لوگوں نے کہا کہ بایں صورت تم انجینیرنگ کیسے پڑھو گے؟ مگر وہ خدا سے ڈرنے والے کسی اور سے نہ ڈرے اور داڑھی رکھے رہے۔ خدا کی عظمت کو دل میں بٹھایا، انجینیرنگ پاس کی، اب ماشاء اللہ بڑے انجن چلاتے ہیں۔ ماحول خراب ہے مگر خود صورۃً

سیرۃً نیک ہیں۔ مجھ سے وظیفہ پوچھا میں نے کہا اللہ پر بھروسہ رکھنا تمھارا وظیفہ ہے بس اپنے نازک پرزہ (دل) کو ٹھیک رکھو، سارا کام بنتا جائے گا۔

مقصد حقیقی — فرمایا — فراہیم صاحب نے مجھ سے کہا کہ میرے بچہ کا تبادلہ ایسی جگہ ہوا ہے جہاں کا ماحول بہت خراب ہے میں نے پوچھا تنخواہ کیا ملتی ہے؟ بولے ڈیڑھ سو۔ میں نے کہا کہ ڈیڑھ ہزار ملنے لگیں اور ماحول خراب رہے اور ساری تکالیف باقی رہیں تو دعا کردوں؟ کہنے لگے حضرت یہ تو بد دعا ہوئی جن کی نظر اُخروی اجر پر ہوتی ہے وہ دولت وثروت کے طالب نہیں ہوتے وہ خدا کی خوشی کو مطمح نظر بناتے ہیں، میں کل ہی حیات الصحابہ[1] پڑھ رہا تھا کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی کہ اپنی قوم میں جاکر اسلام کی تبلیغ کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو تمھاری قوم شہید کر ڈالے گی۔ عرض کیا مجھ کو اجازت مرحمت فرما دیجیے اس میں مرے دل کو راحت ہوگی اجازت مل گئی کسی نے نیزا پھینکا وہ آنکھ میں لگا ان کے قبیلہ نے بدلہ لینا چاہا فرمایا بدلہ مت لو، یہ کیوں کہا؟ اس لیے کہ ان کو جزا کا یقین تھا، اس لیے دنیا کی دولت وعزت زندگی کی راحت ان کی نگاہوں میں ہیچ تھی۔

علت غائی اگر پیش نظر رہے تو کوئی تکلیف تکلیف نہیں رہتی بلکہ تکلیف بھی راحت بن جاتی ہے ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے میری بچی علی گڑھ میں پڑھتی ہے غذا خراب ہے مگر برداشت کر رہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ چونکہ علت غائی (تعلیم) پیش نظر ہے اور وہ اس کے نزدیک ٹھیک ہے اس لیے اس تکلیف کو خوشی سے برداشت کر رہی ہے۔

---

[1] تالیف حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ۔

عارضی چمک دمک یا دائمی سکون

فرمایا ـــــ ظاہر پر نہ جایا کرو، ظاہری عزت، ظاہری حسن وجمال، ترقی، دولت و ثروت کا کیا اعتبار، یہ دیکھو نتیجہ کیا ہے اگر نتیجہ خراب ہے تو یہ چمک دمک حسن وجمال، عزت و دولت راحت نہیں تکلیف ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے نہایت اچھا مکان ہے، دیواریں خوبصورت چھت بلند نرم نرم بستر، بلند مسہری، گاؤتکیے لگے ہوئے، پلنگ پوش پڑا ہوا۔ ہر طرح کا آرام، آرائش و زیبائش، خدام خدمت کے لیے تیار، میاں صاحب تشریف لائے مسہری پر لیٹے اور سو گئے، اور ان کا نوکر سامنے زمین پر بے بستر، بے تکیہ کے لیٹ گیا، تھوڑی دیر بعد کھٹملوں، پسوؤں اور مچھروں نے میاں کو ستایا، ان کی آنکھ کھلی، کروٹ بدلنے لگے کوئی غمگسار نہیں اور نوکر صاحب آرام سے فرش پر خراٹے لے رہے ہیں وہاں نہ مچھر تھے نہ کھٹمل نہ پسو اب تم بتاؤ کس کو آرام ملا، میاں کو یا نوکر کو، نرم بستر اونچی مسہری، بجلی کے پنکھے راحت کا سامان بنے یا وہ فرش خاکی ؟ انبیائے کرام یہی بتاتے ہیں کہ دنیا کی زندگی چاہے جتنی آرام دہ ہو اور چمک دمک رکھنے والی ہو اس میں مچھر ہیں کھٹمل ہیں، پسو ہیں، جس طرح ایک سونے والے کو نیند اور آرام مقصود ہے۔ نرم بستر نہیں وہ آرام کو ترجیح دے گا چاہے وہ زمین پر ملے یا بے بستر اور بے مکان کے حاصل ہو۔ اسی طرح آخری آرام و راحت اجر و ثواب مقصود ہے چاہے وہ فاقوں سے حاصل ہو یا دنیا کی مشقتوں سے علت غائی دائمی آرام ہے۔

جزا کے یقین پر ہر مشکل آسان

فرمایا ـــــ دنیا والوں کو دیکھو کہ وہ دولت و ثروت حاصل کرنے کے لیے مشکل سے مشکل کام کرتے ہیں، ان کے لیے دولت کی امید میں مشکل سے مشکل کام آسان ہو جاتا ہے اور ناممکن سے

ناممکن عمل ممکن بن جاتا ہے بس امید چاہیے اگر کسی کو دولت یا کسی قسم کے فائدے کی امید ہوتی ہے تو سارے اعذار اور موانع ختم ہو جاتے ہیں اور قوت و طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ میں کوردائی[1] گیا۔ میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں نہ پیروں میں طاقت نہ دل میں ہمت۔ سخت گرمی کا موسم دوپہر کا وقت لو چل رہی تھی منہ جھلسا دینے والی گرم ہوا۔ نواب صاحب نے مجھ سے کہا آپ اس وقت اسٹیشن[2] پیدل چلے جائیں، میں یہ سنکر گھبرا گیا، اسٹیشن جانا اور مجھ جیسے معذور کے لیے اس دوپہر میں محال اگر نہیں تو پہاڑ ضرور ہے۔ نواب صاحب میری نگاہوں میں محبوب تھے مگر ان کے حکم سے میں بد دل ہو گیا میری معذوری کا لحاظ نواب صاحب نہیں کرتے اور اس دوپہر میں اسٹیشن جانے کو کہہ رہے ہیں، نواب صاحب کے یہاں کا کھانا جو بہت قیمتی اور مرغن تھا میرے لیے زہر معلوم ہونے لگا میں نے سوچا میں خوامخواہ یہاں آیا وہ سوکھی روٹی، چٹنی گھر میں جو تھی اچھی تھی۔ اس بلا میں تو گرفتار نہ ہوتا۔ نواب صاحب پھر آئے اور بولے کیسے جائیں گے آپ؟ یہ کہہ کر نواب صاحب اندر چلے گئے! میں نے منت مانی اے خدا اگر اس سے چھٹکارا مل گیا تو میں تیری جناب میں ایک بکرا ذبح کروں گا مجھ کو اس سے نجات دیدے۔ نواب صاحب پھر آئے اور کہا اگر آپ نہیں جاتے تو میں فلاں شخص کو بھیج دیتا ہوں۔ اگر آپ جاتے تو آپ کا فائدہ ہو جاتا ۱۵ ہزار روپیہ آپ کو مل جاتا۔ خیر کسی سے کہہ دیتا ہوں۔ ۱۵ ہزار کا نام

---

[1] علاقہ بھوپال کی ایک ریاست۔

[2] کوردائی اسٹیشن آبادی سے کئی میل دور ہے۔

سُن کر میرے جسم میں لہر دوڑ گئی ۱۵ ہزار کتنے زیادہ ہیں صرف اسٹیشن جانے پر ملیں گے کتنا سستا سودا ہے اب خون دوڑنے لگا، ۱۵ ہزار کے سامنے معذوری ختم ہو گئی جسم میں قوت آ گئی بجلی دوڑنے لگی بے ساختہ منھ سے نکلا نواب صاحب میں جا سکتا ہوں" میں پوچھتا ہوں کہ ذرا سی دیر میں کیفیت کیوں بدلی، معذوری کیوں ختم ہو گئی اس لیے کہ ۱۵ ہزار کی امید ہو گئی۔ جزا کا یقین ہو گیا۔ ایک بڑا فائدہ سامنے آ گیا۔

دنیا یا آخرت فرمایا ــــ آخرت کی مثال دنیا بھی صحیح نہیں وہ تو بے مثال اور بے مثل ہے۔ اس کی مثال کیا، صرف سمجھانے کے لیے عرض کر رہا ہوں۔ حضرت مجدد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس عالم کا ایک تارہ بھی اس عالم میں آجائے تو سارا عالم روشن ہو جائے تو ان دونوں میں کیا نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مردہ سنت کے احیاء پر سو شہیدوں کا ثواب بتایا ہے لیکن ہمارا یقین مردہ ہے نہ اجر و ثواب کا یقین ہے نہ خدا کے وعدوں کا اس لیے اسلام کی باتیں ناممکنات سی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ ہم نے ممکنات کے دائرہ میں قدم ہی نہیں رکھا، بس ہم دنیا کی ممکنات کے اندر پڑے ہیں اسی لیے اسلام کا چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ جیسے وضو، نماز، سنتیں تک ہم پر بھاری ہیں بس ہماری نظر دنیاوی فوائد اور ظاہری ٹیپ ٹاپ پر ہے قرآن نے کیا خوب فرمایا

یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ٥	جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو اور وہ لوگ آخرت کی خبر نہیں رکھتے۔

دنیا کو محبت سے دیکھنا اور اس کی رغبت آخرت کا حجاب بن جاتی ہے اور

دنیا سبز باغ معلوم ہونے لگتی ہے۔ مگر پھر کیا انجام ہوتا ہے فنا اور صرف فنا انجام قبر ہے اور قبر ایک حسرت کدہ۔

عبرت و حسرت | جاؤ اور قبرستان والوں سے پوچھو، دولت سے کھیلنے والے اور عیش و تنعم میں زندگی گزارنے والے خاک کا پیوند ہیں۔ تم کو یہ شہر خموشاں بتائے گا۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ	بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے اور
عُيُوْنٍ وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ	کھیتیاں اور گھر خاصے اور آرام کا
كَرِيْمٍ وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا	سامان جس میں باتیں بنایا کرتے تھے۔
فٰكِهِيْنَ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا	یوں ہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگادیا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝	ہم نے ایک دوسری قوم کے۔

کہو گے قبر والے کب بولتے ہیں میں کہتا ہوں قبر والے زبان حال سے نہیں زبان قال سے بولتے ہیں سننے کی طاقت ہونی چاہیے۔ صلاحیت اور مناسبت ہونی چاہیے۔ جس طرح اس دنیا میں دور دراز علاقے کی بات آپ ٹیلیفون اور لاسلکی سے سنتے ہیں مگر کب جب آپ ریسیور یا آلہ سماعت اپنے کانوں سے لگاتے ہیں۔ اسی طرح قبر والوں کی بولی سننے کے لیے بھی ایک ریسیور کی ضرورت ہے اور وہ ہے قرآن کریم اس کے ذریعہ سنو تو سن سکو گے۔ قبر والے کہہ رہے ہیں اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں۔

يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ	ہائے کم بختی ہماری ہم بے خبر
مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔	رہے اس سے بلکہ ہم تھے گنہگار۔

قبر والے چھاتی کوٹ رہے ہیں | کیا کہوں قبر والے اپنی چھاتی کوٹ رہے ہیں۔ ماتم کر رہے ہیں اس غم میں کہ دنیا کی زندگی برباد کی اور دنیا کے

عارضی عیش وتنعم میں پڑ کر خدا فراموش بن کر بیٹھے اور آخرت کا عیش بھول گئے یہ قول ان لوگوں کا ہوگا جو کافر ہوں گے اور قیامت میں کہیں گے۔ کہاں گیا وہ تزک واحتشام وہ عزت وترقی، وہ مال ودولت وہ آرام وراحت جو دنیا میں ہم کو حاصل تھا۔ "من لم یذق لم یدر" (جس نے چکھا نہیں وہ کیا جانے)

بچے کی فطرت والدین بگاڑتے ہیں — فرمایا — بچہ اپنی فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگر ماں باپ کی حرکتوں اور افعال سیئہ سے فطرت مسخ ہو جاتی ہے۔ ابھی چند دن کی بات ہے ایک معصوم سا بچہ کھیل رہا تھا۔ میں نے محبت سے اس سے پوچھا بیٹے کیا پڑھتے ہو۔ اس نے ایسا غلط اور بیہودہ جواب دیا کہ میں مبہوت ہو کر رہ گیا میرے دل پر جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ میں نے کہا جاؤ صاحبزادے جاؤ تم نے ایسا زہر دیا کہ اس کا تریاق مشکل ہے۔ یہ تمہارا قصور نہیں تمہاری تو فطرت صحیح تھی۔ تمہارے باپ نے تمہاری فطرت بگاڑی بچپن ہی سے تم کو خراب کر دیا ایسے ہی بچے قیامت میں کہیں گے۔

رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَائَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا — اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پس انھوں نے بھٹکا دیا۔ ہم کو راہ سے۔

وہ بچے اپنے مربیوں کی شکایت کریں گے کہ انھوں نے ہماری زندگی برباد کی۔

حرکت میں برکت — فرمایا — ہم غریب لوگ تھے۔ گڑ کے چاول کھاتے تھے۔ اب خدا نے وسعت دی تو قسم قسم کے کھانے کھاتے ہیں۔ اِن قسم قسم

کے لذیذ کھانوں کے آگے وہ گڑ کے چاول بھول گئے۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی پہلے میٹھے تیل کے دیئے ٹمٹماتے تھے۔ اسی میں سارا کام ہوتا تھا۔ لوگ رہتے تھے، کھاتے تھے، پڑھتے تھے لکھتے تھے اور اس میں خوش تھے سمجھتے تھے۔ بڑی نعمت ہے۔ امراء اور بادشاہوں کے یہاں ۵-۵ چراغ جلتے تھے شمعیں روشن ہوتی تھیں ان کو تیل کی کیا کمی تھی۔ مالدار لوگ تھے پھر دنیا نے ترقی کی تیل کے بجائے بجلی آئی۔ دستی اور فرشی پنکھوں کے بجائے بجلی کے پنکھے ہو گئے یہ اس لیے ہوئے کہ دنیا والوں نے فکر و تدبر سے کام لیا۔ تیل کے چراغوں کو کافی نہیں سمجھا خدا نے عقل و تدبیر کی جو دولت انسان کو دی ہے اس سے کام لیا گیا اور دیکھتے دیکھتے ترقی ہوتی گئی۔ اسی طرح ہم کو بھی اپنی موجودہ زندگی پر قناعت نہ کرنی چاہیے اس کو بہتر بنانے کی فکر کرنی چاہیے۔ آخرت والی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے میں تدبر سے کام لینا چاہیے۔

خدا کا فرمان ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ — جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی زیادہ
نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ — کریں گے ہم اس کے واسطے اس کی
كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا — کھیتی اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی
نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ — کھیتی اس کو دیں گے ہم کچھ اس میں سے
مِنْ نَّصِيْبٍ ہ — اور اس کے لیے نہیں آخرت میں کچھ حصہ۔

خدا نے ایمان کی جو روشنی ہم کو دی ہے بلاشبہ یہ بڑی روشنی ہے مگر اس روشنی میں اضافہ کی کوشش کرنی چاہیے، جس طرح دیے سے لیمپ ہوئے لیمپ سے ترقی کر کے بجلیاں ہوئیں اور انسان اس سے آگے سوچ رہا ہے

وسی طرح ہم کو ایمان کی روشنی کو بڑھانا چاہیے۔ آج جس طرح بجلی کی روشنی میں دیے اور لیمپ کی روشنی اندھیری لگتی ہے اسی طرح آخرت کی نعمتوں اور راحتوں کے آگے دنیا کی راحتیں ہیچ معلوم ہوں گی۔

دنیا کے معاملہ میں ہم ترقی کرتے جارہے ہیں۔ ہمارا دماغ چلتا رہتا ہے مگر دین کے معاملہ میں قناعت پسند ہیں۔ ترقی کی کوئی پرواہ نہیں، یہ فطرت انسانی ہے کہ ایک ترقی کے بعد دوسری ترقی کو سوچتا ہے۔ دین میں بھی یہی ہونا چاہیے اسی کا نام عبادت ہے ہم روزہ رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سب ٹھیک ہیں مگر ان نمازوں میں، ان روزوں میں روح پیدا کریں۔ افسوس ہے کہ نماز پڑھنے والے نمازوں سے بیگانے ہیں۔ نہ روح کا پاس نہ ارکان کا خیال، نہ جہت ٹھیک، نہ دل صحیح رخ پر، سجدہ کرتے ہیں تو پاؤں قبلہ سے بے رخ۔

ادب کیا ہے فرمایا ــــــ ادب بڑی چیز ہے کہنے کا انداز ہونا چاہیے۔ ایک بات کئی انداز سے کہی جاتی ہے۔ ایک کا اثر کچھ ہوتا ہے دوسری کا کچھ جیسے آپ کسی کی دعوت کریں پہلے کھانے والوں سے آپ کہیں میاں جلدی کھاؤ اور دوسروں کے لیے جگہ چھوڑو۔ تم دیر لگا رہے ہو۔ آپ کے اس جملہ سے مہمان اکھڑ جائے گا اور وہ قورمہ اور پلاؤ، قورمہ اور پلاؤ نہ معلوم ہوگا زہر ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ زہر کھانا زیادہ اچھا ہوگا اس طرز کے کھانے سے، تو غلط نہ ہوگا ــــــ طریقہ تو یہ ہے کہ کہا جائے ابھی تشریف رکھیے اور نوش فرمائیے۔ اسی طرح سے آدمی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال اس طرف لگا ہو کہ نماز ختم کروں اور فلاں کام شروع کروں تو یہ نماز کی بے ادبی ہے اور ایسا ہی ہے جیسے ایک معزز مہمان سے

کہا جائے کہ جلدی کھانے سے فارغ ہوئیے تاکہ جگہ خالی ہو دوسرے مہمان بیٹھیں۔

معاملہ بالکل الٹا کر دیا گیا ہے

فرمایا —— معاملہ بالکل الٹا کر دیا گیا ہے۔ نماز جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ دعائیں دیر لگاتے ہیں۔ حالانکہ نماز دعا کی جامع ہے، وہ خود دعا ہے۔ نوافل کا بڑا اہتمام، فرائض کا خیال کم ہے۔ حالانکہ نوافل بارات ہیں اور فرائض دولھا، میں تو کہتا ہوں کہ اگر کسی نے وظیفہ بھی نہیں پڑھا اور نماز کو قاعدہ کے ساتھ ادا کیا تو سب دعا اور وظیفے پورے ہو گئے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہزاروں میں ایک کو بھی نماز کے احکام اور ارکان یاد نہیں اور دنیا بھر کی معلومات پوچھ لیجیے، صبح اخبار کی تلاش ہوئی۔ امریکہ میں کیا ہو رہا ہے، روس میں کیا ہو رہا ہے، میرے محلہ میں ایک شخص مسجد کے سامنے رہتا تھا مضبوط پہلوان، نام کا مسلمان نماز ایک وقت کی نہیں پڑھتا تھا مگر اخبار کا کیڑا تھا، بس اسی میں اس کی زندگی تمام ہوگئی، خدا اس کی مغفرت کرے۔ بات یہ ہے کہ دماغوں میں دنیا کی زندگی کا کچرا بھرا ہے اور سڑتا رہتا ہے۔ عطر لگانے اور خوشبو میں بسانے سے کام نہیں چلے گا وہ کچرا نکال دیا جائے اور بدبو دور کر دی جائے۔ خوشبو تو فطری ہے۔ عجیب بات ہے لوگوں کے لیے یہ آسان ہے کہ پانی میں کھڑے گھنٹوں وظیفہ پڑھیں مگر یہ کہو کہ اپنا حال بدلو دماغوں سے کچرا نکالو۔ بُرے خیالات سے دل پاک کرو تو یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

فوز عظیم کا مدرسہ

فرمایا —— بزرگان دین کے صدقہ میں تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دنیا ایک مدرسہ ہے یہاں پڑھو اور سند لو۔ سند کون سی، حیات ابدی اور فوز عظیم کی۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ۝

البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں لیتے ہیں جو دیا ان کو ان کے رب نے، وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے۔

میں تو کہتا ہوں کہ اس دنیا میں فوز عظیم اور حیات ابدی کی تعلیم صرف حاصل ہی نہیں کرنا بلکہ اس کے لیے جان دیدینے اور گلا کٹوا دینے سے کبھی پورا حق ادا نہیں ہوتا۔ دیکھو دنیا والے دنیا کے لیے لاکھوں کی تعداد میں گلا کٹوا دیتے ہیں کہ ان کی نسلیں دنیا کی فلاح حاصل کر سکیں۔ حالانکہ یہ دنیا فانی ہے اس کے بقا کی کوئی ضمانت نہیں، اور ہمارا حال یہ ہے کہ حیات ابدی کے لیے نکھی تک نہیں اڑاتے۔ اصل میں خدا کا خوف ہی اصل ہے وہ جب کسی دل میں پیدا ہوتا ہے تو تقویٰ کرالیتا ہے اور یہی فطرت صحیحہ کا تقاضا ہے۔

دنیا دار المحن ہے

خدا کے خوف اور تقوے کی زندگی اختیار کرنے سے اللہ وہ زندگی عطا فرماتا ہے جس میں امن وسکون اور قرار ہوگا اور دائمی ہوگا۔ قرآن کریم میں تقویٰ اختیار کرنے والوں کے متعلق ہے۔

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ۝

داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ بالکل بے خوف ہو کر۔

اور یہ زندگی جو دنیا کی ہے اس کی راحت، اس کا آرام سب عارضی ہے لیکن دنیا دالے اسی پر ایسے ریجھے ہوئے ہیں اور ان کو یہ دھوکا ہے کہ یہاں اور دہاں دونوں جگہ ان کو یہ نعمت ملے گی مگر خود دنیا کا حال یہ ہے کہ قدم قدم پر تکلیف واذیت ہے، دولت ہے مگر دل کو قرار نہیں، عزت ہے مگر جھوٹی، صحت ہے مگر بیماری کے ساتھ، جسم تھکنے والا، جوانی ہے بڑھاپا لانے والی۔

وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ٥

اور جس کو ہم بڑھاپے کی عمر کو پہونچا تے ہیں اس کو اس کی ابتدائی حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں تو کیا وہ اس کو سمجھتے نہیں۔

اے کف دست و ساعد و بازو
ہمہ تو ویع یک دگر بکنید

آج یہاں درد، کل وہاں تکلیف۔ دیکھیے مکھیاں اپنی حفاظت کے لیے چھتّا بناتی ہیں، کتنا خوبصورت اور دلکش، کیسا منظم اور مرتب، آج انسان بھی کیسے کیسے محل، مکان بناتا ہے۔ بڑے بڑے باغات، نہریں آبشار مگر ان سب آرام دہ چیزوں کے ساتھ کیا حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں موت، بیماری، تکلیف، امن و سلامتی مفقود ہے، انبیائے کرام ایسے ایسے محل بنواتے ہیں کہ آرام و راحت کے ساتھ دائمی سکون و قرار بھی ملتا ہے "آمنین" کا وعدہ بھی ہے۔

إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا فرمایا ـــــ بے لگامی اور خدا فراموشی غضب الٰہی کو لاتی ہے۔ دیکھنے میں کتنی خوش کن اور فرحت افزا ہوتی ہے، یہ قہقہے، عیش کوشی، لذّت اندوزی اپنے پردہ میں خدا کی ناراضگی، عتاب، غضب کو ڈھانپے ہوتی ہیں اور انسان غافل رہتا ہے اسی طرح بعض دفعہ کی ناگواری، پریشانی، آرام و راحت کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور انسان اس وقت سمجھتا ہے جب اس کو راحت میسر ہوتی ہے۔ یہ تکالیف شرعیہ ہیں جو ہم کو آپ کو بظاہر ناگوار گزرتی ہیں، حقیقت میں انھیں میں بڑے منافع ہیں۔ اور جب یہ منافع ہم کو حاصل ہوں گے تو ناگواری کے بجائے جذبۂ احسان شناسی پیدا ہوگا۔

دنیا کی مصیبتیں مقدمۃ الجیش ہیں قیامت کی مصیبت و ذلت کی

فرمایا ــــــ آج دنیا جن حالات سے گزر رہی ہے جو مصیبتیں، تباہیاں آرہی ہیں اور ہم ان میں بھی خوش ہیں، کھا پی رہے ہیں، ہنس بول رہے ہیں، کھیل تماشے کرتے پھرتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ یہ مصیبتیں کیوں آرہی ہیں، ان کے نتائج کیا ہوں گے، آج یہاں زلزلہ آیا کل وہاں آیا، محل گرے، مکانات منہدم ہوئے، آدمی مرے، مالی نقصان ہوا۔ یہ بے مقصد اور بے نتیجہ نہیں ہے کہ ہم ان کی خبریں پڑھتے رہیں اور تبصرے کرتے رہیں۔ یہ مقدمۃ الجیش ہیں اس بڑے زلزلہ کا جو قیامت میں آنے والا ہے یہ ریہرسل ہے اس یوم عظیم کی جو مرنے کے بعد آنے والا ہے یہ خدا کی طرف سے آگاہی ہے بچھوؤں اور سانپوں کے کاٹنے کی مگر کون ہے جو ان سے سبق لے یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ[1] اس زہریلے سانپ سے بچو ورنہ اس کے کاٹنے کے بعد راکھ ہو جاؤ گے۔

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ	جس دن اس کو دیکھو گے بھول جائے گی ہر
مُرْضِعَةٍ عَمَّا اَرْضَعَتْ	دودھ پلانے والی اپنے دودھ پلائے ہوئے
وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى	کو اور تم دیکھو گے سب لوگوں کو بے ہوش

آج کے واقعات ان کی مثالیں ہیں مگر کی تھوڑی بہت حالت آج بھی ہے مدہوشی، غفلت، زندگی میں پائی جاتی ہے۔ ایسی مجلسوں میں جہاں باپ، چچا بزرگ اپنے غیر چھوٹے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ہمارے آج کے نوجوان تنگ پتلون جو آج کے فیشن میں داخل ہے پہن کر کس بے حیا یا نہ

---

[1] اے لوگو خدا سے ڈرو قیامت کا بھونچال بہت بڑی چیز ہے ۱۲

انداز سے آتے ہیں کہ ستر تک کا خیال نہیں کرتے، نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں مگر آنے والوں کو اپنی بے حیائی کا احساس بھی نہیں ہوتا یہ سکر نہیں تو اور کیا ہے، یہ اس قیامت کے بڑے سکر کا مقدمہ ہے میں تو کہتا ہوں کہ یہ نشہ بھی نہیں ہے پتھر کا بت جیسا بنا دیا ہے یہ غفلت اور اللہ کا عذاب ہے جو مسلط کیا گیا ہے۔

چھپی ہوئی آگ فرمایا ـــــ دیاسلائی کتنی معمولی ہوتی ہے ایک چھوٹی سی ڈبیا اس میں کچھ تیلیاں، چھوئیے اور رکھ دیجیے نہ گرمی نہ آگ نہ چنگاری، مگر ذرا تیلی کو رگڑ دیجیے شعلہ نکلے گا اور جہاں بھی لگے آگ بھڑک اٹھے گی۔ اس ڈبیا میں دیکھنے کو تو آگ نہیں ہے مگر حقیقت میں آگ بھری ہے بس استعمال کرنے کی دیر ہے۔ پٹرول کے پیپے ہیں ذرا اس ڈبیا کی ایک تیلی کو رگڑ کر اس کارخانے میں چھوڑ دو، کیا نتیجہ ہوگا ـــــ پورا کارخانہ جو ابھی تک پرسکون تھا، آگ کے شعلوں کی نذر ہو جائے گا اسی طرح برے اعمال اور خدا کی نافرمانیاں ہیں کہ دیکھنے میں کوئی بات نہیں مگر اس کے عمل سے ایسی آگ لگتی ہے کہ خدا کی پناہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ادب فرمایا ـــــ خدا نے ہم کو ادب سکھایا ہے اور سب سے بڑا ادب اللہ و رسول کے حکم کے آگے سر جھکا دینا ہے، قرآن نے صحابہ کرام کو خطاب کر کے کہا

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ — نہ اونچی کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر۔

کتنا معرکۃ الآرا لحاظ ہے کتنا عظیم المرتبت ادب ہے، دیکھو مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک کے آگے اپنی آواز پست رکھنا، یہ حکم

وقتی نہ تھا صرف صحابہ کرام کو نہ تھا بلکہ پوری اُمّت کو ہے قیامت تک ہے۔ یہ قرآنی آواز آج بھی اسی طرح آرہی ہے جس طرح اپنے نزول کے وقت سنائی دی تھی، آج یہ آواز ہم کو بتا رہی ہے کہ حضور کے کسی حکم کے آگے اپنی مصلحت نہ ڈھونڈنا، دین میں علت مت تلاش کرنا بے چون وچرا حکم رسول کو ماننا ورنہ تمھاری آواز حضور کی آواز پر بلند ہو جائے گی اور نتیجہ ہوگا

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ — کہ اکارت ہو جائیں تمھارے اعمال

اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ — اور تمھیں خبر بھی نہ ہو۔

صحابہ کرام نے اس ادب کو سیکھ لیا تھا اور وہ آوازوں کو حضور کی آواز کے آگے اتنی پست رکھتے تھے کہ گویا مجلس میں ہیں ہی نہیں۔ ظاہراً بھی اور اور باطناً بھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے حالات بدل جاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مخالف آتے تھے، زہر میں بجھی تلوار لاتے تھے اور سر قدموں میں ڈال دیتے تھے ان کے قصے پڑھو اور دیکھو، صحابہ کے قصے قصے نہیں، وہ تو ایسے ہیں جیسے ہمارے کان، ناک، زبان یعنی وہ تمام اعضاء جن پر ہماری زندگی کا انحصار ہے، کل ہی میں "حیات الصحابہ" میں دیکھ رہا تھا کہ جب مشرکین مکہ کو بدر میں شکست ہوئی تو رنج وغم کی فضا چھا گئی۔ عمیر نے صفوان سے مشورہ کیا کہ اگر قرض اور بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو (نعوذ باللہ) میں جا کر کام تمام کر دیتا۔ صفوان نے ان کاموں کی ذمہ داری لی۔ عمیر تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ چلا، حضورؐ اپنی مجلس میں رونق افروز تھے۔ حضرت عمرؓ نے عمیر کو اس حال میں آتے دیکھا تو خدمت میں عرض کیا کہ خدا کا دشمن آرہا ہے، حکم ہو تو آگے بڑھ کر قتل کر دوں۔ ارشاد ہوا آتا ہے تو آنے دو، وہ قریب آیا تو فرمایا

کس ارادے سے آئے ہو، کہنے لگا اپنے بیٹے کو چھڑانے! ارشاد فرمایا اور وہ جو صفوان سے تنہائی میں مشورہ کر رہے تھے وہ کیا تھا؟ عمیر کا دل بدل گیا۔ فوراً مسلمان ہو گئے۔ یہ کیوں ہوا۔ ان کا ارادہ کیوں بدلا۔ قاتل سے شیدائی کیوں بن گئے۔ حالات میں یک دم تغیر کیسے ہوا؟ قرآن میں ڈھونڈو اور تلاش کرو ملے گا۔ میں تو یہی کہتے کہتے مر جاؤں گا۔ کہ اپنے جسم کے نازک پرزے کو درست کر لو۔ اس کی حفاظت کرو۔ صحابہ نے صرف بال کمانی درست کر لی تھی اور اس میں جو تنکا آ گیا تھا وہ نکال دیا تھا۔ عمیر نے بھی آخر وہ تنکا نکال دیا تو حالت بدل گئی اور فطرت صحیحہ لوٹ آئی، ساری مشینری جو غلط چل رہی تھی صحیح چلنے لگی۔

خدا سے غفلت موت ہے اور استغفار حیات کا گلشن ہے

فرمایا کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ مصلے پر ان کے دونوں طرف دو بلیاں بیٹھی رہتی تھیں، ایک صاحب حضرت کی زیارت و ملاقات کے لیے بغداد گئے، دیکھا کہ دو بلیاں کھڑی ہوئی باتیں کر رہی ہیں، "بایزید تو مر گیا، اب سڑے گا گلے گا" بلیوں کا بات کرنا تعجب خیز نہیں، میں کسی وقت آپ کو بتاؤں گا قطب وغیرہ بھی سنتے ہیں، ہم آپ بھی سنتے ہیں۔ غرض وہ صاحب جامع مسجد پہونچے اور دریافت کیا کہ حضرت بایزید کا مزار کہاں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، حضرت کے متعلق ایسی باتیں کرتے ہو، حضرت تو حیات ہیں، وہ صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کسی موقعہ پر حضرت سے پوچھا کہ مجھ کو راستہ میں دو بلیاں ملی تھیں، اور وہ یہ کہہ رہی تھیں، فرمایا بلیوں نے جو کہا سچ کہا، کچھ وقت میرا غفلت میں گزرا تھا، اور خدا سے غفلت موت ہے، جب مجھے غفلت ہوئی تو بلیوں

نے مجھے مردہ سمجھ کر رخت سفر باندھا، اس موت کی عفونت اور بد بو جانور اور ملائکہ بھی ادراک کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ نے اس موت سے حفاظت اور حیات کا انجکشن بھی پیدا کیا ہے، جس سے لب دم آدمی کبھی حیات حاصل کر سکتا ہے، اور وہ انجکشن ہے استغفار۔

شوق لقائے مولیٰ میرا تو حال یہ ہے کہ میرے قدم تو موت میں پڑ رہے ہیں اور میرا رخ اب اُدھر ہی ہے مجھے اب کوئی تمنّا اور آرزو نہیں۔ بس ایک ہی تمنّا ہے۔

اسی تمنّا میں عمر گذری کہ یار ہم سے تو آملے گا
نہ ہم نے جانا کہ وصل کیا ہے نہ ہم یہ سمجھے وصال کیا ہے

خدا مجھے حیات نصیب کرے میں تو موت کے مدرسے میں داخل ہو کر اسی سے مانوس ہو چکا ہوں۔

مکن گریہ بر گور مقتول اوست
برد خرّمی کن کہ مقبول اوست

میں ایک مرتبہ بہت کمزور ہو گیا تھا اور جسم سے خون مفقود ہو گیا تھا، سارے احباب و مخلص دوست اس پر متفق تھے کہ خون چڑھایا جائے میں نے کہا جس کو جینے کی تمنّا ہو وہ خون چڑھائے۔ میرا تو حال یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ۔ اللہ تعالےٰ کے شوقِ لقا میں جو قدم اٹھا اس پر تو خوش ہونا چاہیے۔

صاحب ملفوظات کا وصال

ملفوظات کے مرتب مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اواخر محرم ۱۳۹۰ھ
(اوائل اپریل ۱۹۷۰ء) میں صاحب ملفوظات حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب
مجددی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھوپال حاضر ہوئے تھے، آخری مجلس جس کے
ملفوظات ناظرین کرام نے کتاب کے آخری صفحات میں ابھی پڑھے ہیں،
۲۷ محرم (۵ ا اپریل) کی تھی۔ اس کے ٹھیک ۴۵ دن بعد ۱۳ ربیع الاول
۱۳۹۰ھ (۲۰ مئی ۱۹۷۰ء) کو بغیر کسی علالت کے اچانک حضرت کا وصال
ہوگیا جس کی اطلاع مولانا محمد عمران خاں صاحب ندوی کے تار سے اسی
رات میں مل گئی تھی۔ دو چار دن کے بعد خود مولانا موصوف لکھنؤ
تشریف لائے ان سے واقعہ وصال کی جو تفصیلات معلوم ہوئیں وہ
بڑی ایمان افروز تھیں ان کو ایک مختصر مضمون کی شکل دے کر الفرقان
کے ربیع الاول کے شمارے میں شائع کر دیا گیا تھا۔ بعد میں کچھ اور قابلِ
ذکر چیزیں حضرت کے بڑے صاحبزادے مولانا حافظ محمد سعید میاں صاحب
کے ایک عنایت نامہ سے معلوم ہوئیں، اب اُن کا بھی اضافہ کر کے اسی
مضمون کو اس مجموعہ ملفوظات کا خاتمہ بنایا جا رہا ہے امید ہے کہ اس کا مطالعہ

انشاء اللہ بہت سے ناظرین کے لیے ایمانی کیفیت میں زیادتی اور ایسی موت کا شوق پیدا ہونے کا وسیلہ بنے گا۔

محمد منظور نعمانی

یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

اگرچہ حضرت علیہ الرحمہ کی عمر قمری حساب سے قریبًا ۹۰ سال اور شمسی حساب سے قریبًا ۸۷ سال تھی اور جسمانی طور پر بہت لاغر اور نحیف بھی تھے لیکن ضعف پیری کا کوئی خاص اثر نہیں تھا، روحانی قوت نے جسم کو بھی چاق و چست بنا رکھا تھا، علاوہ اپنے خاص اشغال و اوراد اور معمولات کے جن میں دن رات کا بڑا حصہ مصروف رہتا تھا، مجلس میں گھنٹوں مسلسل تقریر فرماتے تھے، رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مرتب کیے ہوئے ملفوظات جو ناظرین کے پیش نظر ہیں۔ ان میں بھی مولانا موصوف نے حضرت کی اس غیر معمولی کیفیت کا تذکرہ کیا ہے۔

ادھر کئی مہینے سے عام و خاص گفتگوؤں میں مسلسل اس کا اظہار فرماتے تھے کہ مجھے نوٹس مل چکا ہے، جانے کا وقت بہت قریب آچکا ہے بلکہ فرماتے تھے کہ زندگی کا وقت ختم ہو چکا ہے اب موت میں چل رہا ہوں، گزشتہ مہینہ اپریل میں مولانا علی میاں بعض رفقاء کے ساتھ ایک دن کے لیے بھوپال حضرت کی مجلس میں حاضر ہوئے تھے حضرت علیہ الرحمہ کی مجلس میں، یہ مولانا کی آخری حاضری تھی، اس مجلس کے آخری ملفوظ میں بھی پوری

صراحت کے ساتھ حضرت نے اپنے بارے میں یہی اطلاع دی تھی۔ اور کبھی مختلف ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس آخری دَور میں اس احساس و یقین کا اتنا غلبہ تھا کہ قریب قریب ہر مجلس میں اس کا اظہار فرماتے تھے۔

مولانا محمد عمران خاں صاحب نے بتایا کہ تقریباً دو مہینے پہلے حضرت کی طبیعت چند روز کچھ ناساز رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں پر کچھ ورم ہو گیا تھا۔ جو علاج سے جاتا رہا لیکن اس کے بعد سے جسمانی ضعف بہت بڑھ گیا سہارے کے بغیر اٹھ بیٹھ نہیں سکتے تھے مگر نماز بالکل اسی طرح پڑھتے تھے جس طرح ہمیشہ پڑھا کرتے تھے دیکھنے والے کو اس میں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تھا۔ البتہ مسجد تشریف نہیں لے جاسکتے تھے گھر ہی پر جماعت ہوتی تھی ـــــ اس شدید ضعف کے زمانے میں کبھی معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ بے خوابی کی شکایت ہو گئی تھی اس لیے رات کو نیند بہت دیر سے آتی تھی، لیکن ہمیشہ کے معمول کے مطابق تہجد کے لیے اپنے وقت پر اٹھ جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جو وقت سونے کا ہے اس وقت تو نیند آتی نہیں اور جو سونے کا نہیں جاگنے کا ہے، اس وقت آتی ہے تو میں اس کو پاس نہیں آنے دیتا۔

روزانہ کا معمول تھا کہ فجر کے بعد اشراق تک مصلّے ہی پر اذکار و اوراد میں مشغول رہتے۔ اشراق پڑھ کر خانقاہ تشریف لے آتے اور کسی کو ساتھ بٹھا کر پہلے قرآن مجید کے ۴۔ ۵ پارے سناتے، سننے والے صاحب اگر حافظ ہوتے تب بھی حضرت کے حکم کے مطابق قرآن مجید میں دیکھ کے سنتے اس کے بعد گویا مجلس شروع ہو جاتی سب سے پہلے ایک دو رکوع کے بقدر قرآن مجید تلاوت فرما کر اس کا ترجمہ سناتے اس کے لیے مولانا فتح محمد صاحب جالندھری مرحوم کا ترجمہ سامنے رہتا۔ اسی سے پڑھ کر سناتے، اس کے بعد کسی اردو تفسیر سے (اکثر احسن التفاسیر

سے جو اُردو کی بہت اچھی تفسیروں میں سے ہے) کچھ پڑھ کر سناتے اور اس ترجمہ اور تفسیر کے سلسلے میں جو کچھ ذہن پر وارد ہوتا اس کو درمیان میں فرماتے جاتے۔ اس کے بعد حدیث کی کتاب (زیادہ تر مشکوٰۃ شریف) سے کوئی صاحب پہلے حدیث کا عربی متن پڑھتے اور حضرت کتاب ہی سے اس کا ترجمہ خود پڑھ کر سناتے۔ اس سب کے بعد امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں سے کوئی مکتوب پڑھ کر سناتے اور کوئی دوسرے صاحب مکتوبات کے مطبوعہ اردو ترجمہ سے اس کا ترجمہ پڑھ کر سناتے اور حضرت کو جو کچھ فرمانا ہوتا وہ فرماتے، پھر حاضرین مجلس کے احوال اور ان کی سطح کا لحاظ فرماتے ہوئے اس طرح کے حقائق و معارف بیان فرماتے جس کا نمونہ ناظرین کے سامنے ہے۔

یہ سب روزمرہ کا معمول تھا، اور بس یہی حضرت کی مجلس تھی۔ اکثر ۱۰۔ ۱۱ بجے یہ سلسلہ ختم ہوتا تھا۔ اتوار کے دن حاضرین کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی تھی، اس آخری دور میں چار چار سو اور پانچ پانچ سو تک پہونچ جاتی تھی۔ اس دن ارشادات کا سلسلہ بہت طویل ہو جاتا اور مجلس کبھی کبھی بارہ بجے کے بعد ختم ہوتی۔

آخری اتوار (۷ مئی ۱۹۷۸ء) کو مجلس اور زیادہ طویل ہوئی اور اس دن بار بار اس کا اظہار فرمایا کہ میرا وقت بالکل قریب آگیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک خاص والہانہ کیفیت کے ساتھ عارف رومی کے یہ اشعار بھی پڑھے۔

این چہ خوش باشد کہ سوئے شہ روم | واصل درگاہ آں بیچوں شوم
وقت آمد کز جہاں بے کسی | بارے گو باں سوئے بام او رسی

اس کے بعد پیر اور منگل کو بھی بالکل اپنے معمول کے مطابق مجلس ہوئی۔ بدھ کے دن بھی جو حضرت کے وصال کا دن ہے روزمرہ کی طرح مجلس ہوئی بلکہ اس دن صبح کو قرآن مجید روزمرہ کے معمول سے بہت زیادہ قریباً دوگنا سنایا، ایک

نئی بات یہ ہوئی کہ اس تلاوت قرآن مجید کے درمیان مٹی کے لوٹے میں پانی طلب فرمایا اور قریب رکھ لیا۔ تلاوت فرماتے جاتے تھے اور لوٹے میں ہاتھ ڈال کر چہرے پر پھیرتے جاتے تھے، اس وقت تو حاضرین مجلس نے اس بارے میں زیادہ غور نہیں کیا لیکن چند ہی گھنٹے کے بعد جب وصال ہوگیا تو سمجھ میں آیا کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ادا ہورہی تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد دوسرے معمولات ترجمۂ قرآن، تفسیر و حدیث شریف بھی روزمرہ کے معمول کے مطابق بلکہ کچھ اضافہ ہی کے ساتھ پورے ہوئے اور حضرت گیارہ بجے کے بعد خانقاہ سے اٹھ کر اندر تشریف لے گئے۔ بہت خفیف سا کھانا تناول فرمایا۔

گھر میں ایک الماری ہے جس میں حضرت اپنی کچھ خاص پسندیدہ چیزیں محفوظ رکھتے تھے اور وہ ہمیشہ بند رہتی تھی۔ سب سے چھوٹی صاحبزادی صاحبہ کو بلایا اور وہ الماری کھلوائی، ان سے فرمایا کہ جو چیزیں تم ان میں سے لینا چاہو لے لو۔ انھوں نے کچھ چیزیں نکالیں اور معمول کے مطابق الماری کو بند کرنا چاہا تو فرمایا۔ اب اس کو بند نہ کرو کھلی رہنے دو، پھر صاحبزادے مولانا سعید میاں اور میاں مصباح الحسن سے کچھ باتیں فرماتے رہے پھر قیلولہ کی نیت سے لیٹ گئے۔ دو ڈھائی بجے کے قریب اٹھ کر ظہر کی نماز ادا فرمائی اور پھر لیٹ گئے ــــــ یہاں تک کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ طبیعت پر گھبراہٹ ہے، پھر اٹھ کر غسل خانہ تشریف لے گئے، وہاں چکر آ گیا؛ چھوٹی صاحبزادی کو احساس ہوگیا اور وہ اور ان کی والدہ پہونچیں، وہاں سے اٹھا کر لایا گیا۔ اور لٹا دیا گیا۔ اس وقت غشی کی سی کیفیت تھی۔ قریباً دس منٹ میں ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر قریشی صاحب کو بلایا گیا تھا وہ فوراً پہونچ گئے۔ حضرت نے ان سے فرمایا، کچھ نہیں بس چکر آ گیا تھا۔ اس کے بعد کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے لیکن سنا نہیں جا سکا کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ بڑے

صاحبزادے نے صرف یہ آیت سنی۔ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ اسی حالت میں پیٹ میں یا سینہ میں تکلیف شروع ہوئی۔ شدّت کرب کی وجہ سے بار بار اٹھانے اور لٹانے کو فرماتے۔ ڈاکٹر قریشی صاحب نے انجکشن تیار کیا اور عرض کیا کہ اسے لگوا لیجیے، انشاء اللہ ابھی سکون ہو جائے گا۔ فرمایا اچھا لگا دیجیے اور پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت بہت تیز آندھی چلی، اس سے اس کمرے کے دروازے جس میں حضرت آرام فرما رہے تھے ایک دم کھل گئے، گھر والوں کو حیرت ہوئی کہ دروازوں کی کنڈیاں چڑھی ہوئی تھیں پھر وہ ہوا سے کیسے کھل گئے، بہر حال دروازے پھر بند کر دیے گئے، فوراً ہی حضرت نے دروازوں کو کھول دینے کا اشارہ فرمایا، اس وقت یہ محسوس کیا گیا کہ حضرت کو کسی کی آمد کا انتظار ہے اور آپ استقبال کے لیے متوجہ ہیں۔ اس وقت صاحبزادگان، صاحبزادیاں اور اہلیہ محترمہ قریب تھیں، فرمایا تم سب خاموش کیوں ہو کلمہ پڑھو، کلمۂ شہادت پڑھو یٰسین شریف پڑھو، بڑے صاحبزادے مولانا حافظ محمد سعید صاحب نے یٰسین شریف شروع کر دی۔ دوسرے حضرات کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت پڑھنے لگے فرمایا اب میں رخصت ہو رہا ہوں گھٹنوں تک جان نکل چکی ہے پھر کچھ پڑھنے میں مشغول ہو گئے، جو سنا نہیں جا سکا۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا اب ہاتھوں کی جان نکل چکی ہے۔ پھر موجودین کو مخاطب کر کے فرمایا تم سب گواہ رہنا اور پھر بلند آواز سے ایک دفعہ کلمۂ شہادت پڑھا پھر تقریباً ایک منٹ کے بعد بلند آواز سے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اور روح واصل بحق ہو گئی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین نے یہ شعر اسی موقعہ کے لیے کہے تھے ؎

منگر کہ دل ابن یمین پر خوں شد
بنگر کہ از سرائے فانی چوں شد
مصحف بہ کف و پا بہ رہ و دیدہ بہ دوست
با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

بڑی صاحبزادی صاحبہ ناگپور میں تھیں ان کو ٹیلی فون سے اطلاع دی گئی وہ اسی وقت بھوپال کے لیے روانہ ہو گئیں، ان کے انتظار کی وجہ سے تدفین میں تاخیر کی گئی۔ غسل مولانا حافظ محمد عمران خاں صاحب ندوی اور ان کے چھوٹے بھائی مولوی حافظ نعمان خاں ندوی اور چاروں صاحبزادوں نے دیا۔ دیکھا گیا کہ انگشت شہادت جو کلمۂ شہادت پڑھتے وقت سنت کے مطابق حلقہ بنا کے اٹھائی گئی تھی وہ اسی حال میں تھی۔ اور اسی حال میں رہی۔

جمعرات کے دن ۴ بجے سہ پہر جنازہ خانقاہ سے اٹھ سکا۔ جنازہ میں شریک ہونے والوں کا اندازہ پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک کیا گیا ہے۔ جنازہ کے باہر لانے تک گرمی شدید تھی جو دن بھر رہی، خطرہ تھا کہ اس غیر معمولی ہجوم میں جس میں کسی کو سر و پا کا ہوش نہ رہے گا متعدد موتیں ہو جائیں گی، یہ بھی اندیشہ تھا کہ جنازہ کے لے جانے میں بڑی بے ترتیبی اور افراتفری ہو گی اور عجب نہیں کہ بیسیوں کی عصر کی نماز قضا ہو جائے اور سیکڑوں کو نماز ادا کرنے میں سخت دقت کا سامنا ہو، لیکن سب باتیں خلافِ قیاس پیش آئیں —— جنازہ کا نکلنا تھا کہ رحمتِ الٰہی کا ایک شامیانہ ہزارہا مخلوقِ خدا کے سر پر تن گیا۔ یعنی ابر چھا گیا اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی، جو مسلسل تدفین تک رہی، جا بجا سقے اور لوگ بالٹیوں میں برف کا پانی لیے کھڑے تھے جو بڑی محبت اور عقیدت

کے ساتھ پانی پلاتے تھے۔ ان میں سے بعض کی آنکھیں اشکبار تھیں، لوگوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ وضو اور جماعت کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی، جنازہ کے لے جانے میں بڑا سکون اور نظم رہا۔ جنازہ اندازہ سے بہت پہلے خاندانی مقبرہ واقعہ جہانگیر آباد مقابل پولیس لائن پہونچ گیا۔ جنازہ کی نماز صاحبزادگان کے اصرار سے مولانا محمد عمران خاں صاحب نے پولیس لائن کے میدان میں پڑھائی اور عصر و مغرب کے درمیان تدفین عمل میں آئی۔ لوگ تدفین کے بعد بھی بہت دیر تک وہاں بیٹھے اور قرآن شریف پڑھتے رہے اور ایک بار امام احمد بن حنبل کے ان تاریخی الفاظ اور پیشین گوئی کی یاد تازہ ہو گئی کہ "بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الْجَنَائِزُ" (ہمارے عقیدے کی صحت و مقبولیت عنداللہ کے جانچنے کے لیے ہمارے جنازے کا انتظار کرو۔)

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ